خوفناک اور پراسرار ناول
ذوناشر
اے۔ حمید

دسمبر کی سرد رات تھی۔

بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ برفیلی ہوا چل رہی تھی۔ رات کے دس بجے ہی شہر کی سڑکیں خالی ہو گئی تھیں۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر گرم بستروں میں دبک گئے تھے۔ ریستورانوں اور ہوٹلوں میں کچھ لوگ شیشوں والے بند دروازوں کے پیچھے بیٹھے گرم گرم کافی اور چائے پی رہے تھے۔ اس وقت شہر سے باہر سرکاری مردہ خانے میں موت کی خاموشی طاری تھی۔ مردہ خانے کے کولڈ سٹوریج میں تین مردوں کی لاوارث لاشیں سٹریچروں پر پڑی پوسٹ مارٹم کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ لاشیں سڑک کے حادثوں میں ہلاک ہونے والے آدمیوں کی تھیں جن کے لواحقین کے لیے اخبار کے ذریعے لاش کی تصویروں کے ساتھ اطلاع شائع کرا دی گئی تھی کہ ایک ہفتے کے اندر اندر لاشوں کو شناخت کر کے لے جائیں۔ ابھی تک ان لاشوں کو لینے کوئی نہیں آیا تھا۔

اس مردہ خانے سے تھوڑے فاصلے پر شہر کے سول ہسپتال کے سرجیکل وارڈ میں دو نوجوان ڈاکٹر راؤنڈ لگا رہے تھے۔ ان ڈاکٹروں نے اسی سال سرجری میں ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا تھا اور اب سول ہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہے تھے۔ وہ رات کی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے ایک سرجن ڈاکٹر کا نام پرویز تھا اور دوسرے سرجن ڈاکٹر کا نام دارا تھا۔ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے۔ دونوں سرجن ڈاکٹر

اپنے وارڈ کے مریضوں کو دیکھنے کے بعد سٹاف نرس کی طرف متوجہ ہوئے۔

ڈاکٹر پرویز نے سٹاف نرس سے کہا۔ "سسٹر! آج بڑی سردی ہے' ہم ہسپتال کی کینٹین میں تھوڑی دیر کے لئے چائے پینے جا رہے ہیں۔ کوئی ایمرجنسی ہوئی تو ہمیں بلوا لینا۔"

یہ کہہ کر وہ ہسپتال کی کینٹین میں آ گئے۔ کینٹین میں دو تین نوجوان ڈاکٹر لمبے سفید کوٹ پہنے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کونے والی ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر پرویز نے لڑکے سے چائے لانے کو کہا اور پھر ڈاکٹر دارا سے کہنے لگا۔ "میں نے تمہارے سامنے جو تجویز رکھی تھی میرا خیال ہے تم نے اس پر غور نہیں کیا۔"

ڈاکٹر دارا کچھ دیر تک اپنے دوست ڈاکٹر پرویز کے چہرے کو تکتا رہا۔ پھر بولا۔ "پرویز! مجھے تمہاری تجویز سے ڈر آتا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اس میں ڈرنے کی کون سی بات ہے؟ بھئی ہم سرجن ہیں۔ ہم بغیر کسی ڈر خوف کے ایسا کر سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر دارا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی مجھے ایسا تجربہ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

"تم کس چیز سے ڈرتے ہو؟" ڈاکٹر پرویز نے پوچھا۔

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "فرض کر لو کہ ہمارا تجربہ ناکام ہو جاتا ہے تو کیا ہمیں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا گناہ نہیں ملے گا؟"

ڈاکٹر پرویز نے ہنس کر کہا۔ "یار دارا! تم کیسی دقیانوسی باتیں کرتے ہو۔ بھائی ہم میڈیکل سائنس کے آدمی ہیں۔ انسان کی ایک ایک رگ ایک ایک عضو سے ہم اس طرح واقف ہیں جیسے انسان کو ہم نے ہی بنایا ہو۔"

ڈاکٹر دارا نے پرویز کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسی کفر کی باتیں منہ سے نہ نکالو۔ انسان کو خدا نے بنایا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اچھا بھائی میں مان لیتا ہوں کہ انسان کو خدا نے ہی بنایا ہے' لیکن ذرا سوچو کہ اگر ہمارا تجربہ کامیاب ہو گیا تو ہمیں کس قدر شہرت ملے گی۔ ساری دنیا میں ہمارا نام گونج اٹھے گا' ڈاکٹر ہم پر کتابیں لکھیں گے۔ ریسرچ کریں گے اور ہمارے مجسمے بنا کر بڑے بڑے ہسپتالوں میں رکھیں گے۔ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہمارا نام چھپے گا اور ہمیں نوبل پرائز سے نوازا جائے گا۔ ہمارے نام کے آگے لکھا جائے گا کہ یہ وہ ڈاکٹر ہیں جنہوں نے ایک نیا انسان بنایا تھا۔"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ یہ کام خلافِ قدرت' خدا کے خلاف بغاوت ہو گی۔"

پرویز بولا۔ "بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے خدا خوش ہو گا کہ ہم نے اس کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ ذرا سوچو' دنیا میں شاید ہی کوئی انسان سر سے پاؤں تک خوبصورت اور مکمل ہو۔ اگر کسی کا چہرہ خوبصورت ہے تو سر چھوٹا ہے یا ناک بھدی ہے' بال سنہری ہیں تو قد چھوٹا ہے۔ اگر سب کچھ ٹھیک ہے تو دماغ کمزور ہے۔ ہم ایک مثالی انسان بنائیں گے جس کے بال سنہری ہوں گے' آنکھیں نیلی ہوں گی' بازو اور ٹانگیں طاقتور ہوں گی۔ قد اونچا لمبا ہو گا' دماغ اعلیٰ ہو گا۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل اور طاقتور انسان ہو گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہمارا تابعدار ہو گا' غلام ہو گا۔ ہم اسے جو کہیں گے وہ کرے گا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "مگر یہ کیسے ممکن ہو گا؟"

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "ہم ایسا کر سکتے ہیں' ہم نے سرجری میں ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا ہے۔ ہم سب سے لائق ڈاکٹر ہیں۔ گذشتہ ماہ ہم نے کئی انسانوں کے کٹے ہوئے بازو ٹانگیں اور ہاتھ پاؤں سرجری کے ذریعے کامیابی کے ساتھ جوڑے ہیں۔ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر دارا نے پوچھا۔ "لیکن یہ سب انسانی اعضاء کہاں سے لاؤ گے؟ کیا تم نیلی آنکھیں' سنہرے بال' خوبصورت ہاتھ پاؤں خود بناؤ گے؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "ہرگز نہیں' ابھی میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ وہ آنکھیں' بال اور دماغ تیار کر سکے۔ ہم کیلکولیٹر اور کمپیوٹر بنا سکتے ہیں مگر ایسا دماغ نہیں بنا سکتے جیسا کہ قدرت نے انسان کا بنایا ہے۔"

"تو پھر یہ چیزیں' یہ نیلی آنکھیں' سنہری بال اور ہاتھ پاؤں کہاں سے پیدا کرو گے؟"

دارا کے اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ہم سب کچھ قبرستان سے لائیں گے۔"

اچانک باہر بجلی کڑکی' بادل زور سے گرجا اور بارش شروع ہو گئی اور تیز ہوا میں کینٹین کی کھڑکی کا پٹ تڑاخ سے کھل گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی بند کی اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "قبرستان انسانی اعضاء کی مارکیٹ ہے۔ وہاں سے ہمیں ہر قسم کے انسانی اعضاء مل سکتے ہیں۔ ذرا خیال کرو' قبرستان میں کتنی خوبصورت نیلی آنکھیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ کیسے کیسے پروفیسروں' شاعروں اور سائنس دانوں کے دماغ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ کریں گے کہ قبرستان کے گورکن کو اپنے ساتھ ملا لیں گے اور وہ روپے پیسے کے لالچ میں یہ کام آسانی سے کر دیا کرے گا۔ ہم اسے کہیں گے کہ وہ صرف اتنا کرے کہ اگر کوئی ایسا مردہ دفن ہونے کے لیے لایا جائے کہ جس کی آنکھیں نیلی ہوں تو ہمیں خبر کر دے۔ ہم رات کو جا کر اس مردے کی آنکھیں نکال کر لے آئیں گے۔ پھر اگر کسی مردے کی ٹانگیں اور بازو باڈی بلڈروں والے مضبوط اور لمبے قد کے ہوں تو وہ ہمیں اطلاع کر دے۔ ہم اس مردے کے بازو اور ٹانگیں کاٹ کر لے آئیں گے۔ اسی طرح اگر کسی مردے کا ناک بڑا خوبصورت اور یونانیوں کی طرح ستواں ہو تو ہم اس مردے کا ناک کاٹ کر لے آئیں گے۔ ہاتھ پاؤں خوبصورت اور چوڑے ہیں تو ہم وہ کاٹ کر لے آئیں گے۔ اگر کسی مردے کا سر گول اور بڑا ہے تو ہم اس کا سر کاٹ کر لے آئیں گے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "اور دماغ کہاں سے لاؤ گے؟ تمہیں یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ مردہ بڑا عقلمند تھا؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "اس کا حل بھی میں نے سوچ رکھا ہے۔ تمہیں یاد ہے جب ہم لندن میں تھے تو ایک بار لندن کا سائنسی عجائب گھر دیکھنے گئے تھے؟"

"ہاں یاد ہے۔" ڈاکٹر دارا نے کہا۔

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ لندن کے اس سائنسی نوادرات کے عجائب گھر میں شیشے کے مرتبان میں سپرٹ ڈال کر دو دماغ رکھے گئے تھے۔ ایک دماغ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا تھا اور دوسرا دماغ انگلستان کے سب سے بڑے قاتل اور جرائم پیشہ بدمعاش کا تھا جس نے اپنے ہاتھ سے ڈیڑھ سو آدمیوں اور عورتوں کا خون کیا تھا اور آخر میں پھانسی کی سزا پائی تھی۔"

"ہاں! مجھے یاد ہے۔ دونوں دماغ عجائب گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔" ڈاکٹر دارا نے کہا۔

ڈاکٹر پرویز چائے بنا رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "ہم وہاں سے دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ چرا کر لے آئیں گے اور اپنے بنائے ہوئے انسان کے سر میں وہ دماغ فٹ کر دیں گے۔ ہم انسانی اعضاء کے آپریشن اور رگوں کو جوڑنے کے ماہر ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے ایسا کر سکیں گے۔ ذرا غور کرو' جب وہ انسان زندہ ہو جائے گا تو وہ دنیا کا مکمل ترین انسان ہوگا۔ ہر ملک کے لوگ اسے دیکھنے آئیں گے۔ دنیا کے اخباروں میں اس کی اور ہماری تصویریں چھپیں گی اور نیچے لکھا ہوگا کہ یہ وہ مصنوعی انسان ہے جو ڈاکٹر دارا اور ڈاکٹر پرویز نے اپنی لیبارٹری میں بنایا ہے۔"

ڈاکٹر دارا پر ڈاکٹر پرویز کی باتوں کا اثر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کہہ رہا تھا۔ "اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو سوائے اس کے ہم کیا کر سکیں گے کہ کلینک کھول کر پریکٹس شروع کر دیں گے اور وہ بھی اگر قسمت اچھی ہوئی تو پریکٹس چلے گی' ورنہ ہم کلینک میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہیں گے۔ اگر ہم کسی مل کسی فیکٹری یا فوج میں

ڈاکٹر بن گئے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ نوکری کرتے رہیں گے۔ بوڑھے ہو جائیں گے' ریٹائر ہو جائیں گے اور پھر گمنامی کی حالت میں مرجائیں گے۔ نہیں' یہ زندگی نہیں' میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں کوئی نیا تجربہ کرنا چاہتا ہوں جو میڈیکل سائنس اور سرجری کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دے' ہم اتنے دولت مند ہو جائیں گے کہ جس کا تم ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ ہو گا۔ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے ملک کے ویزے لگے ہوں گے۔ ہر ملک نے ہمیں اپنے ملک کی شہریت دے رکھی ہوگی۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ٹھیک ہے تم نیا اور مثالی انسان بنا لو گے' مگر وہ تو مردہ ہو گا۔ تم اس میں داخل کرنے کے لیے روح کہاں سے لاؤ گے؟"

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "روح ایک قسم کی توانائی یعنی انرجی بھی ہے۔ جس طرح ہم توانائی کو مادے میں تبدیل کر سکتے ہیں' اسی طرح ہم توانائی کو مادے میں بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ آکسیجن گیس ایک توانائی ہے۔ وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتی مگر ہم چاہیں تو اسے لیکویڈ یعنی محلول میں تبدیل کر سکتے ہیں اور یہ لیکویڈ یعنی گاڑھا مادہ محلول ہے۔ ہم پانی کو برف میں اور برف کو پانی میں تبدیل کرتے ہی رہتے ہیں۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "یہ تو ٹھیک ہے بھائی لیکن جو انسان تم مردوں کے اعضا جوڑ جوڑ کر بناؤ گے وہ تو مردہ ہوگا۔ اس میں روح کی توانائی کیسے اور کہاں سے داخل کرو گے؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ہم اس انسانی لاش کو آسمانی بجلی کے جھٹکے دیں گے۔ آسمانی بجلی میں غضب کی توانائی ہوتی ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ آسمانی بجلی کے جھٹکوں سے ہماری بنائی ہوئی انسانی لاش زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوگی۔"

ڈاکٹر دارا نے ہنس کر کہا۔ "یار' جب ہم لاش پر آسمانی بجلی گرائیں گے تو لاش تو جل کر بھسم ہو جائے گی۔ جانتے ہو آسمانی بجلی میں ایک کروڑ وولٹ کی طاقت ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "تم مجھے اتنا بھی بے وقوف مت سمجھو کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ آسمانی بجلی جہاں گرتی ہے وہاں کی ہر شے کو خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ ہم انسانی لاش پر براہِ راست آسمانی بجلی نہیں گرائیں گے۔"

ڈاکٹر دارا نے مشکوک انداز میں پوچھا۔ "تو پھر کیا کریں گے؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ہم انسانی لاش کو ایک تختے پر لٹا کر اسے زنجیروں میں جکڑ کر شہر سے باہر جو پرانے قلعے کا آسیبی کھنڈر ہے اور جہاں آسیب کے خوف کی وجہ سے کوئی انسان نہیں جاتا' ہم اس کی چھت پر لاش کو رکھ دیں گے۔ پھر لاش کے جسم کے ساتھ موصل تانبے کا تار لپیٹ کر اس کا ایک سرا قلعے کے منارے کے اوپر ایریل کی طرح لگا دیں گے اور دوسرا سرا نیچے لے جا کر قلعے کی کھائی میں زمین کے اندر دبا دیں گے۔ چنانچہ جب آسمان پر بادلوں میں بجلی چمکے گی' کڑکے گی اور تانبے کے موصل سرے پر گرے گی تو بجلی کو راستہ مل جائے گا اور وہ ایک کروڑ وولٹیج کی بجلی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں تانبے کی تار کے ذریعے لاش کے سارے جسم میں گزر کر تانبے کی تار میں سے گزرتی ہوئی نیچے زمین میں دھنس جائے گی۔ لاش کو ایک کروڑ وولٹیج کا جھٹکا لگے گا اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ لاش میں اتنی توانائی پیدا ہو جائے گی کہ وہ زندہ ہو جائے گی اور اس کے دماغ کے ساتھ اس کے جسم کے سارے اعضاء' ساری رگیں کام کرنا شروع کر دیں گی اور دل دھڑکنے لگے گا اور لاش کی رگوں اور دل میں مرنے کے بعد جو خون جم جاتا ہے وہ پھر سے خون بن کر رگوں میں دل کی دھڑکن کے ساتھ گردش کرنا شروع کر دے گا۔"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ اس وقت سوچیں گے جب لاش زندہ ہو جائے گی کہ ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ یہ ذہن میں رکھو کہ میڈیکل سائنس کی دنیا میں یہ کتنا بڑا انقلاب ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سائنس دان اس پر مزید تجربے کریں اور آہستہ آہستہ انسان موت پر قابو پا لے۔"

ڈاکٹر دارا نے پرویز کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یہ کفر ہے' اللہ تعالیٰ کے کام
بے جا دخل اندازی ہے۔ خدا اِسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

ڈاکٹر پرویز جس کے دماغ کے ایک حصے میں شیطان گھس کر بیٹھ گیا تھا'
لگا۔ "یار ٹیک اِٹ ایزی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان موت پر قابو نہ بھی پا سکے لیکن
پھر بھی ہمارے تجربے سے میڈیکل سائنس آسمانی بجلی سے انسان کی ہزاروں بیمار
کا علاج دریافت کر سکے گی اور اس سے انسانیت کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں تم
اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس میں بنی نوع انسان کی بھلائی ہے اور جس
میں انسانوں کی بھلائی ہو اس کام سے خدا کبھی ناراض نہیں ہوتا۔"

انسان جب ایک بار شیطان کو اپنے دماغ میں داخل ہونے کی اجازت دے
ہے تو پھر شیطان اسے طرح طرح کی دلیلیں دے کر برائی کے کام پر آمادہ کر لیتا
اور انسان کو ورغلا لیتا ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے اپنے دماغ میں شیطان کو داخل ہونے
اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ اب شیطان اس کے برے کام کو بھی اچھا کام کہہ
دکھلا رہا تھا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں کبھی نہ آئے
اپنے آپ کو اس کے شیطانی بہکاووں سے دور رکھے۔

ڈاکٹر پرویز نے سادہ دل ڈاکٹر دارا کو بھی طرح طرح کی شیطانی دلیلیں دے
اپنے ساتھ ملا لیا اور وہ اس کی مدد کرنے پر تیار ہو گیا۔ ڈاکٹر پرویز کی نیت انسان
بھلائی کی نہیں تھی بلکہ اپنی بھلائی کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جب لاش کے جسم
سے ایک کروڑ وولٹ کی آسمانی بجلی گزر جائے گی تو زندہ ہونے کے بعد لاش میں
طاقت آ جائے گی کہ اس پر نہ تو گولی کا اثر ہوگا' نہ تلوار اس کے جسم پر زخم لگا
گی۔ پھر لاش بلٹ پروف ہو جائے گی اور اس کا جسم فولاد سے بھی زیادہ مضبو
جائے گا۔ یہ لاش اس کے کنٹرول میں ہوگی اور صرف اسی کا حکم مانے گی۔ وہ
لاش سے جو چاہے گا کام کروا سکے گا۔ وہ جس بینک میں چاہے لاش کی مدد سے
ڈلوا کر لاکھوں کروڑوں روپے حاصل کر سکے گا۔ لاش پر پولیس کی فائرنگ کا بھی

اثر نہیں ہوگا۔ اگر پولیس لاش کو لوہے کی زنجیروں میں بھی جکڑے گی تو لاش زنجیریں
توڑ کر فرار ہو جائے گی۔ ڈاکٹر پرویز زندہ لاش کو شہر سے دور کسی ویران جنگل میں
ایسی جگہ زمین کے اندر یا کسی پہاڑی ٹیلے کے غار میں چھپا کر رکھے گا کہ جہاں سے
کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکے گا۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اس زندہ لاش کو
اپنے ساتھ لے کر یورپ کے کسی ملک میں جائے گا جہاں وہ لاش کی مدد سے بینکوں
میں ڈاکے ڈلوا کر اربوں روپے کی دولت کما کر باقی زندگی عیش و آرام میں بسر کرے
گا۔

اس وقت ہسپتال کی کینٹین کے باہر بجلی زور سے کڑکی اور بادل دیر تک
گرجتے رہے۔ ڈاکٹر پرویز نے ڈاکٹر دارا سے کہا۔ "اس وقت سول ہسپتال کے مردہ
خانے میں کچھ لاوارث لاشیں بھی پڑی ہیں۔ ہم ان کا بھی معائنہ کریں گے اور اگر
ان لاشوں کا کوئی عضو ہمارے مطلب کا ہوا تو ہم اسے بھی کاٹ کر لے آئیں گے۔
ان انسانی اعضاء کو محفوظ رکھنے کے لئے مَیں نے شہر سے باہر ویران آسیبی قلعے کا ایک
تہہ خانہ دیکھ لیا ہے۔ ہم وہاں سپرٹ کے بڑے بڑے شیشے کے مرتبان لا کر رکھ دیں
گے جن میں وہ اعضاء رکھ دیا کریں گے جو ہم لاشوں میں سے کاٹ کر لایا کریں
گے۔"

ڈاکٹر دارا نے پوچھا۔ "اس سلسلے میں تم نے شہر کے قبرستان کے گورکن سے
بات کی ہے کہ نہیں؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "مَیں کل اس سے مل رہا ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔
روپے کے لالچ میں گورکن ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا۔ آؤ اب چلتے ہیں' وارڈ
میں ہماری ضرورت ہوگی۔"

اور دونوں ڈاکٹر کینٹین سے نکل کر ہسپتال کے سرجیکل وارڈ کی طرف چل
پڑے۔ رات کے بارہ بجے ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہوئے تو
پرویز نے کہا۔ "میرا خیال ہے۔ ہم اسی وقت کیوں نہ مردہ خانے میں چل کر لاوارث

لاشوں کا معائنہ کرلیں۔ ہو سکتا ہے کسی لاش کا کوئی عضو طاقتور ہو اور وہ ہمارے انسان یعنی سپرمین بنانے میں ہمارے کام آسکے۔"

"اچھا خیال ہے۔" ڈاکٹر دارا نے کہا۔

سادہ دل اور کمزور قوتِ ارادی کے مالک ڈاکٹر دارا کو عیار اور پیسے کے لا
ڈاکٹر پرویز نے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ سادہ دل اور کمزور قوت ارادی والا آدمی ہ
گھاٹے میں رہتا ہے۔ آدمی کو سادہ دل ضرور ہونا چاہئے لیکن اس کے ساتھ
ساتھ اسے مضبوط قوت ارادی والا بھی ہونا چاہئے تاکہ شیطان اسے ورغلا نہ سکے
لیکن ڈاکٹر دارا ایسا آدمی نہیں تھا چنانچہ اس کی سادہ دلی اس کے کسی کام نہیں آر
تھی۔

اس وقت بارش تھم چکی تھی مگر رات بڑی سرد تھی۔ دونوں ڈاکٹر دوست
کار میں بیٹھ کر سول ہسپتال سے مردہ خانے پہنچ گئے۔ چوکیدار انہیں جانتا تھا کہ
ڈاکٹر لاشوں کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے مردہ خانے کا دروازہ کھول د
مردہ خانے میں باہر کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈ تھی اور لاشوں پر لگائی گئی دوائیوں
سخت ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ان ڈاکٹروں کو یہ بو بالکل ناگوار محسوس نہیں
رہی تھی۔ کولڈ سٹوریج میں جا کر انہوں نے سٹریچر پر پڑی ہوئی لاشوں کا معائنہ کیا
کولڈ سٹوریج میں سردی بہت زیادہ تھی مگر ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کو اس کی عاد
تھی۔ انہیں پوسٹ مارٹم کے وقت کولڈ سٹوریج میں کافی دیر تک رہنا پڑتا تھا۔
سب لاشیں مردوں کی تھیں۔ تین لاشیں جوان آدمیوں کی تھیں۔ لاشوں کا معا
کرنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ صرف دو لاشیں ایسی ہیں جن کے ناک ذرا او
اٹھے ہوئے ہیں اور رومن ناک کی طرح لمبی ہیں۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ نا
ہمارے نئے آدمی یعنی سپرمین کے لیے صحیح رہیں گے۔"

"تو کیا تم اپنے آدمی کو دو ناک لگاؤ گے؟" دارا نے پوچھا۔

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "ایک ناک پورے کا پورا ایسے ہی رہے گا لیکن دوسر

ناک کا اگلا حصہ کاٹ کر سپرمین کے ناک کے پچھلے حصے کو لگانا پڑے گا تاکہ ہمارے بنائے ہوئے آدمی یعنی سپرمین کی ناک عام انسانوں سے تھوڑی زیادہ لمبی ہو۔"

چنانچہ ڈاکٹر پرویز نے دونوں لاشوں کے ناک کاٹ کر پلاسٹک کے تھیلے میں ڈالے۔ پلاسٹک کے تھیلے میں الکوحل انڈیل کر تھیلے کو آدھا بھر دیا اور اسے ایک یخ بستہ شیلف کے خانے میں رکھ دیا۔

"یہاں سے ہم اسے اٹھا کر اپنی قلعے والی لیبارٹری میں لے جائیں گے۔"

وہ مردہ خانے سے باہر نکل آئے۔ چوکیدار نے دروازہ بند کر کے مردہ خانے کو تالا لگا دیا۔ دونوں ڈاکٹر کار میں سوار ہو کر چل دیئے۔ ڈاکٹر پرویز نے دارا کو اس کے مکان کے باہر اتار دیا اور کہا۔ "یاد رکھنا۔ کل تیسرے پہر ہمیں قبرستان چل کر ہیڈ گورکن سے ملنا ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔ مَیں تمہارے پاس ہسپتال پہنچ جاؤں گا۔"

دارا یہ کہہ کر اپنے مکان میں داخل ہو گیا اور ڈاکٹر پرویز نے کار کو دن بھر کی بارش میں بھیگی ہوئی سنسان سڑک پر آگے بڑھا دیا۔ دوسرے روز دونوں ڈاکٹر دوست شہر کے سب سے بڑے قبرستان میں آ گئے۔ گاڑی انہوں نے قبرستان کے گیٹ کے قریب ایک شکستہ دیوار کے پاس کھڑی کی اور قبرستان میں داخل ہو گئے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا نہیں چل رہی تھی لیکن سردی بہت شدید تھی۔ یہ قبرستان شہر کا سب سے پرانا اور تاریخی قبرستان تھا اور دریا کے کنارے شہر کے باہر واقع تھا۔ دونوں ڈاکٹر ٹوٹی پھوٹی قبروں کے درمیان سے ہو کر گورکن کی کوٹھڑی کی طرف جا رہے تھے۔ قبروں کی حالت بڑی خستہ ہو رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان قبروں میں دفن کی گئی میتوں کو ان کے لواحقین فراموش کر چکے ہیں۔ کہیں کہیں کسی تازہ بنی ہوئی قبر پر گلاب کے پھولوں کی ڈھیر ساری پنکھڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ باقی اکثر قبریں بارش اور سخت دھوپ میں کالی پڑ چکی تھیں۔ اکثر کے کتبے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔

قبر کے گورکن کی کوٹھڑی کا آدھا کیواڑ کھلا تھا مگر کوٹھڑی اندر سے خالی تھی۔ پرویز گورکن کو جانتا تھا۔ اس نے اس کا نام لے کر آواز دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ کوٹھڑی خالی پڑی تھی۔ ڈاکٹر پرویز کو اپنے پیچھے کسی آدمی کی موجودگی کا احساس ہُوا۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ یہ سفید آنکھوں والا ادھیڑ عمر گورکن تھا۔ اس نے ڈاکٹر پرویز کو سلام کر کے کہا۔ "کیا کوئی لاوارث مردہ دفن کرنا ہے ڈاکٹر صاحب!؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "دفن نہیں کرنا بلکہ دفن شدہ مردے کو قبر سے باہر نکالنا ہے۔"

گورکن بولا۔ "مَیں کچھ سمجھا نہیں ڈاکٹر صاحب۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو باہر ہی ایک طرف کھڑا کیا تھا۔ پرویز نے اپنے اوور کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کی دو گڈیاں نکال کر گورکن کے سامنے پرانی چارپائی پر رکھ دیں اور کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ سمجھ لو کہ یہ سارے نوٹ تمہارے ہیں۔ انہیں اٹھا لو۔"

گورکن نے سارے نوٹ اٹھا لئے اور پوچھا۔ "کام کیا کرنا ہو گا؟"

ڈاکٹر پرویز نے گورکن کو ساری بات سمجھا دی اور کہا۔ "بس تمہارا کام یہ ہے کہ قبرستان میں جب بھی کسی طاقتور، صحت مند اور اونچے لمبے چوڑے نوجوان کی میت آئے تم مجھے اطلاع کر دو۔ ہم قبرستان میں رات کے وقت آئیں گے اور اس لاش کا کوئی عضو پسند آگیا تو اسے کاٹ کر لے جائیں گے۔"

گورکن نے محض تجسّس دور کرنے کے لیے پوچھا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ مردے کے ٹکڑوں کو کیا کریں گے؟"

ڈاکٹر پرویز نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "بس یوں سمجھ لو کہ ہم انسانی اعضاء پر ایک نئی ریسرچ کر رہے ہیں۔"

اس کے آگے ڈاکٹر پرویز نے کوئی بات نہ کی۔ گورکن کہنے لگا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ اس قسم کا کوئی بھی مردہ آیا تو مَیں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو بتا دیا کہ گورکن کے ساتھ معاملہ طے ہو گیا ہے۔ "چلو اب ذرا اپنی لیبارٹری کا ایک چکر لگا آئیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے اپنی خفیہ لیبارٹری شہر سے دور واقع آسیبی قلعے کے اندر ایک تہہ خانے میں بنائی ہوئی تھی۔ اس قلعے کے کھنڈر کو اس نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ یہ قلعہ آسیبی مشہور تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ اس قلعے میں شاہی جلاد کا بھوت رہتا ہے جو کسی زمانے میں بادشاہ کے حکم پر بادشاہ کے مخالفوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا کرتا تھا۔ اب اس جلاد کو اس کے ظلم اور اس کے گناہوں کی یہ سزا ملی تھی کہ اس کی بدروح قلعے کے کھنڈروں میں بھٹکتی رہتی تھی۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ آدھی رات کے وقت اس قلعے میں سے جلاد کی بدروح کے رونے کی آواز آتی ہے۔ اگرچہ آج تک کسی نے اس بدروح کو دیکھا نہیں تھا مگر لوگ اس قلعے کی طرف آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ڈاکٹر پرویز میڈیکل سائنس کا آدمی تھا۔ بدروحوں اور بھوتوں پر اس کا اعتقاد نہیں تھا۔ وہ ان بھوتوں سے بالکل نہیں ڈرتا تھا اور اس نے رات کو کبھی اس جلاد کی بدروح کے رونے کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ لیبارٹری ایک تہہ خانے میں بنائی گئی تھی۔ یہاں لاشوں کو چیرنے پھاڑنے کا سارا سامان موجود تھا۔ الکوحل اور سپرٹ سے بھرے ہوئے چار شیشے کے بڑے مرتبان الماری میں رکھے ہوئے تھے۔ دل کی دھڑکن نوٹ کرنے والی مشین کے علاوہ پھیپھڑوں کو ہوا دینے والی مشین بھی تھی۔ تہہ خانے کے وسط میں ایک بڑا سٹریچر بھی پڑا تھا۔ جس کے ساتھ چمڑے کی بیلٹ اور زنجیریں بندھی تھیں، تاکہ جب ان کا بنایا ہوا انسان بالکل مکمل ہو جائے تو وہ اس کو سٹریچر پر اچھی طرح سے باندھ دیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں تھا کہ سپرمین کی لاش آسمانی بجلی کے جھٹکے سے واقعی زندہ ہو جاتی ہے تو وہ اُٹھ کر کہیں تباہی نہ پھیلا دے۔ لاش زندہ ہو کر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس سٹریچر کے نیچے لوہے کا

بڑا راڈ لگا تھا جو بجلی کا بٹن دبانے سے سٹریچر کو لے کر اوپر اٹھ جاتا تھا۔

یہ سب کچھ ڈاکٹر پرویز نے اپنے پیسے خرچ کر کے بنوایا تھا۔ کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ اگر وہ مصنوعی انسان بنانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اس کی مدد سے شہر کے بینکوں کی ساری دولت اپنے قبضے میں کر سکے گا اور پھر اس مصنوعی انسان کو اپنے کنٹرول میں کر کے یورپ کے کسی ملک میں لے جائے گا اور وہاں کے بینکوں کی دولت سمیٹ کر مصنوعی انسان کو مار ڈالے گا اور باقی ساری زندگی پیرس یا سوئٹزر لینڈ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گا۔

ڈاکٹر پرویز مردہ خانے سے دو لاوارث لاشوں کے ناک کاٹ کر پلاسٹک کے لفافے میں ڈال کر ساتھ ہی لایا تھا۔ اس نے دونوں ناک الکوحل سے بھرے ہوئے ایک مرتبان میں ڈال دیئے اور ڈاکٹر دارا سے کہا۔ "اب دیکھتے ہیں قبرستان کا گورکن ہمیں کسی صحت مند طاقتور نوجوان مردے کی کیا خوشخبری سناتا ہے۔"

ڈاکٹر دارا دل میں کچھ ڈر رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "یار پرویز! مجھے لگتا ہے کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "بھائی یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہم تو مردہ انسانوں کے اعضاء پر ریسرچ کر رہے ہیں اور یقین کرو اس ریسرچ سے بنی نوع انسان کو بے پناہ فائدہ پہنچے گا۔"

کمزور قوتِ ارادی والے ڈاکٹر دارا نے ایک بار پھر ڈاکٹر پرویز کے شیطانی عزائم کے آگے سر جھکا دیا۔

ایک دن گورکن ہسپتال میں آ کر ڈاکٹر پرویز سے ملا اور کہنے لگا۔ "ایک اونچے لمبے پہلوان قسم کے نوجوان کی لاش میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے دفن کی ہے۔ آپ رات کے بارہ بجے قبرستان میں آ جائیں، میں قبر کھود کر لاش دکھا دوں گا۔ مردے کا کوئی عضو کاٹنا ہو تو کاٹ کر لے جانا۔"

اتنا کہہ کر گورکن چلا گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے فوراً یہ اچھی خبر اپنے ساتھی ڈاکٹر

دارا کو سنا دی اور کہا۔ "آج رات قبرستان چلنے کے لیے تیار رہنا۔"

رات کے ٹھیک بارہ بجے دونوں ڈاکٹر دوست کار میں بیٹھ کر قبرستان کی طرف چل پڑے۔ سخت سرد رات تھی۔ دھند پھیلی ہوئی تھی۔ دس قدم کے فاصلے پر دھند میں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز بڑی آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔ قبرستان پہنچ کر انہوں نے کار قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی اور قبروں میں سے گزرتے ہوئے گورکن کی کوٹھڑی کی طرف بڑھے۔ قبرستان میں بھی ہلکی دھند پھیلی ہوئی تھی اور شکستہ قبروں پر اوس ٹپک رہی تھی۔ گورکن ان دونوں ڈاکٹروں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بیلچہ لیا اور ڈاکٹروں کو لے کر تازہ بنی ہوئی قبر پر آ گیا۔ قبر کی مٹی ابھی تک گیلی تھی اور اس پر پڑے ہوئے پھول ابھی تازہ تھے۔

ڈاکٹر پرویز نے قبر کو غور سے دیکھا اور گورکن سے کہا۔ "یہی قبر ہے؟"

گورکن بولا۔ "بالکل یہی قبر ہے۔ میں نے خود نوجوان کی لاش کو صبح دفن کیا ہے۔"

پرویز نے گورکن سے کہا کہ وہ قبر کو کھودنا شروع کر دے۔ قبر کی مٹی تازہ اور نرم تھی۔ دس بارہ منٹ میں قبر گورکن نے کھود ڈالی اور کہنے لگا۔ "نیچے قبر میں اتر کر لاش کا معائنہ کر لیں اور میت کا جو عضو آپ کو پسند ہو وہ کاٹ کر لے جائیں۔"

گورکن اپنی عاقبت سے بے خبر ایک بہت بڑا گناہ کر رہا تھا مگر وہ روپوں کے لالچ میں آ گیا تھا اور اپنی عاقبت خراب کر رہا تھا۔ ڈاکٹر پرویز ایک بڑے لفافے میں آپریشن میں کام آنے والی آری اور چھری ساتھ لایا تھا۔ اس نے دارا سے کہا۔ "تم قبر کے باہر ہی رہو، میں نیچے اتر کر لاش کو دیکھتا ہوں۔"

ایک طاقتور ٹارچ ڈاکٹر پرویز کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قبر میں اتر گیا اور لاش پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ لاش ابھی تک تازہ تھی۔ یہ ایک خوش شکل نوجوان کی میت تھی جس کا جسم ورزشی تھا۔ لگتا تھا کہ اس نوجوان کو ورزش یا پہلوانی کا بڑا شوق تھا۔ مردے کا کفن ابھی میلا نہیں ہوا تھا، کہیں کہیں مٹی ضرور لگی تھی۔ قبر میں مشک

کافور اور گلاب کے عرق کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے کفن ہٹا کر ایک ڈاکٹر کی نگاہ سے مردے کے جسم کو دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ مردے کی پنڈلیاں بڑی لمبی، مضبوط اور موٹی تھیں۔ اس نے تھیلے میں سے ہڈیاں کاٹنے والی آری نکالی اور مردے کی دونوں پنڈلیاں گھٹنوں سے ذرا اوپر تک کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پنڈلیوں کو تھیلے میں ڈالا اور قبر سے باہر نکل آیا۔ دارا قبر کے باہر بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کوئی کام کی چیز ملی؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "لاش کی پنڈلیاں بڑی طاقتور تھیں' مَیں نے دونوں پنڈلیاں کاٹ کر رکھ لی ہیں۔"

گورکن بھی قبر کے سرہانے بیٹھا تھا' وہ اٹھ کھڑا ہُوا۔ ڈاکٹر پرویز نے اسے دو سو روپے نکال کر دیئے اور کہا۔ "ہم نے مردے کی دونوں پنڈلیاں کاٹ لی ہیں۔ اب کوئی صحت مند اور طاقتور میت آئے تو ہمیں اطلاع کر دینا۔"

گورکن بولا۔ "اطلاع کر دوں گا' فکر نہ کریں۔"

"چلو دارا یہاں سے نکل چلیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا اور دونوں دوست قبرستان کے گیٹ کی طرف چل پڑے۔ ان کے جاتے ہی گورکن نے بیلچے سے جلدی جلدی قبر پر ساری مٹی ڈال دی اور اوپر قبر کا نشان بنا کر گلاب کے پھول جو اس نے اکٹھے کر کے ایک طرف رکھ لئے تھے دوبارہ قبر پر ڈال دیئے اور اگربتیاں لگا دیں۔

ڈاکٹر پرویز اور دارا قبرستان سے نکلتے ہی تیز تیز قدموں سے اپنی کار کی طرف بڑھے۔ چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی' اوس گر رہی تھی۔ بڑی سخت سرد رات تھی۔ دونوں کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑے۔ ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "ہمیں مردے کی دونوں پنڈلیوں کو ابھی لیبارٹری میں لے جا کر الکوحل کے مرتبان میں رکھ دینا ہے تاکہ پنڈلیاں خراب نہ ہو جائیں۔"

سڑک پر بھی دھند تھی جس کی وجہ سے وہ کار زیادہ تیز نہیں چلا سکتے تھے۔ شہر

سے باہر نکل کر وہ آسیبی قلعے کی طرف جانے والی سڑک پر آئے ہی تھے کہ ایک طرف سے تین پولیس کانسٹیبل نکل کر سڑک کے درمیان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دارا بولا۔ "انہوں نے کار کی تلاشی لی تو مردے کی ٹانگیں مل جائیں گی اور ہم پکڑے جائیں گے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو سختی سے کہا۔ "تم مجھے بھی اپنے ساتھ مرواؤ گے۔ بس تم چپ چاپ بیٹھے رہو۔ کوئی بات نہ کرنا۔"

ڈاکٹر پرویز نے پولیس کے سپاہیوں کے قریب کار کھڑی کر دی۔ ان میں ایک پولیس انسپکٹر بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کرنے کا اشارہ کیا۔ ڈاکٹر پرویز نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔ پولیس انسپکٹر نے جھک کر دونوں ڈاکٹروں کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔ "اتنی رات گئے آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ہم ڈاکٹر ہیں اور ایک مریض کو دیکھنے کریم پورہ کی کالونی جا رہے ہیں۔"

اور ڈاکٹر پرویز نے جیب سے بٹوہ نکال کر اس میں سے اپنا شناختی اور میڈیکل کارڈ نکال کر پولیس انسپکٹر کے حوالے کر دیا اور کہا۔ "یہ میرا میڈیکل شناختی کارڈ ہے۔ میرا نام ڈاکٹر پرویز ہے اور میرے ساتھ سرجن ڈاکٹر دارا بیٹھا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں ڈاکٹر پرویز کا شناختی کارڈ غور سے دیکھا۔ کارڈ پر ڈاکٹر پرویز کی فوٹو بھی لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈاکٹر پرویز کو دیکھا۔ پھر شناختی کارڈ پر لگی اس کی فوٹو کو دیکھا اور شناختی کارڈ ڈاکٹر پرویز کو واپس کرتے ہوئے معذرت کے ساتھ کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! شہر میں جرائم بہت ہو رہے ہیں۔ ہمیں آپ لوگوں کی حفاظت کے واسطے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو تکلیف دی' اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

اور ڈاکٹر پرویز نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ آسیبی قلعے کی طرف جا رہے تھے۔ سرد رات کی تاریکی اور دھند میں اوپر کو اٹھا ہوا قلعے کا کھنڈر ایک بہت بڑے ڈراؤنے بھوت کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ گاڑی کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ تہہ خانے کی لیبارٹری میں آتے ہی ڈاکٹر پرویز نے مردے کی دونوں لمبی اور مضبوط پنڈلیاں الکوحل کے بڑے مرتبان میں ڈال کر محفوظ کر دیں۔ ڈاکٹر دارا نے پہلی دفعہ مردے کی پنڈلیاں دیکھی تھیں۔ کہنے لگا۔ "یہ تو واقعی کسی سات فٹ قد کے پہلوان ٹائپ آدمی کی پنڈلیاں ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں پہلے ہی مرحلے میں بیک وقت اپنی پسند کی دو پنڈلیاں مل گئی ہیں۔ سمجھ لو کہ ہمارا مصنوعی انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔"

اور ڈاکٹر پرویز نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کا قہقہہ ڈاکٹر دارا کو کھوکھلا سا لگا۔ اس نے پرویز سے کہا۔ "ہم نے انسانی میت کی بے حرمتی کی ہے۔ ہمیں اس کا گناہ ملے گا۔"

ڈاکٹر پرویز کو کچھ غصہ آ گیا۔ اس وقت اسے خیال آیا کہ اس نے اپنے اس قدر اہم مشن میں ڈاکٹر دارا کو شامل کر کے بڑی غلطی کی ہے مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکٹر دارا مشن شروع ہونے کے بعد اتنا بزدل نکلے گا۔ اس نے ڈاکٹر دارا کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "ننھے منے بچے! تم اب بالغ ہو اور سرجن ڈاکٹر ہو۔ تمہارے منہ سے اس قسم کی دقیانوسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "یہ دقیانوسی باتیں نہیں ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "اچھا تو گناہ ملے گا' مجھے ہی ملے گا۔ تمہیں تو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ سکیم میری ہے اور مَیں نے ہی لاش کی پنڈلیاں کاٹی ہیں۔ ذرا سوچو' ہمارے پاس اناٹومی ڈیپارٹمنٹ میں جو لاوارث لاشیں آتی ہیں اور جن کی ہم ڈاکٹر چیر پھاڑ کرتے ہیں تو کیا اس وقت ہمیں گناہ نہیں ہوتا؟ خبردار آئندہ سے اس قسم کی

باتیں مَیں تمہارے منہ سے نہیں سننا چاہتا۔ تم خلائی شٹل اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے زمانے میں رہ رہے ہو۔"

ڈاکٹر دارا خاموش ہو گیا۔ اس نے آگے سے کوئی بات نہ کی۔ پھر اس نے موضوع بدلتے ہوئے ڈاکٹر پرویز سے کہا۔ "جب ایک کروڑ وولٹ کی آسمانی بجلی اس لاش کے جسم میں سے گزر جائے گی اور لاش واقعی زندہ ہو جائے گی تو کیا اس کے اندر کرنٹ پیدا نہیں ہو گا؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے لاش کے اندر کرنٹ آ جائے' ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ بہرحال یہ تجربے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔"

اس وقت تک ان ڈاکٹروں کے پاس ایک اونچے لمبے مردے کی مضبوط اور لمبی پنڈلی اور دو لاوارث لاشوں کے کاٹے ہوئے دو ناک لیبارٹری کے مرتبانوں میں جمع ہو چکے تھے۔ ان دو ناکوں کو جوڑ کر انہوں نے لاش کا ایک ناک بنانا تھا۔ دوسری جانب گورکن کو کافی پیسے مل چکے تھے اور ہر بار لاش میں سے کوئی عضو کاٹنے کے بعد ڈاکٹر پرویز گورکن کو مزید روپے دے دیتا تھا۔ گورکن لالچ میں آ کر دفنائی جانے والی لاشوں پر نگاہ رکھتا تھا۔ ایک دن گورکن نے ڈاکٹر پرویز کو فون کر کے بتایا کہ آج صبح صبح ایک باڈی بلڈر کی لاش آئی ہے۔ مجھے تو کوئی پہلوان لگتا ہے۔ اتنی اونچی لمبی مضبوط لاش میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں آج رات قبرستان آ رہا ہوں۔"

چنانچہ اسی رات ڈاکٹر پرویز اکیلا ہی گاڑی لے کر قبرستان کی طرف چل پڑا۔

گورکن اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر پرویز کو نئی بنی ہوئی قبر کے پاس لے گیا۔ قبر کی مٹی ابھی نرم اور گیلی تھی۔ اس پر پھول بھی ابھی تک تر و تازہ تھے۔ گورکن کو ڈاکٹر پرویز نے سو روپے کا نوٹ دیا اور کہا۔ "قبر کو کھودو اور مردہ باہر نکالو۔"

رات خاموش اور سرد تھی۔ قبرستان میں دھند پھیلی ہوئی تھی۔ گورکن نے

قبر کے پاؤں کی جانب سے بیلچہ چلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قبر میں بڑا گول سوراخ بن گیا۔ گورکن نے نیچے اتر کر سوراخ میں سے مردے کی ٹانگیں پکڑ کر اسے دو تین جھٹکے دے کر باہر نکال لیا۔ ڈاکٹر پرویز نے مردے کو اوپر لانے میں گورکن کی مدد کی۔ ڈاکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ لاش واقعی کسی باڈی بلڈر اور کسرتی بدن والے آدمی کی تھی۔ اس کے بازو خاص طور پر کسی بن مانس کے بازوؤں کی طرح بہت لمبے اور موٹے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے لاش کے دونوں بازو کاٹ کر اپنے تھیلے میں ڈالے اور گورکن سے کہا۔ "لاش کو قبر میں بند کر دو۔ مجھے جس چیز کی ضرورت تھی وہ میں نے کاٹ لی ہے۔"

گورکن نے لاش کو قبر میں ڈال کر اوپر مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ ڈاکٹر پرویز لاش کے لمبے اور مضبوط بازوؤں کو لے کر قبرستان سے باہر آ گیا۔ گاڑی میں بیٹھا اور اپنی پرانے قلعے والی لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیبارٹری میں جاتے ہی اس نے مردے کے دونوں کٹے ہوئے بازو الکوحل اور سپرٹ کے مرتبانوں میں رکھ دیئے۔

لیبارٹری میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کھڑکی میں سے سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے لیبارٹری کی بتی بجھائی اور قلعے کی سیڑھیاں اتر کر قلعے کے کھنڈر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے باہر بوسیدہ دیوار کے ساتھ اس کی کار کھڑی تھی۔ جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلا تو اچانک اسے ایک آدمی کا ہیولا سا نظر آیا جس کی دونوں ٹانگیں غائب تھیں اور جو بیساکھیوں کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کے ایک جانب دوسرا انسانی ہیولا نمودار ہو گیا جس کے دونوں بازو غائب تھے۔ ڈاکٹر پرویز سائنس کا آدمی تھا۔ اسے بھوت پریت پر کوئی اعتقاد نہیں تھا۔ اس نے ان ہیولوں کو اپنا وہم سمجھا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔ کار سٹارٹ کی اور قلعے کی اترائی اترنے لگا۔ جب اس کی گاڑی قلعے کی ڈھلوانی سڑک سے اتر کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر آئی تو اچانک سامنے سے وہی انسانی ہیولے سڑک پر نمودار ہوئے۔ ڈاکٹر نے ان کو اپنا وہم ہی سمجھا اور گاڑی بالکل نہ روکی۔ جیسے گاڑی انسانی ہیولوں کے پاس آئی تینوں

ہیولے چیخیں مارتے ہوئے گاڑی سے ٹکرا کر غائب ہو گئے۔

ڈاکٹر پرویز کا سارا جسم کانپ اٹھا۔ اگر یہ اس کا وہم تھا تو یہ انسانی چیخوں کی آواز کہاں سے آئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن ان انسانی ہیولوں کو اس نے پہچان لیا تھا۔ یہ ان مردہ لاشوں کے ہیولے تھے جن کی ڈاکٹر نے لاشیں قبر سے نکال کر ناک' بازو اور ٹانگیں کاٹی تھیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان لاشوں کے ہیولے اس کی گاڑی سے ٹکرا کر چیخیں ماریں اور ان کی چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ ڈاکٹر پرویز نے اس کو اپنی نفسیات کا کرشمہ سمجھا اور ہنس دیا۔

دوسرے دن وہ ڈاکٹر دارا کو لے کر لیبارٹری میں آیا اور اسے مردے کے جسم سے الگ کئے ہوئے بازو دکھائے۔ ڈاکٹر دارا بھی اتنے مضبوط اور لمبے بازو دیکھ کر بولا۔ "اتنے لمبے بازو تو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ تو کسی بن مانس کے بازو لگتے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "معلوم ہوتا ہے قدرت اس سائنسی تجربے میں ہماری مدد کر رہی ہے۔ ہمیں اپنی مرضی کے انسانی اعضاء ملنا شروع ہو گئے ہیں۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "تم قدرت کو بیچ میں نہ ہی لاؤ تو اچھا ہے کیونکہ ہم قدرت کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ ہم جو انسان بنا رہے ہیں' وہ غیر قدرتی ہو گا۔ ہم تو ایک طرح سے قدرت کو چیلنج کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ "دارا! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ تمہیں میڈیکل لائن میں نہیں آنا چاہئے تھا۔ تمہیں تو بچوں کے سکول کا ٹیچر ہونا چاہئے تھا۔"

ڈاکٹر دارا نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو دن بعد گورکن خود ڈاکٹر پرویز سے ملنے ہسپتال آیا اور کہنے لگا۔ "جناب ایک لاش میں نے دوپہر کو دفن کی ہے اس کا سینہ اتنا چوڑا ہے کہ آپ دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ جس شخص کی یہ لاش ہے وہ ساری عمر سینہ

چوڑا کرنے کی ورزش کرتا رہا ہے۔" سر بہت بڑا ہے۔ میں نے اتنا بڑا سر اپنی زندگی میں کسی مردے کا نہیں دیکھا۔ تم
ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں آج رات پہنچ رہا ہوں۔" ل آج رات کو آجائیں۔"
اور ڈاکٹر نے گورکن کو اس کا سو روپیہ اسی وقت ادا کر دیا۔ یہ اس رقم ڈاکٹر پرویز خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے دارا کو ساتھ لیا اور رات کا اندھیرا
الگ تھا جو اس نے گورکن کو یک مشت دی تھی۔ رات کو پرویز نے دارا کو ساتھ تے ہی قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ حسبِ معمول گورکن ان کا انتظار کر رہا
اور دونوں ڈاکٹر قبرستان میں آ گئے۔ گورکن اپنی جھونپڑی میں لالٹین جلائے تا۔ وہ دونوں ڈاکٹروں کو ایک تازہ قبر کے پاس لے گیا اور قبر کھود کر لاش باہر نکال لی
میں دبک کر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "آجاؤ اور ہمیں نئی لاش دکھاؤ۔" راس کا سر دکھایا۔ ڈاکٹر پرویز مردے کا سر دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔
گورکن نے ایک ہاتھ میں بیلچہ اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین پکڑ لی اور تازں نے اتنا بڑا سر پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اسی وقت انہوں نے مردے کا سر کاٹ ڈالا۔
پر آگیا۔ لالٹین اس نے ایک طرف رکھ دی اور قبر کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی کی آنکھیں بھی کافی بڑی بڑی تھیں مگر ناک چھوٹی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے دارا سے
بعد وہ مردے کو قبر میں سے باہر نکال لایا اور اس کا کفن ہٹا کر دونوں ڈاکٹروں کو ہا۔ "اس کی آنکھیں بھی مجھے پسند ہیں اور میرے معیار پر پوری اترتی ہیں مگر ناک
کا پیٹ اور سینہ دکھایا۔ واقعی یہ بڑا صحت مند اور چوڑا سینہ تھا۔ ڈاکٹر پرویز کو ہوئی ہے۔ اسے ہم کاٹ دیتے ہیں۔ اس کی جگہ ہم وہ دو ناک جوڑ کر لگائیں جو ہم
ہی سینے کی تلاش تھی۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے گورکن کو مزید ایک سو روپیہ انے مردہ خانے میں لاوارث لاشوں کے کاٹے تھے۔"
انعام دیا اور لاش کی گردن، ٹانگیں اور بازو الگ کر کے اس کا پیٹ سے لے کر گر ڈاکٹر پرویز نے آپریشن کرنے والے چاقو سے مردے کی ناک کاٹ کر پھینک
تک سینہ نکال کر تھیلے میں ڈالا اور تیز تیز چل کر دارا کے ساتھ گاڑی میں آ کر اور کٹے ہوئے سر کو تھیلے میں ڈال کر اٹھا لیا اور گورکن سے کہا۔ "اب ہمیں
اور سیدھا قلعے کے کھنڈر والی اپنی لیبارٹری میں آگیا اور مردے کے سینے کو بھی اسی اور عضو کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر ضرورت پڑی تو تمہیں خبر کر دیں گے۔"
بڑے مرتبان میں الکوحل میں ڈبو کر محفوظ کر دیا۔ یہ سن کر دونوں ڈاکٹر پرانے آسیبی قلعے کی لیبارٹری میں آ گئے۔ لیبارٹری میں آ
اب ڈاکٹر پرویز کو کسی لاش کے سر کی تلاش تھی۔ ایسا سر جو عام لوگوں کے ر انہوں نے مردے کے کٹے ہوئے سر کو ایک بار پھر بجلی کی روشنی میں دیکھا۔
سے بڑا ہو۔ اس نے دوسرے ہی دن صبح کے وقت قبرستان جا کر گورکن سے ردے کے سر کے بال بھی بڑے گنجان اور گھنگریالے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔
"مجھے اب کسی لاش کا بہت بڑا سر چاہیے۔ تم دیکھتے رہنا اگر کوئی ایسی لاش دفنانے ماری بنائی ہوئی لاش خوبصورت بھی ہو گی۔"
لیے لائی جائے جس کا سر عام مردوں سے کافی بڑا ہو تو مجھے فوراً اطلاع کرنا۔" ڈاکٹر دارا کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کٹے
گورکن نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں، جیسے ہی کوئی ایسا مردہ آیا، میں ئے سر کو ڈاکٹر پرویز نے ایک مرتبان میں ڈال کر الماری میں رکھ دیا اور ڈاکٹر دارا
وقت آپ کو خبر کر دوں گا۔" ے کہنے لگا۔ "دارا! اب ہمیں صرف ایک دماغ کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا دماغ جو
دو تین دن گزر گئے۔ چوتھے روز ڈاکٹر پرویز ہسپتال میں اپنی ڈیوٹی پر ہب انسانوں کے دماغ سے اعلیٰ اور برتر ہو۔"
گورکن کا فون آگیا۔ اس نے کہا۔ "ڈاکٹر! ایک لاش میں نے آج دفن کی ہے' ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس پر غور کیا تھا۔ لندن کے

میڈیکل سائنسز کے عجائب گھر میں اس وقت دو دماغ نمائش کے لیے رکھے ہیں۔ ایک دماغ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا ہے اور دوسرا دماغ سے بڑے قاتل کا ہے جس نے سینکڑوں انسانوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا اور آخر پکڑا گیا اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ حکومت نے اس کی لاش کا دماغ نکال عجائب گھر میں محفوظ کر لیا۔ ہمیں لندن جا کر عجائب گھر میں جو دنیا کے سب سے بڑ سائنس دان کا دماغ ہے' وہ وہاں سے چرا کر لے آنا چاہیے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "میں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہوا ہے۔ ہم اپنے بنائے ہوئے انسان کے سر میں دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ پلانٹ کریں گے۔ غور کرو ہمارا بنایا ہوا انسان دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کے دماغ کے انسانیت کی بھلائی کے لیے کیا کچھ ایجاد نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم ہمارا ان میڈیکل سائنس کی دنیا میں ایک صحت مند انقلاب برپا کر دے گا۔ بس اب ہ لندن جانے کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔"

ڈاکٹر دارا بھی اب اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ ان کا بنایا ہوا انسان اگر د بنی نوع انسان کی خدمت کرے گا تو یہ ایک اچھا اور نیک کام ہوگا اور خدا ان ناراض نہیں ہوگا بلکہ خوش ہوگا۔ چنانچہ وہ پرویز کے ساتھ لندن جانے کے لیے ہو گیا۔

دونوں ڈاکٹر کئی بار پہلے بھی لندن جا چکے تھے۔ ڈاکٹر پرویز کا ایک انکل ل میں ریڈی میڈ کپڑوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے شہر سے باہر ایک کاؤنٹی میں اپنا چھوٹا سا مکان چھٹیاں گزارنے کے لیے تیار کیا تھا جس کو وہ سمر ہاؤس کہتا پاسپورٹ دونوں ڈاکٹروں کے پاس موجود تھے۔ دونوں ڈاکٹر تھے' انہیں لندن کا حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک دن دونوں ڈاکٹر لندن روا گئے۔

لندن روانہ ہونے سے پہلے ڈاکٹر پرویز نے اپنے انکل کو فون کر دیا تھا۔ وہ

پورٹ پر انہیں لینے کے لیے موجود تھا۔ ایئرپورٹ سے وہ انکل کے شہر والے فلیٹ ہی چلے گئے۔ انکل نے کہا۔ "ارے بھئی یہ بیٹھے بیٹھے اچانک تمہارا لندن کا پروگرام کیسے بن گیا؟"

ڈاکٹر دارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ پرویز ہی سے پوچھیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "انکل جی! بات اصل میں یہ ہے کہ ہم ہسپتال میں رات رات بھر ہاؤس جاب کرتے تھک گئے تھے۔ سوچا ایک ہفتہ کہیں کھلی فضا میں گزارا جائے۔ بس ہم آپ کے پاس آگئے کیونکہ آپ کے سوا جی لگ ہی نہیں سکتا تھا۔"

انکل بولا۔ "چلو اچھا کیا۔ اب یہاں آرام سے رہو۔ ایسا کرو کہ تم میرے سمر ہاؤس میں چلے جاؤ۔ وہاں میرا ایک ملازم بھی ہے۔ وہ تمہارا خیال رکھے گا۔ سمر ہاؤس تو تم نے دیکھا ہوا ہی ہے۔ وہاں تمہاری خوب تفریح ہوگی۔ کھلی فضا' تازہ ہوا اور صحت افزا مقام ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "سچ پوچھئے تو میں بھی سمر ہاؤس میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

دوسرے روز ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا دونوں دوست انکل کے سمر ہاؤس میں آ گئے جو لندن کے مضافات میں ہی تھا۔ وہاں تک زیرِ زمین ریل گاڑی دس منٹ میں پہنچا دیتی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دونوں ڈاکٹر دوست لندن کے میڈیکل سائنس کے عجائب گھر میں پہنچ گئے۔ یہ کافی بڑا عجائب گھر تھا۔ میڈیکل سائنس سے تعلق رکھنے والا دنیا کا ہر عجوبہ وہاں پر موجود تھا۔ ایک کمرے میں وہ شے بھی رکھی ہوئی تھی جس کی انہیں تلاش تھی اور جس کو چرانے کے لئے دونوں دوست لندن آئے تھے۔ یہ دو دماغ تھے۔ ایک دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ اور ایک دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ۔ ہر ایک دماغ شیشے کے مرتبان میں الکوحل ڈال کر محفوظ کر کے رکھا ہوا تھا۔ مرتبان کے باہر جس کا دماغ تھا اس کے نام اور اس کے کارنامے لکھے ہوئے تھے۔ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کے دماغ والے مرتبان کے باہر لکھا ہوا تھا کہ یہ وہ سائنس دان ہے جس نے کائنات کے نئے نئے

ستاروں کا سراغ لگایا اور جس نے پہلی بار انسان کے دل کا آپریشن کر کے وہاں نیا دل لگایا۔ دنیا کے سب سے بڑے قاتل کے دماغ والے مرتبان کے باہر لکھا تھا کہ یہ اس آدمی کا دماغ ہے جس کی سنگدلی اور سفاکی کا آج تک کوئی ثانی پیدا نہیں ہُوا۔ اس شخص نے ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کا قتل عام کیا اور یہ جس انسان کو قتل کرتا تھا اس کا دل نکال کر بھون کر کھا جاتا تھا۔

ڈاکٹر پرویز نے قاتل کے دماغ والے مرتبان کو دیکھ کر کہا۔ "خدا اس آدمی کے دماغ سے ہمارے انسان کو محفوظ رکھے۔ ہم تو اپنے بنائے ہوئے انسان کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ لگائیں گے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ دماغ یہاں سے کیسے چرایا جائے۔"

عجائب گھر میں سیکیورٹی گارڈز اتنے زیادہ نہیں تھے۔ کیونکہ یہ کوئی ایسا عجائب گھر نہیں تھا کہ جہاں دنیا کے قیمتی ہیرے جواہرات اور نوادرات رکھے ہوئے ہوں پھر بھی اس کمرے کے باہر ایک گارڈ پہرے پر موجود تھا جس کمرے میں دونوں دماغ رکھے ہوئے تھے۔ باقی جگہوں پر بھی کہیں کہیں ایک ایک گارڈ چل پھر رہا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ڈاکٹر دارا! کم بخت اس گارڈ کو بھی اسی کمرے کے باہر کھڑا ہونا تھا۔"

دارا کہنے لگا۔ "اس کمرے میں وہ سامنے ایک کھڑکی بھی ہے۔"

دونوں ڈاکٹر کھڑکی کے پاس چلے گئے اور باہر دیکھنے لگے۔ لندن اور یورپ کے شہر کے مکانوں میں ہمارے بعض مکانوں کی طرح کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں نہیں لگی ہوتیں۔ صرف کھڑکی کو اندر سے بند کر دیا ہے۔ اگر چٹخنی کھول دو تو آدمی بڑی آسانی کے ساتھ کھڑکی کے اندر باہر آ جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر پرویز کے دماغ پر شیطان قبضہ کر لیا تھا چنانچہ اسے شیطان برائی کے واسطے بڑی ترکیبیں سجھا دیتا تھا۔ اس نے دارا سے کہا۔ "اگر ہم یہاں رات کے وقت آئیں اور اندر سے کھڑکی کی چٹخنی کھول دیں تو ہم باہر سے کھڑکی کے ذریعے اس کمرے میں آکر دماغ والا مرتبان اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔"

دارا کہنے لگا۔ "لیکن رات کو جب عجائب گھر بند ہونے لگتا ہے تو گارڈ خود کھڑکی بند کر کے اندر سے چٹخنی لگاتا ہوگا۔ اس کے سامنے ہم کھڑکی کی چٹخنی کیسے کھول سکیں گے؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "تم مجھ سے بحث مت کرو۔ جو مَیں سوچتا ہوں، تم نہیں سوچ سکتے۔ آج رات تم میرے ساتھ یہاں آؤ گے۔"

اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے ایک جگہ لکھا ہُوا پڑھ لیا تھا کہ عجائب گھر رات کے نو بجے بند ہو جاتا ہے۔ باقی کا دن انہوں نے لندن شہر کی سیر و سیاحت کرنے میں گزار دیا اور رات کے پورے آٹھ بجے عجائب گھر کے اس کمرے میں آ گئے جہاں دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان اور دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ رکھا ہُوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز اپنے ساتھ ایک نوٹ بک بھی لایا تھا۔ اس نے گارڈ سے کہا۔ "ہم ڈاکٹر ہیں اور انڈیا سے آئے ہیں۔ ہم خاص طور پر دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کے دماغ کے بارے میں بعض معلومات نوٹ کرنی ہیں۔ ہمیں اجازت دے دو کہ ہم مرتبان کے قریب جا کر اس کو دیکھ سکیں۔"

گارڈ نے کہا۔ "ٹھیک ہے تم ایسا کر سکتے ہو۔"

گارڈ بے چارے کو کیا پتہ تھا کہ یہ ڈاکٹر دماغ چرانے آیا ہُوا ہے۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا سائنس دان کے دماغ والے مرتبان کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور جھک جھک کر یونہی دماغ کو دیکھنے اور نوٹ بک میں کچھ پوائنٹ نوٹ کرنے لگے۔ وہ دیر تک دماغ کا مشاہدہ کرتے اور نوٹ بک پر لکھتے رہے۔ یہاں تک کہ عجائب گھر بند کرنے کا وقت آگیا۔ گارڈ نے ان کے قریب آکر انگریزی میں کہا۔ "عجائب گھر کو بند کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "نو پرابلم۔ تم کھڑکیاں وغیرہ بند کرو۔ ہم اتنی دیر تک تھوڑا اور کام کر لیں گے۔"

کمرے کی کھڑکی کے باہر باغ تھا جس میں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ گارڈ نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی اور کھڑکی کی چٹخنی لگا دی۔ اس کے بعد وہ دوسری جانب کی کھڑکیاں بند کرنے کے لیے اس کمرے سے باہر نکل گیا۔ گارڈ کے باہر نکلتے ہی ڈاکٹر پرویز دوڑ کر بند کھڑکی کے پاس گیا اور اس نے اس کی چٹخنی آہستہ سے کھول دی۔ کھڑکی بند ہی رہی مگر اس کی چٹخنی نیچے کر دی گئی تھی۔ اب باہر سے کوئی بھی کھڑکی کھول کر اندر آ سکتا تھا۔ یہ کام کر کے پرویز دوڑ کر دماغ والے مرتبان کے پاس آ گیا اور یوں ہی دماغ کو دیکھ کر نوٹ بک پر کچھ پوائنٹ نوٹ کرنے لگا۔ اتنے میں گارڈ دوسری جانب کی کھڑکیاں بند کر کے چٹخنیاں لگا کر واپس آ گیا اور کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو کر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈال کر بولا۔ "سر! ٹائم ہو گیا ہے۔ پلیز باقی کام کل کر لیجیے گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے تو اپنا کام لیا تھا۔ وہ جلدی سے دارا کو لے کر گارڈ کے پاس آ کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگا اور دروازے کے باہر اس وقت تک گارڈ کا شکریہ ادا کرتا رہا جب تک گارڈ نے کمرے کا دروازہ بند کر کے تالا نہیں لگا دیا۔ ڈاکٹر پرویز یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ کہیں گارڈ نے دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کر چٹخنی چیک تو نہیں کی؟ اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز مطمئن ہو کر وہاں سے دارا کے ساتھ چل پڑا۔ ذرا آگے جا کر ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "پرویز، تم نے سکیم تو بڑی اچھی لڑائی ہے۔"

پرویز بولا۔ "اب ہم آج ہی رات کو دو بجے کے قریب آ کر کھڑکی کے ذریعے کمرے میں داخل ہوں گے اور دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ چرا کر رفوچکر ہو جائیں گے۔"

عجائب گھر سے وہ سیدھا مارکیٹ میں گئے۔ ایک سٹور سے انہوں نے برانڈی کی پوری بڑی بوتل خریدی جس میں الکوحل 75 فیصد ہوتی ہے اور اپنے ٹھکانے پر واپس آ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆

پلاسٹک کا ایک مضبوط اور موٹا تھیلا ڈاکٹر نے پہلے ہی سے خرید کر رکھ لیا تھا۔ رات کو دو بجے کا وقت انہوں نے اس لئے رکھا تھا کہ اس وقت گارڈ اور چوکیداروں کو بھی نیند آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی شیطان نے ڈاکٹر پرویز کے کان میں ڈالی تھی۔ رات کے ایک بجے دونوں سمر ہاؤس سے اپنے انکل کی گاڑی لے کر نکل پڑے۔ اس روز دن کو ہی سیر و سیاحت کے بہانے ڈاکٹر پرویز نے انکل کی دوسری گاڑی منگوا کر اپنے پاس رکھ لی ہوئی تھی۔

راستوں کا ڈاکٹر پرویز کو بخوبی علم تھا۔ انہوں نے پلاسٹک کے لفافے میں برانڈی کی پوری بوتل انڈیل کر لفافے کو اچھی طرح سے بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس لفافے میں انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ ڈال کر لانا تھا تاکہ الکوحل میں وہ خراب نہ ہو۔ دن کے وقت وہ موقع دیکھ بھال گئے تھے۔ انہوں نے گاڑی عجائب گھر کے عقبی گیٹ کے پاس کھڑی کر دی۔ یہاں سے انہوں نے صرف ایک باغیچہ عبور کرنا تھا۔ باغیچے کے دوسرے کنارے پر اس کمرے کی پچھلی کھڑکی لگتی تھی جس کمرے میں دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ رکھا ہُوا تھا اور جس کی کھڑکی کی چٹخنی وہ اندر سے اتار آئے تھے۔ رات بڑی سرد تھی۔ اُوس گر رہی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا

تھا۔ پہریدار عجائب گھر کے مین گیٹ کی طرف تھا۔ اس گیٹ پر کوئی پہریدار نہیں تھا۔ گیٹ بند تھا اور کافی اونچا تھا۔ گیٹ کے دونوں جانب عجائب گھر کی دیوار تھی۔ جس پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز نے ڈاکٹر دارا سے کہا۔ "تم گاڑی میں ہی بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔"

وہ الکوحل سے بھرا ہُوا تھیلا لے کر عجائب گھر کی دیوار کی طرف بڑھا۔ وہ جھاڑیوں کو پکڑ کر پانچ چھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف باغیچے میں کود گیا۔ دیوار کے ساتھ اندھیرا تھا۔ وہ اندھیرے میں دبے پاؤں چلتا کمرے کی کھڑکی کے نیچے آ گیا۔ کچھ دیر وہ وہاں خاموش بیٹھا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اِردگرد کوئی آواز نہیں ہے اور کوئی پہرے دار بھی نہیں ہے تو آہستہ سے اُٹھ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی بڑے آرام سے کھل گئی۔ وہ اوپر چڑھ کر کھڑکی کے اندر چلا گیا۔ کمرے میں بتی جل رہی تھی۔ بتی کی روشنی میں اس نے وہ کاؤنٹر دیکھا جس پر دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان اور دنیا کے سب سے بڑے قاتل کے دماغوں والے مرتبان ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر پرویز پھونک پھونک کر قدم رکھتا کاؤنٹر کی طرف بڑھا جیسے ہی وہ کاؤنٹر کے قریب آیا اور اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ بجلی چلی گئی اور کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے اس سے پہلے کبھی اس قسم کا کام نہیں کیا تھا۔ وہ گھبرا گیا اور گھبراہٹ میں اس نے ہاتھ بڑھا کر دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان والا مرتبان اٹھانا چاہا تو وہ اس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ کاؤنٹر ہلا اور دونوں مرتبان نیچے قالین پر گر پڑے۔ ڈاکٹر پرویز نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اپنے آگے گرا ہُوا مرتبان اٹھا لیا اور اس میں ہاتھ ڈال کر اس میں سے دماغ نکال کر اپنے لفافے میں ڈالا اور دوڑ کر کھڑکی سے باہر کود گیا۔ اسے ڈر تھا کہ شاید اسی کمرے کی بجلی فیل ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی بجلی ٹھیک کرنے والا ضرور اندر آ جائے گا۔ وہ باغیچے کی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں دوڑتا ہُوا اس جگہ پہنچا جہاں سے وہ دیوار پر سے کودا تھا۔ اُچک کر اس نے دیوار کی

بیل کو پکڑا اور دیوار پر چڑھ کر جلدی سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہُوا گاڑی کے پاس آ کر بولا: "نکل چلو۔"

ڈاکٹر دارا سٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے پہلے سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور فرسٹ گیئر میں گاڑی ڈال کر تیزی سے وہاں سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ سڑک پر آ کر اس نے گیئر بدلا اور پوری رفتار سے سنسان سڑک پر گاڑی دوڑنے لگی۔ ڈاکٹر پرویز گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ دارا نے پوچھا۔ "کام ہو گیا تھا؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "بالکل ہو گیا ہے۔"

دارا نے کہا۔ "یہ بجلی کیوں بند ہو گئی تھی؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرا خیال ہے بجلی فیل ہو گئی ہو گی۔ لیکن میں اندھیرا ہونے سے پہلے مرتبان تک پہنچ چکا تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کے دماغ والا مرتبان نیچے گر پڑا تھا مگر میں نے اسی وقت مرتبان میں ہاتھ ڈال کر دماغ نکالا اور اسے اپنے تھیلے میں بند کر کے وہاں سے بھاگ اٹھا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "شکر ہے کام تو ہو گیا۔"

اس نے گردن ایک لمحے کے لیے پیچھے کر کے کہا۔ "مجھے تھیلا دکھاؤ۔"

تھیلا سفید پلاسٹک کا تھا جس میں برانڈی کی الکوحل میں ڈوبا ہُوا دماغ پڑا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے تھیلا آگے کر کے دارا کو دکھایا۔ وہ خاموش ہو کر بولا۔ "پرویز! اس وقت کسی کو کیا معلوم کہ اس گاڑی میں جو دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے پاس دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "دوست! ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس اس دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے اور ہمارا بنایا ہُوا انسان اس اعتبار سے دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہو گا کہ اس کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے لائق سائنس دان کا دماغ ہو گا۔ تم دیکھ لینا ہمارا انسان سائنس کی دنیا میں ایسی ایسی حیرت انگیز ایجادات کرے گا کہ جو بنی نوع انسان کو ترقی کے سب سے بلند زینے پر پہنچا

دیں گی۔ ہو سکتا ہے انسان بیماریوں پر قابو پانے کے بعد موت پر بھی قابو پا لے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "کفر مت بولو۔ موت برحق ہے اور ہر شخص کے مرنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ موت ہر شخص کو ایک نہ ایک دن ضرور آتی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "بھائی تم سے بحث کرنا بیکار ہے۔ ٹھیک ہے تم جو کچھ کہتے ہو وہ بھی ٹھیک ہے۔"

سمر ہاؤس پہنچ کر انہوں نے گاڑی کو گیراج میں کھڑا کیا اور دماغ والا تھیلا لے کر اوپر کمرے میں آ گئے۔ بتی روشن کر کے انہوں نے تھیلے میں پڑے ہوئے دماغ کو دیکھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "دارا! دیکھو۔ یہ عام انسانوں کے دماغ سے بڑے سائز کا دماغ ہے۔"

وہ ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے کئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا تھا اور ہر عمر کے لوگوں کے دماغ دیکھے تھے۔ دارا بھی دماغ کو غور سے دیکھ رہا تھا' کہنے لگا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس دماغ کا سائز بڑا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "کیوں نہ ہو۔ آخر یہ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ ہے۔"

ایک مرتبان انہوں نے پہلے سے لا کر الماری میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مرتبان الکوحل اور سپرٹ سے بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے بڑی احتیاط کے ساتھ تھیلے میں سے دماغ نکال کر مرتبان میں ڈال کر مرتبان کو اوپر سے بند کر دیا۔ اس کے بعد الماری بند کر کے چابی لگائی اور لمبا سانس لے کر بولا۔ "ڈاکٹر دارا! سمجھ لو کہ ہم نے اپنے بنائے ہوئے انسان کو مکمل کر لیا ہے۔ بس اب اس میں روح پھونکنی باقی ہے۔"

دارا نے کہا۔ "یہ مت کہو۔ روح بہت اعلیٰ اور ارفع چیز ہے۔ ہم اس میں روح نہیں پھونک سکتے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اپنے بنائے ہوئے نقلی آدمی میں مادے کی توانائی داخل کریں گے جس کی طاقت سے مردہ لاش زندہ ہو کر چلنے لگے گی

اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ بولے گی بھی یا نہیں بولے گی۔ اور اگر بولے تو کچھ سوچ بھی سکے گی یا نہیں۔ کیونکہ وہ ایک ادھورا انسان ہوگا۔"

ڈاکٹر پرویز نے اوور کوٹ اتار کر پلنگ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بھائی! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس موضوع پر تم سے کوئی بحث مباحثہ نہیں کروں گا۔ تم جو کہتے ہو بس میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ چلو اب سو جاؤ' چار بجنے والے ہیں۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں ڈاکٹر اپنے اپنے بستروں پر گہری نیند سو رہے تھے۔

دوسرے دن ڈاکٹر پرویز نے لندن سے واپسی کی دو سیٹیں برٹش ایرویز میں بک کروالیں۔ انکل نے کہا۔ "ارے بھئی کچھ روز تو اور ٹھہر جاتے۔"

پرویز نے کہا۔ "انکل! ہماری تفریح ہو گئی ہے۔ دراصل پیچھے ہسپتال میں بھی ہماری ضرورت ہے۔ ہم وہاں سے زیادہ دیر غیر حاضر نہیں رہ سکتے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کے دماغ کو مرتبان سے نکال کر دوبارہ پلاسٹک کے تھیلے میں برانڈی ڈال کر بند کر لیا تھا۔ اس تھیلے کو اس نے اپنے سوٹ کیس میں ہلکی پھلکی قمیضوں کے نیچے بڑی احتیاط سے رکھ دیا۔ وہ دماغ کے تھیلے کو ہاتھ میں پکڑ کر نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ اس طرح کسٹم والے پوچھ سکتے تھے کہ یہ کس کا دماغ ہے اور اسے تم کہاں لے جا رہے ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت تک اخباروں میں یہ خبر بھی چھپ جائے کہ میڈیکل عجائب گھر سے دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ چوری ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں کیا بات تھی اور کس مصلحت کے تحت میڈیکل عجائب گھر کی انتظامیہ نے ابھی تک دماغ چوری ہو جانے کی خبر اخباروں میں نہیں چھپوائی تھی ورنہ اس قسم کی خبر لندن کے اخباروں میں بڑھ چڑھ کر چھاپی جاتی ہے۔

ڈاکٹر دارا اور ڈاکٹر پرویز ٹھیک وقت پر لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔ جب انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں سرجن ڈاکٹر ہیں اور اپنے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ

دکھائے تو ان کے سامان کی زیادہ چھان بین نہ کی گئی۔ صرف ایکسرے مشین کے اندر سے ان کے سامان کو گزارا گیا اور تھیلے میں پڑا ہوا دماغ ایکسرے میں بالکل دکھائی نہ دیا۔ یوں وہ بڑی آسانی سے کسٹم والوں سے نکل گئے۔ آگے ان کے لیے کوئی مشکل نہ تھی۔ وہ جہاز میں سوار ہو گئے۔ ٹھیک وقت پر جہاز نے اڑان بھری اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

پاکستان پہنچنے کے بعد انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کے دماغ کو بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی لیبارٹری میں الکوحل اور سپرٹ والے مرتبان میں ڈبو کر رکھ دیا۔ ڈاکٹر پرویز نے دارا سے کہا۔ "دوست! یہ ایک بہت بڑا مرحلہ تھا جو طے ہو گیا۔ کیا یہاں پاکستان میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے اور نوبل انعام یافتہ سائنس دان کا دماغ ہمارے قبضے میں ہے؟"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "کسی کو یقین نہیں آئے گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے بڑے غرور سے گردن تان کر کہا۔ "اور تمہارے دوست ڈاکٹر پرویز نے یہ کام کر دکھایا ہے۔ خدا کی قسم ایک بار میرے بنائے ہوئے انسان کو اٹھ کر چلنے پھرنے دو' ہم دونوں کو نوبل انعام نہ ملا تو میرا نام بدل دینا۔"

ڈاکٹر دارا کو اس خیال سے ایک جھرجھری سی آ گئی کہ ایک روز اسے نوبل انعام ملے گا اور دنیا کے تمام اخباروں اور ٹیلی ویژن سٹیشنوں سے اس کی تصویر اور خبر نشر ہو گی۔

دونوں ڈاکٹروں کے زیر تکمیل انسان کے سارے اعضاء سوائے رانوں کے مکمل ہو چکے تھے۔ پیٹ کا تھوڑا سا نچلا حصہ اور رانیں ان کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ ایسی رانیں جو بہت مضبوط ہوں۔ اس نے ایک بار پھر قبرستان کے گورکن سے رابطہ قائم کیا اور اسے اپنی ضرورت سے آگاہ کیا۔ گورکن نے کہا۔ "جیسے ہی کسی پہلوان یا طاقتور آدمی کی لاش آئی میں خبر کر دوں گا۔"

کچھ دنوں کے بعد گورکن نے ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ آپ کی مطلوبہ چیز

مل گئی ہے' آ کر لے جائیں۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا فوراً قبرستان پہنچ گئے۔ گورکن انہیں رات کے اندھیرے میں ایک تازہ قبر پر لے گیا۔ کہنے لگا۔ "اس قبر کے اندر شہر کا سب سے طاقتور پہلوان دفن ہے۔ اس کی رانیں بہت چوڑی اور لمبی ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "قبر کھول کر دکھاؤ۔"

گورکن نے قبر کھول دی اور مردے کو باہر نکالا۔ ڈاکٹر پرویز نے دیکھا کہ واقعی مردے کی دونوں رانیں بہت طاقتور' موٹی اور عام سائز سے بڑی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز کو یہی چاہیے تھیں۔ اس نے گورکن کو اس کی رقم دی اور دونوں رانیں کپڑے میں لپیٹ کر آسیبی قلعے والی لیبارٹری میں لا کر سپرٹ کے بڑے مرتبان میں ڈالیں اور سنبھال کر رکھ لیں۔

اب لاش کے تمام اعضاء مکمل ہو گئے تھے اور الگ الگ مرتبانوں میں پڑے تھے۔ ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "سب کام ہو گیا ہے۔ اب آپریشن شروع کرو۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "آج رات کو آپریشن شروع کر دیں گے۔"

وہ رات موسم سرما کی سب سے زیادہ سرد رات تھی۔ آسیبی قلعے میں ڈاکٹر پرویز کی لیبارٹری میں آپریشن کے تمام آلات سٹریچر کے پاس چھوٹی میز پر رکھ دیئے گئے تھے۔ دونوں ڈاکٹر سفید کوٹ پہنے' آپریشن کے لیے تیار تھے۔ زیر تکمیل لاش کے تمام اعضاء کے مرتبان وغیرہ سٹریچر کے قریب ایک میز پر رکھے ہوئے تھے۔

انہوں نے کام شروع کر دیا۔ زیر تکمیل لاش کے تمام اعضاء ایک ایک کر کے مرتبانوں سے نکال کر سٹریچر پر صحیح طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر رکھ دیئے گئے تو دونوں ڈاکٹر یہ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے کہ یہ ایک سات ساڑھے سات فٹ لمبے انسان کی لاش تھی جس کا جسم انتہائی چوڑا چکلا اور صحت مند تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ڈاکٹر دارا! ذرا غور کرو ہمارا بنایا ہوا انسان جب زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگے گا تو یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہو گا۔ خدا کی قسم دنیا بھر کے سائنسدان اور ڈاکٹر حیران رہ جائیں

گے۔"

ڈاکٹر دارا لاش کے کٹے ہوئے اعضاء جو ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ہوئے تھے' دیکھ کر خوف سے لرز گیا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیال لگے کہ خدا جانے یہ انسان زندہ ہو کر کیا کرے گا۔ اچھے کام کرے گا یا دنیا میں مچادے گا۔ ڈاکٹر پرویز نے دارا سے کہا۔ "چلو دوست' آپریشن شروع کرو۔"

ڈاکٹر دارا ایک دم سنبھل گیا۔ کہنے لگا۔ "پرویز! ایک بار پھر سوچ لو۔ ہمارا تجربہ الٹا تو نہیں پڑ جائے گا؟"

"کیسے الٹا پڑ جائے گا؟" ڈاکٹر پرویز نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے...." ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "میرا مطلب ہے کہ کہیں نہیں ہو گا کہ ہمارا بنایا ہوا انسان ہمارے ہاتھ سے نکل کر غلط راستے پر چل گا؟"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو غصے کی نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ "دارا! تم بہت دل کے ڈاکٹر ہو۔ تمہیں اس لائن میں نہیں آنا چاہئے تھا۔ ایک سرجن کا دل مضبوط ہوتا ہے۔ اس قسم کے فضول خیالات کو ذہن سے نکال دو اور اپنا کام شر کردو۔"

انہوں نے بجلی کی تیز روشنی میں لاش کے کٹے ہوئے اعضاء کی ر وریدیں اور ہڈیاں آپریشن اور خاص سلوشن کی مدد سے جوڑنی شروع کر دیں۔ تک وہ آپریشن کرتے رہے مگر لاش کے بازو ہی جوڑ سکے۔ ڈاکٹر دارا کو اتنی میں بھی پسینہ آ گیا تھا۔ کہنے لگا۔ "پرویز! بس دوست! اب باقی کا کام کل کریں میں بہت تھک گیا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز بھی تھک گیا تھا۔ کہنے لگا۔ "اگر تم یہی چاہتے ہو تو چلو کل سہی انہوں نے لاش کے اوپر ترپال ڈال دی۔ لیبارٹری کے سنک میں جا کر گرم سے منہ ہاتھ دھوئے۔ آپریشن کا لباس اتار کر اپنے کپڑے پہنے اور لیبارٹری کو

گاڑی میں سوار ہو کر آسیبی قلعے سے نکلے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن شام ہوتے ہی انہوں نے آپریشن شروع کر دیا۔ ساری رات وہ یشن کر کے لاش کے اعضاء جوڑتے رہے۔ کام اتنا لمبا اور تھکا دینے والا تھا کہ روز بھی کام مکمل نہ ہو سکا۔ ایک ایک رگ کو جوڑ کر ٹانکے لگانے پڑ رہے تھے۔ ں کا آپریشن پانچ دن تک جاری رہا۔ چھٹی رات کو لاش کے سارے اعضاء جوڑ یئے گئے۔ اب صرف کھوپڑی کے اندر دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ ٹ کرنا تھا۔ یہ کام بڑا نازک اور باریک تھا مگر دونوں ڈاکٹر بڑے لائق سرجن تھے۔ ں کے باوجود لاش کے دماغ کو کھوپڑی کے اندر پلانٹ کرتے انہیں دو دن اور دو تیں لگ گئیں۔ آخر یہ کام بھی مکمل ہو گیا اور ڈاکٹر پرویز نے لاش کی کھوپڑی جو ول رکھی تھی سر کی جگہ ٹوپی کی طرح رکھ کر جوڑ پر آری کی مدد سے سوراخ کر کے ٹے چھوٹے ٹانکے لگا دیئے۔

اس وقت لاش مکمل طور پر تیار ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر پرویز نے لاش کی طرف دیکھا اور گردن فخر سے بلند کر کے بولا۔ "میں نے وہ کام کیا ہے ڈاکٹر دارا جو آج تک کسی ڈاکٹر نے نہیں کیا۔"

ڈاکٹر دارا کے چہرے پر خوف کے اثرات تھے۔ وہ دل میں ڈر رہا تھا کہ خدا نے زندہ ہو کر لاش کا طرز عمل کیا ہو گا؟ وہ ڈاکٹر پرویز کے کنٹرول سے کہیں باہر تو ہیں ہو جائے گی؟ ڈاکٹر پرویز نے لاش کی کمر میں ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ گردن کے ب ایک چھوٹا سا آلہ فٹ کر دیا تھا جس میں باہر سے ریموٹ کنٹرول کے سگنل ول کرنے کی طاقت تھی۔ اس آلے میں کوئی بیٹری وغیرہ نہیں تھی بلکہ اسے خون کی گرمی کی وجہ سے کام کرتے رہنا تھا۔ اس آلے کا ریموٹ کنٹرول سے رابطہ تھا جو ٹر پرویز کے پاس تھا۔ اس ریموٹ کے ذریعے ڈاکٹر پرویز نے لاش کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا تھا۔ ایسا ہی چھوٹا سا آلہ ڈاکٹر پرویز نے لاش کے دماغ میں فٹ کر دیا

تھا۔ یہ آلہ ایک چھوٹے سے بٹن کی شکل کا تھا۔ اس آلے کی مدد سے ڈاکٹر
لاش کے دماغ میں اپنی مرضی کی بات اور اپنی مرضی کے خیالات داخل کر
سے اپنی مرضی کے مطابق کام لینا تھا۔ جس وقت ڈاکٹر پرویز لاش کے دماغ
چھوٹا سا بٹن نما آلہ فٹ کر رہا تھا' اس وقت ڈاکٹر دارا نے اسے کہا۔ "اگر لاش
بجلی کی توانائی سے زندہ ہو گئی تو ممکن ہے' اس کا دماغ اپنی مرضی کے مطابق
شروع کر دے اور تمہارے ریموٹ کے کنٹرول سے باہر ہو جائے۔"

ڈاکٹر پرویز نے جواب میں کسی قدر تشویش کے ساتھ کہا۔ "تم نے صحیح
کا اظہار کیا ہے مگر یہ دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ ہے۔ یہ اچھ
کرے گا اور اس کے دماغ میں اچھا خیال ہی آئے گا۔ کیا معلوم یہ ہمارے
کر کوئی نئی چیز ایجاد کرے یا کوئی ایسا فارمولا تیار کر دے جس کی مدد سے انسا
سال تک زندہ رہ سکے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس لاش کو کنٹرول کرنے
ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر تو یہ لاش انسانوں کے ایک ہمدرد اور نیک دل سائن
کی لاش ہوگی جو انسان کی بھلائی اور میڈیکل سائنس کی ترقی کے لیے نئی نئی
کرے گی۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا؟" ڈاکٹر دارا نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "ایسا ہونا ممکن نہیں کیونکہ دنیا کے سب سے بڑے
دان کے دماغ میں کوئی برا یا انسان کے خلاف کوئی خیال آ ہی نہیں سکتا اور
ہوا تو ہم اسے ریموٹ کے ساتھ اپنے کنٹرول میں کر لیں گے اور یوں یہ زند
ہمارے کنٹرول میں ہوگی۔ ہمارے اشاروں پر چلے گی۔"

زندہ لاش کے تمام آپریشن پورے ہو گئے۔ لاش بالکل تیار ہو گئی۔ ا
میں آسمانی بجلی کی توانائی داخل کرنی باقی تھی۔ دونوں ڈاکٹر لاش کے سٹریچر کو آ
کی چھت پر لے گئے اور چھت کے عین وسط میں سٹریچر رکھ کر لاش کو لا
زنجیروں' چمڑے کے پٹوں اور بیلٹوں سے سٹریچر کے ساتھ باندھ دیا۔ یہ انہ

لئے کیا کہ لاش میں سے جب آسمانی بجلی گزرے گی تو اس میں زبردست توانائی
ہوگی اور اسے زبردست جھٹکا لگے گا اور اس جھٹکے سے لاش اچھل کر سٹریچر
نیچے نہ گر پڑے۔ سب سے آخر میں انہوں نے لاش کے جسم کے ساتھ تانبے
موٹی تار لپیٹ کر تار کا سرا لاش کے سر کے اوپر ایریل انٹینا کی طرح لگا دیا تاکہ
بجلی اس پر گرے تو تانبے کے انٹینا سے گزر کر لاش کے جسم سے لپٹی ہوئی
ے کی تار میں سے گزرتی ہوئی چھت میں دھنس جائے۔ تانبے کی تار کا آخری
قلعے کی مضبوط اور موٹی چھت کا فرش کھود کر اس کے اندر دھنسا دیا گیا تھا۔

اب انہیں آسمانی بجلی کا انتظار تھا کہ کب بادل آتے ہیں اور زور زور سے
گرجتے ہیں' بجلی رہ رہ کر چمکتی ہے' کڑکتی ہے اور لاش پر گرتی ہے۔ اس کام سے
ہو کر دونوں ڈاکٹر چھت سے اتر کر لیبارٹری میں آئے۔ آپریشن کے تمام آلات
ر صاف کر کے الماری میں رکھے اور زینہ اتر کر آسیبی قلعے کے باہر آ گئے۔ ڈاکٹر
نے آسمان پر چمکتے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "خدا کرے کہ آسمان پر بادل
ھر کر چھا جائیں اور بارش کا طوفان شروع ہو جائے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ابھی تو آسمان پر کسی طوفان باد و باراں کے آثار نہیں
"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "آج کی موسمی پیش گوئی میں ٹیلی ویژن پر کہا گیا ہے کہ
چوبیس گھنٹوں میں بارش کی توقع ہے۔"

دونوں گاڑی میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

آسیبی قلعے پر ایک ڈراؤنی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ قلعے کی چھت پر نقلی
کی جگہ جگہ سے سلی ہوئی لاش بے حس و حرکت زنجیروں اور چمڑے کی پٹیوں
ڑی ہوئی پڑی تھی۔ لاش کے ماتھے پر کھوپڑی کو جوڑ کر جو ٹانکے لگائے گئے تھے
ل طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ لاش کی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی تھیں اور
کی مردے کی آنکھیں لگتی تھیں۔ یہ عجیب و غریب لاش تھی جس کا کوئی عضو

اس کا اپنا نہیں تھا۔ سر کسی کا تھا' سر کے اندر دماغ کسی اور کا تھا۔ ٹانگیں دوسرے مردے کی تھیں' سینہ کسی اور مردے کا تھا' بازو کسی اور مردے کے آنکھیں کسی اور لاش کی تھیں' ناک بھی کسی دوسرے مردے کی تھی بلکہ لاشوں کے چہرے سے کاٹ کر انہیں جوڑ کر ایک ناک بنا کر آپریشن کے ذریعے گئی تھی۔ دماغ کے اندر بٹن کے سائز کا آلہ لگا ہوا تھا جس کے ذریعے ڈاکٹر پر اس لاش کے ذہن میں اپنا خیال ڈالتا تھا اور اپنی مرضی کے مطابق اس سے تھا۔ کمر میں ریڑھ کی ہڈی میں بھی ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر فٹ تھا جس کے ذریعے کو ڈاکٹر نے اپنی مرضی کے مطابق چلانا تھا۔ لاش کا چہرہ ساکت تھا۔ اس پر مہ زردی طاری تھی۔ آدھی کھلی ہوئی آنکھیں جیسے دور کسی ڈراؤنی شے کو گھ ہوں۔

چھت پر کوئی نہیں تھا۔ رات کے اندھیرے اور خاموشی میں آسیبی چھت خالی پڑی تھی۔ اچانک چھت کے زینے میں سے ایک انسانی ہیولا نمودار اس کی دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں۔ وہ بیساکھیوں کے سہارے آہستہ آہستہ لاش کے سٹریچر کے پاس آیا اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے لاش کی ٹانگیں دیکھنے اس مردے کا ہیولا تھا جس کی ٹانگیں ڈاکٹر پرویز نے کاٹ کر لاش کو لگا دی مردے کا ہیولا شاید اپنی ٹانگیں دیکھنے آیا تھا۔ ہیولے نے ایک بیساکھی اوپر اٹھا کی دونوں ٹانگوں کے ساتھ باری باری لگائی۔ پھر اس ہیولے کے منہ سے ایک سی ڈراؤنی چیخ کی آواز نکلی اور ہیولا غائب ہو گیا۔ اس کے بعد چھت کے زینے ایک اور انسانی ہیولا نمودار ہوا جس کے دونوں بازو غائب تھے وہ اپنی ٹانگوں آہستہ چلتا لاش کے سٹریچر کے پاس آیا۔ اس ہیولے نے جھک کر لاش کے ساتھ ہوئے اپنے بازوؤں کو غور سے دیکھا۔ ایک لمبی آہ بھری اور لاش کے گرد ایک کر غائب ہو گیا۔ اسی طرح اس مردے کا ہیولا نمودار ہوا جس کی آنکھیں ڈاکٹر پرویز نے لاش کو لگائی تھیں۔ یہ ہیولا اندھا اور لاٹھی کے سہارے زینے

کر چل رہا تھا۔ اس ہیولے نے ہاتھ لاش کی آنکھوں پر لگایا اور ایک فلک شگاف کر غائب ہو گیا۔

اسی طرح جن جن مردوں کے عضو کاٹ کر ڈاکٹر پرویز نے لاش کے ساتھ ے تھے ان کے ہیولے باری باری چھت پر نمودار ہوئے اور لاش کے گرد ایک چکر لگا کر غائب ہو گئے۔ لیکن جس کا دماغ لاش کی کھوپڑی میں لگایا گیا تھا اس کا نہیں آیا تھا۔ دوسرے دن آسمان پر بادل چھانا شروع ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر پرویز اور دارا صبح صبح آسیبی قلعے میں اپنی بنائی ہوئی لاش کا معائنہ کرنے آئے۔ لاش اسی بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے بادلوں کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا ہا۔ "ڈاکٹر دارا! شاید بارش تیز اور موسلادھار ہو۔ اگر بجلی بار بار کڑکی اور چمکی یقین ہے کہ لاش پر ضرور گرے گی۔ کیونکہ اس کے سر کے اوپر اٹھی ہوئی کی تار بجلی کے ذرات کو اپنی طرف ضرور کھینچے گی۔"

وہ دیر تک چھت پر رہ کر لاش کا معائنہ کرتے رہے۔ لاش کے سارے جسم پر لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر دارا کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ لاش کی نیم وا مردہ وں پر نظر ڈالے۔ اسے ان آنکھوں سے بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں رہا تھا جیسے یہ آنکھیں کسی جلاد کی آنکھیں ہیں۔ یہ آنکھیں کسی بڑے سائنسدان اغ والے شخص کی آنکھیں نہیں لگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "اگر طوفان بڑھ گیا تو ہم رات کو بھی آسیبی قلعے کا ایک چکر لگانے آئیں گے ممکن ش پر بجلی گرے اور یہ زندہ ہو جائے۔"

ڈاکٹر دارا کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ لاش آسمانی بجلی کے گرنے سے ہو جائے گی لیکن وہ اپنے اس شک کا ڈاکٹر پرویز کے سامنے اظہار نہیں کر رہا ھ دیر آسیبی قلعے کی چھت پر لاش کے پاس رکنے کے بعد دونوں ڈاکٹر اپنے واپس چلے گئے۔ دوپہر تک بارش نہیں ہوئی تھی' بادل ضرور چھائے ہوئے ابھی تیز چل رہی تھی مگر نہ بادل گرج رہے تھے' نہ بجلی چمک رہی تھی اور

نہ بارش ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے پرویز سے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ بادل ای
بغیر برسے گزر جائیں گے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "محکمہ موسمیات والوں نے پیش گوئی کی تھی کہ آج
تک طوفان باد و باراں آئے گا۔"

دارا نے کہا۔ "اس محکمے والوں کی پیش گوئیاں اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں۔"

اور کچھ ایسا ہی ہوا۔ شام کے وقت بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور را
آسمان پر تارے نکل آئے لیکن رات کے دس بجے کے بعد اچانک ہوا چلنے لگ
آسمان پر گہرے کالے بادل چھا گئے اور بجلی بار بار چمکنے لگی اور بادل بھی گرجنے
ڈاکٹر دارا نے ڈاکٹر پرویز کو فون کیا اور کہا کہ طوفان باد و باراں آ گیا ہے۔ کیا
ہے؟ ڈاکٹر پرویز بولا۔ "موسم کی پیش گوئی درست نکلی ہے اور یہ بڑا زبردست
باراں کا طوفان ہے۔ ہمیں اسی وقت قلعے کی چھت پر پہنچ جانا چاہئے۔ مجھے لگتا
بجلی جس طرح کڑک رہی ہے اور چمک رہی ہے' یہ لاش پر ضرور گرے گی۔
تمہاری طرف گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "میں تیار ہوں بس تم آ جاؤ۔"

لیکن ڈاکٹر پرویز کو عین اسی وقت ہسپتال سے فون کال آ گئی کہ ایک ایم
کیس آیا ہے۔ آپ فوراً ہسپتال آ جائیں۔ ڈاکٹر پرویز کو ہسپتال جانا پڑ گیا۔ اس
ڈاکٹر دارا کو فون کر دیا کہ میں ہسپتال جا رہا ہوں' تم گھر پر ہی رہنا میں کیس د
سیدھا تمہارے پاس آ جاؤں گا' پھر قلعے میں چلے جائیں گے۔ لیکن ہسپتال میں
پرویز کو دو گھنٹے لگ گئے۔ اِس دوران طوفان باد و باراں آ گیا۔ تیز ہوا چلنے لگی۔
کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بجلی رہ رہ کر چمکنے لگی۔ بادلوں کی
سے سارا شہر گونجنے لگا۔ ڈاکٹر پرویز نے فون پر ڈاکٹر دارا سے کہا۔ "بڑے
طوفان ہے۔ ذرا طوفان کم ہو تو میں تمہاری طرف آ جاؤں گا' تم گھر پر ہی رہنا۔"
لیکن طوفان کم نہ ہوا۔ بجلی اس طرح کڑک کڑک کر چمکتی جیسے کہیں

ہی گری ہو۔ یہ طوفان دو گھنٹے تک جاری رہا۔ اس کے بعد طوفان تھم گیا۔ بارش بھی
رک گئی اور بجلی بھی چمکنا بند ہو گئی۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا۔ ڈاکٹر دارا
نے پرویز کو ہسپتال میں فون کیا اور کہا۔ "میرا خیال ہے ہم قلعے پر جانا صبح تک ملتوی
کر دیتے ہیں۔ بڑا زبردست طوفان تھا۔ سڑکوں پر کئی درخت اکھڑ کر گر پڑے ہوں
گے۔ راستے بند ہو گئے ہوں گے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا' "نہیں۔ ہمیں اسی وقت قلعے پر پہنچنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے
کہ لاش پر بجلی ضرور گری ہو گی اور لاش زندہ ہو گئی ہو گی۔ میں تمہاری طرف آ رہا
ہوں۔"

اور ڈاکٹر پرویز گاڑی لے کر سیدھا ڈاکٹر دارا کے ہوسٹل میں پہنچ گیا۔ سڑکوں
پر جگہ جگہ درخت گرے ہوئے تھے' پانی بھی کھڑا تھا مگر ڈاکٹر پرویز کسی نہ کسی طرح
ڈاکٹر دارا کے ہوسٹل پہنچ گیا۔ ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "دوست! اس وقت قلعے کی طرف
جانا مناسب نہیں۔ رات کافی گزر گئی ہے اور سارے رستے درختوں نے بلاک کر
دیئے ہوں گے اور پانی بھی سڑکوں پر کھڑا ہو گا۔"

لیکن ڈاکٹر پرویز نہ مانا۔ کہنے لگا۔ "مجھے یقین ہے لاش زندہ ہو گئی ہو گی۔ میں
اپنے تجربے کی کامیابی دیکھنا چاہتا ہوں۔ بس تم میرے ساتھ آ جاؤ۔ ہم کسی دوسری
طرف سے ہو کر قلعے تک پہنچ جائیں گے۔"

ڈاکٹر دارا انکار نہ کر سکا اور وہ گاڑی میں سوار ہو کر قلعے کی طرف روانہ ہو
گئے۔ اس وقت تک بارش تھم چکی تھی۔ آسمان پر سے بادل غائب ہو گئے تھے مگر
سرد ہوا چل رہی تھی اور سردی بہت زیادہ پڑ رہی تھی۔ دونوں ڈاکٹر دوست گاڑی
میں بیٹھ کر آسیبی قلعے کی طرف چلے تو سڑکوں پر پانی کھڑا تھا اور کئی جگہوں پر درخت
گرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر پرویز گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ شہر کی بڑی سڑک سے نکل کر
تنگ سڑکوں پر سے ہوتا ہوا آسیبی قلعے کی طرف چل پڑا۔

دونوں ڈاکٹر دوستوں کو ہم اسی جگہ سڑک پر چھوڑتے ہیں اور آپ کو یہ بتاتے

ہیں کہ جس وقت شہر پر طوفان باد و باراں نازل ہوا تھا اور بجلی رہ رہ کر کڑک رہی تھی اس وقت قلعے کی چھت پر لاش کے ساتھ کیا گزری؟

ساڑھے سات فٹ انتہائی طاقتور نقلی انسان کی جگہ جگہ سے جوڑی ہوئی لاش قلعے کی چھت پر ساکت پڑی تھی کہ آسمان پر بادل گرجنا شروع ہو گئے۔ ساتھ ساتھ بجلی بھی کڑکنے اور چمکنے لگی۔ قیامت کا طوفان شروع ہو گیا۔ بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ گھپ اندھیرے میں بجلی زور سے کڑک کر چمکتی تو نقلی انسان کی لاش روشنی میں ایک دو سیکنڈ کے لیے چمک اٹھتی اور پھر اندھیرے میں گم ہو جاتی۔ آسمانی بجلی دو تین بار جیسے نقلی انسان کی لاش پر گرتے گرتے رہ گئی۔ آخر ایک بار قیامت کا دھماکہ ہوا اور آسمانی بجلی نقلی انسان کی لاش پر گری۔ اگر لاش کے سر کے اوپر تانبے کی تار کا ایریل نہ اوپر کو اٹھا ہوا ہوتا تو بجلی نے لاش پر گرتے ہی اسے چھت سمیت بھسم کر ڈالنا تھا لیکن تانبے کے تار نے لاش کو بھسم ہونے سے بچا لیا۔ آسمانی بجلی جیسے ہی لاش پر گری اسے تانبے کے تار میں گزر جانے کو راستہ مل گیا۔

چنانچہ کروڑوں وولٹ طاقت کی آسمانی بجلی لاش کے اوپر گرتے ہی تانبے کی تار میں سے گزر کر لاش کے جسم کے گرد لپٹی ہوئی تانبے کی تار میں سے آناً فاناً نکل کر چھت کے اندر غائب ہو گئی۔ اتنے زیادہ وولٹیج کے ساتھ بجلی لاش کے جسم میں سے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سے گزری تو لاش کو ایک جھٹکا لگا اور لاش کی آنکھیں جو نیم وا تھیں پوری کھل گئیں اور لاش کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ لاش کے اندر قیامت کی توانائی آ گئی تھی اور لاش زندہ ہو گئی تھی۔ مگر وہ پوری طرح زندہ نہیں ہوئی تھی' آدھی زندہ ہوئی تھی۔ وہ اس طرح کہ وہ دیکھ سکتی تھی مگر بول نہ سکتی تھی۔ لاش کے حلق سے آہستہ آہستہ غرانے کی آواز نکلنے لگی۔ لاش نے اپنے بازو کو ذرا سی جنبش دی تو اس کے بازو کے ساتھ بندھی ہوئی لوہے کی موٹی زنجیر تڑاخ سے ٹوٹ گئی۔ لاش کے بازو کو جس چمڑے کے پٹے کے ساتھ سٹریچر کے ساتھ باندھا ہوا تھا وہ پٹہ بھی ٹوٹ گیا۔ لاش نے اسی طرح دوسرے بازو کو جنبش دی۔ دوسرے بازو کا پٹہ اور آہنی زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔ پھر لاش نے ایک ٹانگ کو جنبش دی اور اس کی ٹانگ کی زنجیر بھی تڑاخ سے ٹوٹ گئی۔ اسی طرح لاش نے دوسری ٹانگ کو جنبش دی اور دوسری ٹانگ کی زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔

آپریشن کے بعد ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا نے لاش کے جسم کے گرد کپڑے کی پرانی پٹیاں لپیٹی تھیں کیونکہ لاش کے سائز کے ان کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ صرف لاش کے ہاتھ پاؤں' گردن اور سر پٹیوں کے بغیر تھے۔ لاش سٹریچر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لاش کے حلق سے غرانے کی ہلکی ہلکی آواز نکل رہی تھی۔ لاش بالکل سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔ گردن آسانی سے دائیں بائیں نہیں ہل سکتی تھی۔ اس لئے زندہ لاش والے نقلی انسان کو گردن ہلانے کے لیے پورے جسم کو دوسری طرف چلانا پڑتا تھا۔ لاش سٹریچر پر سے نیچے اتر آئی۔ لاش نے اپنے آپ کو ذرا سا سر جھکا کر غور سے دیکھا اور پھر بن مانس کی طرح اپنے سینے پر زور سے دو تین ہاتھ مارے اور آسمان کی طرف منہ کر کے غرانے لگی۔ یہاں سے ہم اس نقلی انسان کی زندہ لاش کو زندہ مردہ نہیں' زندہ لاش نہیں بلکہ مردہ انسان کہہ کر پکاریں گے۔

مردہ انسان نے گردن دائیں طرف گھمانی چاہی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اسے گردن دائیں طرف گھمانے کے لیے اپنے پورے جسم کو دائیں طرف گھمانا پڑا۔ لاش چھت پر اس طرح کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف جھکتی چلنے لگی جیسے کوئی ڈولتے ہوئے سمندری جہاز کے عرشے پر چلتا ہے یا جیسے کوئی خواب کی دنیا میں چلتا ہے۔ لاش کو سامنے زینہ نظر آیا۔ وہ زینے کے پاس جا کر ایک سیکنڈ کے لیے رکی اور پھر زینہ اترنے لگی۔ قلعے کی دوسری منزل کا زینہ اترنے کے بعد لاش قلعے کے شکستہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اچانک ایک طرف سے کالے رنگ کی بلی سامنے آ گئی۔ بلی نے ایک مردہ انسان کو چلتے ہوئے دیکھا تو خوف سے بلی کے بال کھڑے ہو گئے۔

اس نے مردہ انسان پر چھلانگ لگا دی اور اس کا منہ نوچنے ہی لگی تھی کہ مردہ ان
نے بلی کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر بلی کے دو ٹکڑے کر دیئے اور بلی کے دو
ٹکڑے وہیں پھینک کر قلعے کے دروازے سے نکل کر رات کے سرد ویر
اندھیرے میں گم ہو گئی۔

اب ہم واپس ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کی طرف چلتے ہیں۔ دونوں ڈاکٹرو
گاڑی قلعے کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے گاڑی ایک طرف دیوار
ساتھ کھڑی کی اور قلعے کے زینے کی طرف بڑھے۔ ڈاکٹر پرویز کے ہاتھ میں ٹارچ
جس کی روشنی میں وہ راستہ دیکھ رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر پرویز ٹھٹک گیا۔ اس کی ٹارچ
روشنی زمین پر ایک جگہ پڑتے ہوئے رک گئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے اپنے ساتھی ڈاک
سے کہا۔ "دارا! یہ دیکھو۔ یہ کس جانور کی لاش ہے؟"

ڈاکٹر دارا نے جھک کر زمین پر وہ جگہ دیکھی جس پر ٹارچ کی روشنی پڑ رہ
تھی۔ اس نے اس چیز کو پہچان لیا۔ خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ا
نے ڈاکٹر پرویز سے کہا۔ "ڈاکٹر یہ بلی کے آدھے جسم کا ٹکڑا ہے۔"

اب ڈاکٹر پرویز نے بھی جھک کر دیکھا۔ یہ بلی کا نچلا آدھا دھڑ تھا۔ ڈاکٹر پرو
نے فوراً دوسری طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اسے دوسری طرف تین چار قدمو
کے فاصلے پر بلی کا اوپر والا حصہ بھی مل گیا۔ بلی کا سر زمین پر زور سے لگنے سے پاش
پاش ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کے منہ سے بے اختیار گھبرائی ہوئی آواز میں نکلا۔ "کوئی
خوفناک بات ہو گئی ہے۔ اوپر آؤ۔"

دونوں دوڑ کر زینہ چڑھ کر قلعے کی چھت پر آئے اور ڈاکٹر پرویز نے سٹریچر
روشنی ڈالی تو سٹریچر خالی پڑا تھا۔ لاش کو چمڑے کے جس پٹے اور زنجیروں سے باندھا
گیا تھا وہ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کے چہرے خوفزدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر
پرویز بولا۔ "ڈاکٹر دارا! لاش زندہ ہو کر زنجیریں توڑ کر فرار ہو گئی ہے۔"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "یا اللہ خیر! اب کیا ہو گا؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں اسے ریموٹ کے ذریعے واپس بلاتا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے اوور کوٹ کی جیب میں سے جلدی سے ریموٹ کنٹرول نکالا اور اس کے ایک بٹن کو دبایا۔ ریموٹ کنٹرول پر سرخ روشنی نہ ہوئی۔ ڈاکٹر نے دوسرے اور پھر تیسرے بٹن کو دبایا لیکن کسی بٹن کے دبانے پر بھی ریموٹ پر سرخ روشنی کا ننھا سا نقطہ نہ چمکا۔ اس نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ "دارا! لاش آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ڈاکٹر دارا نے پوچھا۔ "ہم نے تو لاش کی کمر اور دماغ میں دو کمپیوٹر آلے نصب کئے تھے۔"

ڈاکٹر پرویز بار بار ریموٹ کنٹرول کے بٹن دبا رہا تھا مگر ریموٹ کا ننھا سا نقطہ بجھے کا بجھا ہوا ہی تھا۔ اس نے سر پکڑ لیا۔ "ڈاکٹر دارا! معلوم ہوتا ہے آسمانی بجلی ضرورت سے زیادہ لاش کے جسم میں بھر گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی کمر اور دماغ میں لگائے ہوئے کمپیوٹر کے دونوں آلات کے فیوز اڑ گئے ہیں۔"

"میرے خدا! یہ تو بہت برا ہوا' اب کیا ہو گا؟ لاش میں تو بے انتہا طاقت آ گئی ہو گی۔"

ڈاکٹر دارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ بلی کے جسم کے دونوں ٹکڑوں سے ظاہر ہو گیا ہے کہ آسمانی بجلی نے لاش کے جسم میں بے پناہ طاقت سرایت کر دی ہے۔ اس نے ہاتھ کے ہلکے سے جھٹکے سے بلی کے درمیان سے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔"

"اب کیا کریں۔ خدا کے لیے کسی طریقے سے لاش کو کنٹرول میں کرو نہیں تو خدا جانے یہ شہر میں کتنی تباہی مچا دے گی۔ وہ تو انسانوں کو ہلاک کرنا شروع کر دے گی۔"

ڈاکٹر پرویز فکر مند آواز میں بولا۔ "میرا خیال ہے لاش ایسا نہیں کرے گی۔ اس کا دماغ اسے کنٹرول کر رہا ہے۔ دماغ ہی نے اسے کہا تھا کہ اس بلی کے دو

ٹکڑے کر دو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ انسانوں کے معاملے میں لاش کا دماغ اسے ا
قسم کا ہلاکت خیز حکم نہیں دے گا کیونکہ لاش کے سر میں دنیا کے سب سے بڑ
سائنس دان کا دماغ لگایا گیا ہے جو ایک عقلمند اور نیک انسان تھا۔ لاش پر ضرور
نے حملہ کیا ہوگا جس سے گھبرا کر لاش نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ انسانوں
ساتھ لاش ایسا نہیں کرے گی۔"

دارا بولا۔ "لیکن ڈاکٹر لاش کو کنٹرول کرنا ازحد ضروری ہے۔ خدا کے
اسے قابو میں کرنے کا کوئی طریقہ سوچو۔"

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ لاش جہاں کہ
نظر آئے اس پر ٹرانکولائزر گن سے فائر کر کے اس کو بے ہوش کر دیا جائے۔ پھر
اسے اٹھا کر لیبارٹری میں لائیں اور یہاں اس کی کمر اور دماغ کے کمپیوٹر چپس
فیوز کی نئی تار پلانٹ کر دیں۔ صرف اسی صورت میں لاش دوبارہ ہمارے کنٹرول
آسکتی ہے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "لیکن ہم لاش کو کہاں تلاش کریں گے وہ تو خدا جا
اس وقت تک کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہوگی۔ طوفان کو تھمے کافی دیر ہو گئی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "آؤ لاش کو تلاش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ قلعے
آس پاس کہیں مل جائے۔ ابھی رات کا کافی اندھیرا باقی ہے۔"

دونوں ڈاکٹر آسیبی قلعے سے نکل کر کار میں بیٹھے اور قلعے کے قریب سے
سڑک دریا کی طرف جاتی تھی اس پر روانہ ہو گئے۔ وہ کار آہستہ چلا رہے تھے اور
کی دونوں جانب ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھتے بھی جا رہے تھے۔ کار کی بتیاں
روشن تھیں مگر اس کی روشنی میں سڑک دور تک خالی پڑی تھی۔ وہ صبح ہونے تک
مفرور لاش کو قلعے کے اردگرد کی سڑکوں پر تلاش کرتے رہے لیکن لاش انہیں کہیں
نہ ملی۔ تھک ہار کر ڈاکٹر پرویز نے کار ایک جگہ روک لی اور کہنے لگا۔ "ڈاکٹر دارا
اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم یا تو دن کی روشنی میں لاش کو تلاش

کریں اور یا پھر لاش اگر کوئی واردات کرتی ہے تو اس کی واردات کا انتظار کریں۔
کیونکہ اگر لاش نے کسی انسان یا کسی جانور کو ہلاک کیا تو یہ خبر کسی نہ کسی طرح شہر
میں پھیل جائے گی۔ پھر ہم جائے واردات پر پہنچ کر لاش کا سراغ لگانے کی کوشش
کریں گے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "لیکن قلعے کے قریب قریب بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا
ہوا ہے۔ دن کی روشنی میں ہم یہاں آ کر لاش کے قدموں کے نشان دیکھ سکتے
ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے۔ ہم صبح ہونے کے بعد آئیں گے۔"

دونوں واپس آ گئے۔ ڈاکٹر دارا کو ہوسٹل میں چھوڑ کر ڈاکٹر پرویز اپنے مکان پر
آ گیا۔ لاش کے فرار ہونے کی وجہ سے اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ بہرحال وہ بستر پر
لحاف کے اندر گھس گیا اور اسے نیند آ گئی۔ ایک گھنٹہ سویا ہوگا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی
بجنے لگی۔ اس کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "کون بول رہا
ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پرویز تم بول رہے ہو؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ہاں بھائی میں ڈاکٹر پرویز بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ارے میں تمہارا انکل لندن سے بول رہا
ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "السلام علیکم انکل' کیا حال ہے آپ کا؟"

دوسری طرف سے انکل نے کہا۔ "بھائی میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ بتاؤ کہ
تمہاری چچی کہاں ہیں۔ میں نے دو بار گھر پر فون کیا وہاں سے کسی نے ریسیور نہیں
اٹھایا کیا یہ لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "انکل' چچی اور ہماری ساری فیملی ایک شادی پر کراچی
گئے ہوئے ہیں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے دے دیجئے۔ میں انہیں پہنچا دوں گا۔"

دوسری طرف سے انکل نے کہا۔ "بھائی صرف خیر خیریت ہی دریافت کرنی تھی۔ وہ آئیں تو انہیں کہنا کہ اتنی دیر نہ لگایا کریں اور کم از کم مہینے میں ایک بار اپنی خیریت کا فون کر دیا کریں اور اپنی چچی سے کہنا کہ وہ آتے ہی مجھے فون کریں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں یہ پیغام چچی جان کو پہنچا دوں گا۔"

دوسری طرف سے انکل کی آواز آئی۔ "تم سناؤ ہسپتال میں ہاؤس جاب ہو رہا ہے؟"

"ہاں انکل' یہ جاب تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

دوسری طرف سے انکل نے کہا۔ "ارے بھائی تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانی تھی۔"

"وہ کیا انکل؟" ڈاکٹر پرویز نے دلچسپی سے پوچھا۔

دوسری جانب سے انکل نے کہا۔ "یہاں لندن کے اخباروں میں تمہارے جانے کے بعد ایک بڑی دلچسپ خبر چھپی ہے۔ تم چونکہ ڈاکٹر ہو اس لئے تمہیں سنا رہا ہوں۔ تم نے لندن کا میڈیکل عجائب گھر تو ضرور دیکھا ہو گا۔"

"ہاں انکل اِس دفعہ دیکھ کر آیا تھا۔" ڈاکٹر پرویز نے جواب دیا۔

دوسری طرف سے انکل نے کہا۔ "تمہیں یاد ہو گا کہ لندن کے اس میڈیکل عجائب گھر میں دو دماغ رکھے ہوئے تھے۔"

ڈاکٹر پرویز ایک دم چونک اٹھا کہ خدا جانے انکل آگے کیا سنانے والا ہے۔ اس نے کہا۔ "ہاں انکل' مجھے معلوم ہے۔ ان میں سے ایک دماغ دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا ہے اور دوسرا دنیا کے سب سے بڑے جرائم پیشہ قاتل کا ہے۔"

انکل نے کہا۔ "بالکل بالکل تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ ہوا یہ ہے کہ ان دماغوں میں سے دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ کوئی چور چوری کر کے لے گیا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز کو جیسے ایک دم بجلی کا کرنٹ لگا۔ وہ بستر میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ اس کا انکل ٹیلی فون پر کہہ رہا تھا۔ "اس خبر کو ٹیلی ویژن پر بھی نشر کیا گیا۔

لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سنا۔ اس پر انگریزی اخباروں نے مزاحیہ کالم بھی لکھے ہیں۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ چور کو دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ چرانے کی کیا ضرورت تھی؟ اچھا میاں اب میں فون بند کرتا ہوں۔ تمہاری چچی کراچی سے واپس آئے تو اسے کہنا مجھے فون کر لے۔"

"ٹھیک ہے انکل!" یہ تین لفظ ڈاکٹر پرویز نے ایسے بولے جیسے وہ خواب میں بول رہا ہوں۔ دہشت کے مارے اس کا حلق خشک ہو کر کڑوا ہو گیا تھا۔ یہ ایک بڑا ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ ڈاکٹر پرویز نے اپنے بنائے ہوئے انسان کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ فٹ کر دیا تھا۔ جسے وہ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ سمجھ رہا تھا وہ اصل میں دنیا کے سب سے بڑے جرائم پیشہ قاتل کا دماغ تھا۔ اب اسے یاد آگیا کہ جب وہ دونوں دماغوں کے مرتبان کی طرف بڑھا تھا تو بجلی چلی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ دونوں مرتبانوں سے ٹکرا گیا تھا اور مرتبان نیچے قالین پر گر پڑے تھے' جلدی اور گھبراہٹ میں اس نے دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کا دماغ اٹھانے کی بجائے اس نے دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا تھا۔ یہ سوچ کر ڈاکٹر پرویز کا دل بیٹھنے لگا کہ اس نے لاش کے سر میں دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ فٹ کر دیا ہے اور لاش زندہ ہو کر قلعے سے فرار ہو گئی ہے اور اب خدا جانے وہ شہر میں کس کس کو قتل کرتی پھرے گی۔ اس نے اسی وقت ڈاکٹر دارا کو فون کیا اور کہا۔ "ڈاکٹر دارا! ہم سے ایک بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے۔"

ڈاکٹر دارا نے پوچھا۔ "میں تمہاری بات نہیں سمجھا' تم کس جرم کی بات کر رہے ہو؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "تمہیں یاد ہے ہم دونوں لندن کے میڈیکل عجائب گھر سے دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ اٹھانے گئے تھے؟"

"ہاں یاد ہے۔" ڈاکٹر دارا کی آواز آئی۔

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اور تمہیں یہ بھی یاد ہے کہ میں نے تمہیں بتایا تھا
جب میں دماغوں کے مرتبان والے کاؤنٹر کی طرف بڑھا تھا تو اچانک بجلی فیل ہو
گئی تھی اور میں اندھیرے میں کاؤنٹر سے ٹکرا گیا تھا اور کاؤنٹر پر رکھے ہوئے دو
دماغوں کے مرتبان نیچے گر پڑے تھے اور میں نے گھبرا کر اپنی طرف سے ہاتھ بڑھا کر
ایک دماغ اٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا تھا؟"

"ہاں تم نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد مجھے بتایا تھا۔" ڈاکٹر دارا نے اس کی
کرتے ہوئے کہا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "بتاتا ہوں' ابھی بتاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ وہ دماغ جو
نے قالین پر سے اٹھا کر تھیلے میں ڈالا تھا' وہ دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان
دماغ نہیں تھا۔ سائنس دان کا دماغ وہیں رہ گیا تھا اور میں غلطی سے اندھیرے
دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ اٹھا کر لے آیا تھا۔"

ڈاکٹر دارا کی آواز آئی۔ "یہ سب کچھ تجھے کیسے معلوم ہوا ہے؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے لندن سے انکل کا فون آیا
وہ چچی جان کا پوچھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی طرف سے اسے بڑی مزیدار خبر
کر مجھے بتایا کہ لندن کے اخباروں میں ایک خبر چھپی ہے اور ٹیلی ویژن کے
چینلوں پر بھی نشر ہوئی ہے کہ کسی نے لندن کے میڈیکل عجائب گھر میں سے دنیا
سب سے بڑے قاتل کا دماغ چرا لیا ہے اور پولیس چور کی تلاش میں ہے۔"

ڈاکٹر دارا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہم نے لاش
کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ لگا دیا ہے؟"

"بالکل ہم نے یہی کیا ہے۔" ڈاکٹر پرویز نے کہا۔

ڈاکٹر دارا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "او مائی گاڈ۔ اب کیا ہو گا؟ لاش
ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "تم ہوسٹل میں ہی رہنا۔ میں سخت پریشان ہوں اس خبر نے

مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔"

اور ڈاکٹر پرویز نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

ڈاکٹر پرویز نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے بدلے اور گاڑی لے کر
سیدھا ڈاکٹر دارا کے پاس اس کے ہوسٹل پہنچ گیا۔ دارا برآمدے میں بے چینی میں
ٹہلتے ہوئے پرویز کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے پرویز کو آتے دیکھا اس کی
طرف بڑھا اور تشویش کے ساتھ بولا۔ "پرویز! یہ ہم نے کیا کر دیا ہے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ بس غلطی جو ہونی تھی ہو گئی۔" ڈاکٹر پرویز نے کہا
اور دارا کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گیا۔

ڈاکٹر دارا نے کرسی پر بے دلی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ
قدرت نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے۔ اب یہ لاش دنیا کے سب سے
بڑے قاتل کے دماغ کے اشارے پر جس جس کو ہلاک کرے گی اس کا گناہ ہمیں ملے
گا اور اس کا حساب کتاب بھی حشر کے دن ہمیں دینا پڑے گا۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "یار ان باتوں کا اس وقت ذکر نہ کرو۔ میرے ساتھ آؤ کسی
طرح لاش کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

دارا نے کہا۔ "کیا تم نے بے ہوش کرنے والی ٹرانکو لائزر گن ہسپتال سے
لے لی ہے؟"

"مجھے یاد نہیں رہا۔ چلو پہلے ہسپتال چل کر یہ گن لیتے ہیں۔"

دونوں ہوسٹل سے نکل کر سیدھے ہسپتال پہنچے۔ ہسپتال کے ساتھ ہی میڈیکل
کالج کی لیبارٹری تھی۔ وہاں جا کر انہوں نے ایک بے ہوشی کی دوائی والا انجکشن اور
اس کو فائر کرنے والی پستول اٹھا کر جیب میں رکھ لی۔ اس پستول سے فائر کر کے چڑیا
گھر کے جانوروں کے جسم میں انجکشن والی گولی پیوست کر دی جاتی ہے۔ گولی ربڑ کی
ہوتی ہے اس کے آگے انجکشن کی سرنج لگی ہوئی ہوتی ہے۔ انجکشن کی سرنج جیسے
ہی شیر یا کسی دوسرے درندے کے جسم میں داخل ہوتی ہے' بے ہوشی کی دوائی

درندے کے جسم میں سرایت کر جاتی ہے اور درندہ ایک دو سیکنڈ کے بعد بے
ہو کر گر پڑتا ہے اور پھر درندے کے ساتھ جو علاج معالجہ کرنا ہوتا ہے شروع کر
جاتا ہے۔ اس انجکشن کی بے ہوشی کا اثر آدھے گھنٹے سے دس گھنٹے تک رہتا ہے
ڈاکٹر پرویز نے کالج کی لیبارٹری سے ایسا انجکشن لیا تھا جس کی بے ہوشی کی دوائی کا
درندے یا کسی بھی انسان کے جسم میں داخل ہونے کے بعد دس گھنٹے تک رہتا ہے

وہ سیدھا قلعے کے دروازے پر جا کر رکے۔ گاڑی سے باہر نکل کر وہ دو
زمین پر لاش کے ننگے پاؤں کے نشان دیکھنے لگے۔ قلعے کے گیٹ کے سامنے کافی
تھا۔ دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں انہیں ایک جگہ کسی انسان
ننگے پاؤں کے نشان نظر آئے۔ یہ کافی اونچے لمبے آدمی کے پاؤں کے نشان لگتے تھے
کافی بڑا پاؤں تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہی لاش کے پاؤں کے نشان ہیں۔"

"خدا کے لیے دیکھو یہ لاش کس طرف کو گئی ہے؟"

ڈاکٹر دارا نے اتنا کہا اور ڈاکٹر پرویز کے ساتھ لاش کے پاؤں کے نشانوں کا
لیتے آہستہ آہستہ اس طرف چل پڑا جس طرف لاش کے پاؤں کے نشان جا ر
تھے۔ رات کی بارش کے باعث کچی زمین پر کیچڑ تھا جہاں لاش کے پاؤں کے نش
صاف نظر آ رہے تھے۔ لیکن کچھ دور آگے جا کر جہاں پکی سڑک شروع ہوتی
وہاں لاش کے پاؤں کے نشان غائب ہو گئے۔ صرف چند قدموں تک پاؤں کے
سے نشان ایک طرف جاتے نظر آئے اس کے بعد سڑک پر کوئی نشان دکھائی نہیں
تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "لاش کے پاؤں کا رخ مشرق کی طرف ہے۔ وہ یقیناً دریا
طرف گئی ہے۔ چلو دریا کی طرف جا کر دیکھتے ہیں۔"

واپس جا کر وہ گاڑی میں بیٹھے اور سڑک پر آ کر گاڑی کا رخ دریا کی طرف
دیا۔ دن کی روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی۔ کسی
وقت پیچھے سے یا آگے سے کوئی گاڑی یا سکوٹر وغیرہ آ کر گزر جاتا تھا۔ دائیں بائیں
کھیت تھے جن میں فصل کافی اونچی تھی۔ سات فٹی لاش اگر کھیتوں میں بیٹھی

ہوتی تو انہیں نظر آ سکتی تھی مگر کھیتوں میں کہیں لاش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
آگے دریا کا کنارا آ گیا' یہاں ایک پل بھی تھا جس پر ٹریفک جا رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز
اور ڈاکٹر دارا جس سڑک پر سے آئے تھے وہ قلعے کی طرف جاتی تھی اور ذیلی سڑک
تھی۔ جبکہ دریا کے پل والی سڑک شہر کی طرف سے آتی تھی اور دوسری طرف شہر
کی نئی کالونیوں اور ریلوے سٹیشن کی طرف چلی گئی تھی۔ یہاں پل پر کافی ٹریفک
تھی۔

انہوں نے کار پل کے قریب ایک طرف کر کے کھڑی کر دی اور تیز نظروں
سے دریا کے پل' پل کے نیچے کے بڑے بڑے ستونوں اور دریا کے کنارے پر سیر
کرتے لوگوں کو تکنے لگے۔ ان میں بھی لاش کوئی نہیں تھی۔ ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔
"مجھے ڈر ہے کہ لاش نے کسی جگہ قتل کی کوئی واردات نہ کر دی ہو۔ وہ دنیا کے
سب سے بڑے جرائم پیشہ قاتل کے دماغ والی لاش ہے۔ اس کا دماغ اس سے جو
چاہے کروا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر دارا بھی لاش کی گمشدگی کی وجہ سے بہت پریشان تھا اور دل میں بار بار
اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا' کہنے لگا۔ "تو پھر کیا کیا جائے؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں نے آج کے اخبار بھی دیکھے ہیں کہ کسی میں زندہ
لاش کی واردات کی کوئی خبر نہ چھپی ہو مگر کسی اخبار میں ایسی کوئی خبر نہیں تھی۔"

ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "میں نے تمہیں پہلے دن ہی منع کیا تھا کہ ایسا کام نہ کرو
جس سے خدا ناراض ہو جائے مگر تم نے میری نہیں سنی۔ اب ہم پھنس گئے ہیں۔
کچھ پتہ نہیں زندہ لاش کیا کرتی ہے۔ ہم یہی کر سکتے ہیں کہ احمقوں کی طرح زندہ
لاش کو شہر میں تلاش کرتے پھریں۔"

ڈاکٹر پرویز نے جھنجلا کر کہا۔ "یار تم مجھے نصیحتیں مت کیا کرو۔ جو ہونا تھا وہ ہو
گیا ہے۔ اب ہمیں ہر حالت میں زندہ لاش کو تلاش کر کے اسے کسی طرح آسیبی
محل میں لے جانا ہے۔ جہاں اس کا آپریشن کر کے اس کے اندر پلانٹ کئے ہوئے

آلات کو درست کرنا ہے تاکہ لاش ہمارے کنٹرول میں آجائے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "خدا کا خوف کرو۔ میں ایک بار پھر تمہیں کہوں گا کہ ی ہی لاش کہیں نظر آئے اسے وہیں ختم کر دو۔ اس کی گردن اتار کر پھینک دو۔ ہماری بھی جان چھوٹے اور بنی نوع انسان کا بھی بھلا ہو۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک بار لاش ہمار کنٹرول میں آگئی تو ہم اس سے بنی نوع انسان کی بھلائی کے کام لیں گے۔ وہ ہمار اشاروں پر چلے گی اور کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"

ڈاکٹر پرویز کی یہ سب زبانی باتیں تھیں۔ اس کے دل میں کچھ اور تھا۔ وہ لاش کو کنٹرول میں کر کے اس سے اپنے دشمنوں کو قتل کروانا چاہتا تھا اور بینکوں اس کی مدد سے ڈاکے ڈلوا کر کروڑ پتی بننا چاہتا تھا مگر قدرت کچھ اور ہی سوچ ر تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆

تین دن تک دونوں ڈاکٹر شہر میں لاش کو تلاش کرتے رہے۔

انہوں نے شہر اور شہر کے باہر ہر جگہ لاش کو تلاش کیا مگر کسی جگہ لاش کا کوئی اغ نہ ملا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے لاش کو زمین کھا گئی ہے لیکن لاش اسی شہر میں تھی ایک ایسی جگہ چھپی ہوئی تھی جہاں ڈاکٹر پرویز اور دارا کا خیال بھی نہیں جا سکتا یہ وہی آسیبی قلعہ تھا جہاں ان ڈاکٹروں نے لاش کے اعضاء جوڑ کر اس میں انی بجلی کی رو دوڑائی تھی۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کو خیال نہیں آیا تھا کہ وہ بھی قلعے میں جا کر لاش کو تلاش کریں۔

زندہ لاش آسیبی قلعے کے ویران تہہ خانے میں جو گہرا گڑھا تھا اس میں بیٹھی تھی اور بالکل سامنے دیکھ رہی تھی۔ لاش سوچ نہیں سکتی تھی۔ اس کی شت بھی بہت معمولی سا کام کر رہی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اس کو مختلف لاشوں کے جسموں کے ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ رات کے ہرے میں اس نے کچھ انسانوں کی دھندلی دھندلی شکلیں دیکھی تھیں جو اس کی وں کے سامنے آ کر ساکت ہو گئی تھیں۔ ان میں اس مردے کا ہیولا تھا جس کی ںا اس لاش کو لگائی گئی تھیں۔ اس مردے کا ہیولا بھی تھا جس کا سر کاٹ کر اسے یا تھا۔ اسی طرح اس مردے کا ہیولا بھی تھا جس کے بازو کاٹ کر اسے لگائے گئے

تھے۔ یہ غیرانسانی ہیولے زندہ لاش کو خوفزدہ کر رہے تھے۔ اس کے دل کی حرکت کرنا چاہتے تھے مگر لاش پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ یہ ہیولے کون ہیں اور اس کے سامنے کیوں بار بار آ کر اسے ڈرا رہے ہیں۔

دو تین بار زندہ لاش کو غصہ بھی آیا اور اس کے حلق سے غراہٹ کی خوفناک سی نکلی جس کے بعد مردوں کے ہیولے غائب ہو گئے۔

زندہ لاش بالکل پتھر کی طرح ساکت پڑی تھی۔ اسے نہ بھوک کا احساس اور نہ اسے پیاس لگ رہی تھی' نہ اسے سردی لگتی تھی اور نہ گرمی کا احساس بس وہ ایک زندہ پتھر کی طرح تھی اور بے جان ساکت آنکھوں سے بالکل سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ایک سانپ کہیں سے نکل کر آ گیا۔ اس نے لاش کو ڈس دیا۔ لاش نے سانپ کو دیکھا۔ لاش غرائی اور دوسرے لمحے لاش سانپ کو پکڑ کر اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔ کسی طرف سے پھر ایک بلی نکل گئی۔ بلی نے گڑھے میں جھانک کر دیکھا۔ جیسے ہی بلی کی نگاہ زندہ لاش پر پڑی مار کر وہاں سے بھاگ گئی۔ لاش نے منہ اٹھا کر بھی بلی کو نہ دیکھا۔

دو دن اور تین راتیں لاش آسیبی قلعے کے تہہ خانے والے گڑھے میں بے مورتی کی طرح پڑی رہی۔ چوتھے روز رات کے وقت اچانک لاش نے خرخراہٹ والا سانس لیا اور گڑھے سے باہر نکل آئی۔ لاش کے سارے جسم ہسپتال کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جو مٹی لگنے سے میلی ہو رہی تھیں۔ لاش خانے میں سے نکل کر قلعے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ چھت گئی۔ چھت پر بڑی سردی پڑ رہی تھی مگر لاش کو سردی کا ذرا سا بھی احساس نہیں رہا تھا۔ لاش آہستہ آہستہ کسی روبوٹ کی طرح چلتی چھت کے وسط میں اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی جس پر اسے باندھ کر اس کے جسم سے آسمانی بجلی گزاری گئی تھی۔ لاش ایک دو منٹ تک مسلسل سٹریچر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی' کسی وقت اس کے حلق سے غراہٹ کی آواز نکلنے لگتی تھی۔ پھر اچانک لاش زور

غرائی اور اس نے سٹریچر کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا لیا۔ لاش میں اس قدر طاقت تھی کہ اسٹریچر جسے چھت کے فرش کے ساتھ لوہے کے موٹے موٹے کلمپ لگا کر جوڑا گیا تھا ایک جھٹکے سے لوہے کے کلمپ ٹوٹ کر دور جا پڑے۔

لاش نے سٹریچر کو دونوں ہاتھوں سے سر سے اوپر اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ چل کر چھت کے کنارے پر آ گئی۔ پھر زور سے سٹریچر کو دوسری طرف گہری کھائی میں پھینک دیا۔ اس کے بعد لاش دو منٹ تک جھک کر گہری کھائی میں دیکھتی رہی۔ پھر غراتی ہوئی چھت سے نیچے اتر آئی۔ سرد رات بڑی تاریک تھی' اوس گر رہی تھی۔ سارا شہر سردی میں ٹھٹھر رہا تھا۔ سڑکیں' گلیاں اور بازار سنسان تھے۔ لوگ لحافوں میں دبک کر گہری نیند کے مزے لے رہے تھے۔ زندہ لاش آسیبی قلعے سے باہر نکل آئی اور دریا کی طرف چل پڑی۔ وہ درختوں کے نیچے نیچے چلی جا رہی تھی۔ سڑک دور تک خالی پڑی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس وقت کوئی گاڑی یا سکوٹر وغیرہ بھی نہیں گزر رہا تھا۔ لاش چلتے چلتے جہاں سڑک موڑ مڑتی تھی وہاں پہنچی تو اچانک پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ ”کون ہو تم؟“

یہ پولیس کا ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا جو دریا کے پل پر سے اتر کر اس طرف اسے دیکھنے بھالنے آ گیا تھا۔ اس کی موت اسے دریا کے پل سے کھینچ کر اس طرف لے آئی تھی۔

جیسے ہی کانسٹیبل نے لاش کو آواز دی۔ لاش نے مڑ کر دیکھا اور درختوں کے اندھیرے میں سے نکل کر کانسٹیبل کے سامنے آ گئی۔ کانسٹیبل نے اپنے سامنے ایک سات فٹ کے آدمی کو دیکھا جس کے سارے جسم پر ہسپتال کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ پہلے تو وہ ڈر گیا' پھر اس نے سوچا کہ شاید کوئی مریض ہے جو ہسپتال سے بھاگ کر آ گیا ہے۔ رات کے نیم اندھیرے میں اسے لاش دھندلی سی نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ڈانگ تھی۔ کانسٹیبل نے بڑے رعب سے پوچھا۔ ”کیوں اوئے' تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟“

لاش بالکل بے حس و حرکت کھڑی کانسٹیبل کو گھورتی رہی۔ کانسٹیبل نے ڈانگ سے لاش کو ہلایا۔ "اوئے تو بولتا کیوں نہیں؟"

اچانک لاش کے حلق سے غراہٹ کی آواز نکلی اور اس نے کانسٹیبل کی ڈانگ پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے اس کے چار ٹکڑے کر دیئے اور کانسٹیبل کو ایک ہاتھ سے گردن سے پکڑ کر اوپر کو اچھالا اور اتنی زور سے زمین پر الٹا کر کے پٹخا کہ کانسٹیبل کا دماغ کھوپڑی میں سے نکل کر سڑک پر بکھر گیا۔

لاش آہستہ سے گھومی اور دریا کے پل کی طرف چل پڑی۔ اس وقت دریا کے پل پر دو سپاہی کھڑے سگریٹ پی رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "ہیڈ کانسٹیبل صاحب اس طرف گئے تھے' ابھی تک واپس نہیں آئے' چلو چل کر دیکھتے ہیں۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔ "سردی بہت ہے۔ ابھی آ جائیں گے' یہیں گرم ہو کر کھڑے رہو۔"

پھر اس نے کہا۔ "وہ آ گئے ہیڈ کانسٹیبل صاحب!"

اندھیرے میں اس نے جس انسانی سائے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر یہ جملہ کہا تھا وہ ہیڈ کانسٹیبل نہیں تھا بلکہ زندہ لاش تھی۔ جب لاش قریب آئی تو دونوں سپاہی ذرا چونکے۔ پہلے سپاہی نے کہا۔ "یہ تو ہیڈ کانسٹیبل صاحب نہیں ہیں' یہ کون ہے؟"

دوسرے سپاہی نے کہا۔ "اونچا لمبا آدمی ہے۔ مجھے تو کوئی ڈاکو لگتا ہے۔"

لاش ان کی طرف برابر بڑھ رہی تھی۔ لاش کو ان سپاہیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جب وہ ان کے قریب سے ہو کر گزرنے لگی تو ایک سپاہی نے کہا "کون ہے تو اوئے' کہاں سے آ رہا ہے؟"

تب لاش چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے پورے جسم کو موڑ کر سپاہیوں کی طرف منہ کر لیا اور سپاہیوں کو گھورنے لگی۔ سپاہی کچھ ڈر بھی گئے تھے کہ یہ کیا بلا ہے جس کے سارے جسم پر پٹیاں ہی پٹیاں لپٹی ہوئی ہیں مگر آخر پولیس والے تھے

رعب دار آواز میں ایک سپاہی نے لاش کو گالی دے کر کہا۔ "اوئے تو بولتا کیوں نہیں؟"

اس کے ساتھ لاش کو اپنے بید کے ڈنڈے سے دھکا دیا۔ لاش پر دھکے کا کیا اثر ہو سکتا تھا لیکن لاش کا دماغ پھر گیا۔ اس کے حلق سے غراہٹ کی آواز بلند ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے دونوں سپاہیوں کی گردنیں پکڑ کر دبائیں اور انہیں زمین سے تین چار فٹ اوپر اٹھا لیا۔ سپاہیوں کی گردنیں جیسے لوہے کے شکنجے میں آ گئی تھیں۔ ان کا دم گھٹنے لگا۔ انہوں نے ہاتھوں سے لاش کے ہاتھ کو ہٹا کر اس کے شکنجے سے نکلنے کی بہت کوشش کی مگر لاش کے ہاتھوں کے شکنجے اور سخت ہوتے گئے یہاں تک کہ دونوں سپاہیوں کی آنکھوں کے ڈیلے باہر آ گئے اور وہ تڑپنے لگے۔ لاش نے دونوں سپاہیوں کو زور سے اوپر اچھالا اور پھر انہیں طاقت سے سر کے رخ سڑک پر پٹخ دیا۔ دونوں سپاہیوں کی کھوپڑیاں کھل گئیں اور دماغ باہر نکل کر بکھر گئے۔

لاش نے سپاہیوں کی لاشوں کو وہیں چھوڑا اور دریا کی طرف چل پڑی اور آہستہ آہستہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتی اندھیرے میں گم ہو گئی۔

دوسرے دن شہر کے سارے اخباروں میں یہ المناک خبر چھپی کہ دریا کے پل کے قریب دو سپاہیوں اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کی لاشیں ملی ہیں جنہیں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ تینوں لاشوں کے فوٹو بھی اخباروں میں خبر کے ساتھ ہی چھپے تھے اور لکھا تھا کہ زمین پر قاتل کے ننگے پیروں کے نشان پولیس کو ملے ہیں اور قاتل کی تلاش پورے زور و شور سے جاری ہے۔ ڈاکٹر پرویز اور دارا نے بھی یہ خبر پڑھی۔ خبر کے آخر میں لکھا تھا کہ قاتل کے پاؤں کے جو نشان ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل ننگے پاؤں تھا اور اس کے پاؤں کم از کم ایک فٹ لمبے اور دس انچ چوڑے ہیں۔ ڈاکٹر پرویز نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

"دارا! یہ ہماری زندہ لاش کے سوا اور کسی کے پاؤں کے نشان نہیں ہو سکتے۔"

دارا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "میرے خدا! دنیا کے سب سے بڑے قاتل کے دماغ والی لاش نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اب کیا ہو گا؟؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "تم بیکار کی باتیں بہت کرتے ہیں۔ چلو چل کر موقع واردات کا معائنہ کرنے میں لاش کے پاؤں کے نشانوں سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ لاش کس طرف گئی ہے۔"

دونوں گاڑی میں بیٹھ کر دریا کے کنارے آ گئے۔ وہاں پولیس کا پہرہ لگا تھا اور جہاں سے لاشیں ملی تھیں اور جہاں قاتل یعنی لاش کے پاؤں کے نشان پائے گئے تھے پولیس اس طرف کسی آدمی کو جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے سپاہیوں کو اپنا ڈاکٹروں والا شناختی کارڈ دکھایا اور کہا۔ "ہمارا تعلق پوسٹ مارٹم سے ہے اور ہم اپنے طور پر لاش کے پیروں کے نشان دیکھنا چاہتے ہیں کہ اتنے لمبے پاؤں کسی انسان کے نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے یہ کوئی درندہ ہو۔"

دو سپاہیوں نے اپنی نگرانی میں ڈاکٹروں کو قاتل یعنی زندہ لاش کے پاؤں کے نشان دکھائے جو کچی زمین پر بڑے واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ پرویز اور دارا نے فوراً پہچان لیا کہ یہ ان کی بنائی ہوئی زندہ لاش کے ہی نشان ہو سکتے ہیں۔ دونوں لاش کے پاؤں کے نشان دیکھتے آگے چل پڑے۔ پاؤں کے نشان دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ دور تک چلے گئے تھے۔ پھر اچانک لاش کے پاؤں کے نشان غائب ہو گئے۔ انہوں نے ادھر ادھر نشانوں کو کافی تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملے۔ پرویز کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے یہاں سے لاش نے دریا میں چھلانگ لگا دی ہو گی۔"

دارا بولا۔ "اچھا ہے وہ دریا میں ڈوب گئی ہو۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "لاش کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ ہے۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں ہو سکتی کہ دریا میں ڈوب کر مر جائے۔"

ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "لیکن اسے تیرنا کہاں آتا ہو گا؟ تیرنا نہیں آتا ہو گا تو وہ دریا میں ضرور ڈوب گئی ہو گی۔"

پرویز بولا۔ "میرا نہیں خیال کہ لاش ڈوب گئی ہو گی۔ وہ ضرور تیر کر دریا کے دوسری طرف چلی گئی ہو گی۔ چلو دریا کے دوسرے کنارے پر چل کر دیکھتے ہیں۔"

دونوں واپس پل پر آ گئے۔ وہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور دریا کا پل پار کر کے دریا کے دوسرے کنارے پر اس جگہ آ گئے جہاں ان کے اندازے کے مطابق لاش نے تیر کر دریا پار کیا ہو گا۔

یہاں کنارے پر کہیں جھاڑیاں تھیں اور کہیں کچی زمین تھی۔ زمین پر لاش کے پاؤں کے نشان نہیں تھے۔ انہوں نے کافی دور تک دیکھا مگر لاش کے پاؤں کے نشان کہیں نہ ملے۔ مایوس ہو کر دونوں ڈاکٹر واپس ہسپتال آ گئے۔

اب ہم زندہ لاش کی طرف آتے ہیں۔

رات کے اندھیرے میں ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو سپاہیوں کو ہلاک کرنے کے بعد زندہ لاش دریا کے کنارے کنارے چل پڑی تھی۔ وہ کافی دور تک چلتی گئی۔ وہاں پہنچ کر جہاں سے لاش کے پاؤں کے نشان گم ہو گئے تھے لاش کو دریا میں ایک چھوٹی سی کشتی نظر آئی جو رسی کے ساتھ ایک جھاڑی سے بندھی ہوئی تھی۔ لاش کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے رسی کو توڑا اور کشتی میں بیٹھ گئی۔ کشتی دریا کے رخ پر اپنے آپ بہنے لگی۔ لاش بالکل ساکت ہو کر کشتی میں بیٹھی تھی۔ کشتی کنارے کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ ایک جگہ دریا میں ایک کٹا ہوا درخت گرا تھا۔ کشتی اس کے ساتھ لگ کر رک گئی۔ لاش کشتی سے نکل کر کنارے پر آ گئی اور کھیتوں کے درمیان شہر کی طرف چلنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ایک ویران میدان میں پہنچ گئی۔ یہاں کھڑے ہو کر اس نے منہ اونچا کیا اور جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ زندہ لاش کی ایک نئی حرکت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کی بو لینے کی کوشش کر رہی ہے۔

پھر وہ بائیں طرف کو ہو کر چل پڑی۔ لاش اب تیز تیز چل رہی تھی۔ سرد رات تاریک تھی اور کہیں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے لاش

نے جس کی بو لینی تھی اس کی بو سونگھ لی ہے۔ لاش میدان کے کنارے پہنچی تو اچانک ایک آوارہ کتا زور زور سے بھونکتا ہوا لاش کی طرف بڑھا۔ لاش چلتے چلتے رک گئی۔ لاش نے اپنے سارے جسم کو موڑ کر کتے کو دیکھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے لاش کو اندھیرے میں بھی نظر آ رہا ہے۔ کتے نے اچھل کر لاش کی پنڈلی کو منہ میں دبوچ لیا۔ لاش نے جھک کر کتے کو گردن سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد کتے کا جسم دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑا تھا۔

لاش پھر آگے چل پڑی۔ آگے ایک بڑی سڑک آ گئی۔ یہ سڑک خالی پڑی تھی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ لاش سڑک پار کر کے دوسری طرف کھیتوں میں آ گئی۔ وہ اسی طرح تیز تیز چل رہی تھی۔ کھیت ختم ہوئے تو سامنے ایک کچی سڑک تھی اور سڑک کی دوسری طرف وہی قبرستان تھا جہاں سے ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا نے مردوں کے جسم کے ٹکڑے اکٹھے کئے تھے اور انہیں جوڑ کر لاش تیار کی تھی۔ لاش کا جسم اسی قبرستان کے مردوں کے جسموں کو کاٹ کر تیار کیا گیا تھا۔ لاش خاموشی سے قبرستان میں داخل ہو گئی۔

قبرستان پر موت کی خاموشی طاری تھی۔ گھاس اور جھاڑیاں شبنم میں بھیگی ہوئی تھیں۔ سخت کہر پڑ رہا تھا۔ لاش قبروں کے قریب سے ہو کر آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پھر لاش ان تمام قبروں پر تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے رکی جن قبروں کے مردوں کے جسموں کے ٹکڑے لاش کے جسم پر لگائے گئے تھے۔ اس کے بعد لاش قبروں کے درمیان بنی ہوئی کچی کوٹھڑی کی طرف بڑھی۔ یہ قبرستان کے گورکن کی کوٹھڑی تھی۔ گورکن گرم لحاف کے اندر دبکا گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لاش کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ دروازہ بند تھا۔ لاش نے ایک لمحے کے لیے بند دروازے کو غور سے دیکھا اور پھر زور سے دروازے کو لات ماری۔ دروازہ اکھڑ کر اندر کو جا گرا۔ گورکن ہڑبڑا کر لحاف پھینک کر اٹھ بیٹھا کہ یہ کیا بھونچال آ گیا ہے۔ گورکن نے لالٹین جلانی چاہی لیکن زندہ لاش نے اسے اتنی

مہلت نہ دی۔ دوسرے لمحے گورکن کی گردن زندہ لاش کے ہاتھ کے شکنجے میں تھی اور گورکن اس کے ہاتھ میں زمین سے تین فٹ بلند ہو کر مردہ چوہے کی طرح لٹک رہا تھا۔ زندہ لاش نے گورکن کو دو تین جھٹکے دے کر زمین پر پھینک دیا۔ گورکن مر چکا تھا۔ زندہ لاش نے پاؤں گورکن کی کھوپڑی پر رکھ کر دبایا تو پچک کی آواز کے ساتھ گورکن کی کھوپڑی بھی پچک گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر لاش قبرستان کی قبروں میں ادھر ادھر بھوت کی طرح چلتی پھرتی رہی پھر اسے قبرستان کے دوسرے کنارے پر ایک پرانی قبر کے اندر بہت بڑا شگاف نظر آ گیا۔ زندہ لاش قبر کے شگاف میں گھس کر لیٹ گئی۔ کیا لاش سو رہی تھی؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لاش کی آنکھیں اسی طرح نیم وا تھیں جیسے زندہ ہونے سے پہلے تھیں مگر لاش بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔

دوسرے دن شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ شہر کے سب سے بڑے قبرستان کے پرانے گورکن کو رات کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا ہے۔ گورکن کی کوٹھڑی کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور گورکن کی لاش بہت بری حالت میں مسخ شدہ فرش پر پڑی تھی۔ خبر کے ساتھ گورکن کی تصویر بھی چھپی تھی۔ اس خبر نے ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کو اور پریشان کر دیا۔ دارا نے خبر پڑھنے کے فوراً بعد پرویز کو فون کیا اور کہا۔ "خدا کے لیے کچھ کرو پرویز! اس لاش نے شہر میں لوگوں کا بے دردی سے قتل عام شروع کر دیا ہے۔ اب ہماری خیر نہیں ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو جھڑک دیا۔ "ہماری خیر کیوں نہیں ہے؟ ہمیں کون پکڑ سکتا ہے' یہاں کسی کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ لاش ہماری بنائی ہوئی ہے جو لوگوں کو قتل کرتے پھر رہی ہے۔ ہمارے خلاف ایک ہی آدمی گواہی دے سکتا تھا اور وہ قبرستان کا گورکن تھا اور اب وہ بھی زندہ نہیں رہا۔ کیا لاش اپنی زبان سے پولیس کو بتائے گی کہ وہ مجھے فلاں فلاں ڈاکٹروں نے بنایا ہے۔ لاش کی کوئی زبان نہیں ہے۔"

ڈاکٹر دارا نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو کہ شہر میں

ہمارا ایک ہی گواہ تھا جو قتل ہو گیا ہے۔ لیکن تم بھول گئے ہو کہ لاش کا جسم زندہ ہ
کر پوری طرح سے کام کر رہا ہے۔ اس کا دماغ بھی کام کرنے لگا ہے۔ اسے یاد آگ
تھا کہ فلاں قبرستان میں فلاں گورکن نے مردوں کے مختلف اعضاء ڈاکٹروں کو مہیا ک
کے میرے جسم کو بنایا ہے۔ لاش کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے جس قاتل
دماغ فٹ کیا گیا ہے' وہ انگریز تھا۔ کوئی پتہ نہیں کہ لاش کب انگریزی میں بات کر
شروع کر دے اور جس روز اس نے انگریزی میں بات کرنی شروع کر دی سمجھ لو ک
پھانسی کا پھندا ہمارے لئے تیار کر دیا جائے گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کو جھڑک کر خاموش کرا دیا اور کہا۔ "اس فضول بک بک
کو چھوڑو اور ہسپتال آ جاؤ۔ میں قبرستان جا کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ قتل لاش
ہی نے کیا ہے یا کسی اور نے؟"

دارا کہنے لگا۔ "پہلے تین قتل کرنے کے بعد لاش نے تینوں کے سر توڑ کر دما
باہر بکھیر دیئے تھے۔ گورکن کا بھی سر تصویر میں پچکا ہوا ہے اور اس کا دماغ باہر بکھ
ہوا ہے۔ یہ کام ہماری بنائی ہوئی لاش کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر پرویز نے غصے میں کہا۔ "یار تم میرے پاس ہسپتال میں آتے ہو کہ
خود ہی قبرستان چلا جاؤں؟"

دارا نے کہا۔ "آ رہا ہوں' آ رہا ہوں۔"

اور فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ پھر ہاتھ جوڑ
آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یا خدا! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے' مجھے معاف
دینا۔ یہ سب کچھ ڈاکٹر پرویز کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں لاش بنانے پر بالکل تیار نہ
تھا' بس ڈاکٹر پرویز کے بہکاوے میں آ گیا اور اس کے ساتھ اس گناہ میں شریک
گیا۔ یا اللہ پاک! مجھے معاف کر دے' مجھے معاف کر دے۔"

ڈاکٹر دارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ جلدی سے اٹھا۔ کپڑے بد
اور گاڑی نکال کر سیدھا ہسپتال ڈاکٹر پرویز کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اس کا ہی انتظار کر

تھا۔ ڈاکٹر دارا کو دیکھ کر وہ جلدی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "گاڑی قبرستان
کی طرف لے چلو۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "اس وقت ضرور وہاں پولیس موجود ہو گی۔ ہمیں پولیس
کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہئے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "خاموش رہو اور جو میں کہتا ہوں ویسے کرو۔ قبرستان
چلو۔"

اور ڈاکٹر دارا نے گاڑی قبرستان کو جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ قبرستان میں
پولیس آئی ہوئی تھی۔ ایک سب انسپکٹر پولیس کا اور ایک کرائم برانچ کا آدمی تھا۔
سب انسپکٹر ڈاکٹر پرویز کا واقف تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو دیکھا تو کہنے لگا۔ "ڈاکٹر صاحب
آپ صبح ہی صبح قبرستان میں کیسے آ گئے؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں اپنی والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ گورکن کے
قتل کی خبر میں نے پڑھ لی تھی' آپ کو دیکھ کر ادھر آ گیا کہ معلوم کروں یہ قصہ کیا
تھا؟"

سب انسپکٹر بولا۔ "ابھی تک تو یہی خیال ہے کہ یہ پرانی دشمنی کا چکر ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اس بے چارے گورکن کی کس سے دشمنی ہو سکتی
ہے؟"

سب انسپکٹر بولا۔ "ڈاکٹر صاحب! آج کل کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون
ہے اور دشمن کون ہے۔ ویسے ہم تفتیش کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے پھر پوچھا۔ "قاتل کا کوئی سراغ وغیرہ ملا ہے کہ نہیں؟"

سب انسپکٹر نے کہا۔ "قاتل کے پاؤں کے نشان ملے ہیں۔ جو قبروں پر کچھ دور
جا کر غائب ہو گئے ہیں کیونکہ آگے گھاس اگی ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے قاتل کے
پاؤں ننگے اور ایک فٹ لمبے تھے۔ یہ وہی قاتل لگتا ہے جو دریا کے پل پر پہلے بھی
تین قتل کر چکا ہے۔ وہاں بھی قاتل کے پاؤں ننگے تھے اور یہی نشان تھے۔"

ڈاکٹر پرویز کو ثبوت مل گیا کہ گورکن کا قتل بھی ان کی بنائی ہوئی لاش نے
کیا ہے۔ ڈاکٹر پرویز یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگر قبروں کے اردگرد زندہ لاش کے
پاؤں کے نشان موجود نہیں تو وہ ضرور قبرستان میں ہی کسی جگہ چھپی ہوئی ہوگی۔ اس
نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "قاتل کے پاؤں کے نشان کس طرف جاتے ہیں۔ میں بھی
ذرا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سب انسپکٹر اس کا دوست تھا۔ وہ ڈاکٹر پرویز کے ساتھ ہو گیا اور اسے زندہ
لاش کے پیروں کے نشان دکھاتا اس جگہ پر آگیا جہاں قاتل کے پاؤں کے نشان غائب
ہو گئے تھے۔ آگے جھاڑیاں اور گھاس ہی گھاس تھی جو قبروں کے درمیان اگی ہوئی
تھی اور قبرستان کے دوسرے کنارے تک چلی گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہا۔ "یہاں
سے قاتل لگتا ہے کہ کسی سکوٹر وغیرہ پر سوار ہو کر بھاگ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس
ساتھی یہاں سکوٹر لیے کھڑا ہو۔ یہاں دیکھیں۔ یہاں تھوڑا سا ڈیزل بھی گرا ہوا
ہے۔"

ڈاکٹر پرویز اور دارا نے جھک کر دیکھا۔ وہاں موبل آئل کے تیل کا دھبہ
گھاس پر لگا ہوا تھا۔ یہ خدا جانے کل کسی وقت کوئی سکوٹر والا اپنے کسی عزیز کی قبر
فاتحہ خوانی کے لیے آیا ہوگا۔ اس نے یہاں سکوٹر کھڑا کیا ہوگا اور سکوٹر کے انجن میں
سے تیل نکل کر تھوڑا سا گھاس پر گر گیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز سب انسپکٹر سے سلام دعا
کر وہاں سے چل دیا۔ ذرا آگے جا کر اس نے دارا سے کہا۔ "لاش قبرستان میں کس
طرف سے باہر نکلی ہوگی۔ اس کے پاؤں کے نشان ایک دم کیسے غائب ہو گئے؟"

دارا بولا۔ "ایک دم اس لئے غائب ہو گئے کہ آگے گھاس اور جھاڑیاں
تھیں۔ گھاس اور جھاڑیوں پر پاؤں کے نشان نہیں پڑتے۔ ممکن ہے وہ قبرستان
دوسری طرف نکل گئی ہو۔"

"چلو قبرستان کے دوسری طرف چل کر دیکھتے ہیں۔"

وہ قبروں کے درمیان سے گزرتے قبرستان کے دوسرے دروازے سے باہر

رکھی زمین کو دیکھنے لگے۔ یہاں دوسرے آدمیوں کے جوتوں کے بہت سے
نشان تھے۔ ان میں زندہ لاش کے ننگے پاؤں کے نشان کہیں نہیں تھے۔
دارا نے کہا۔ "پرویز بھائی! یہاں ہمیں لاش کہیں نہیں ملے گی۔ ہم فضول اپنا
وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

سخت ناامیدی کے عالم میں دونوں واپس چل دیئے۔

زندہ لاش سارا دن قبرستان کی قبر کے شگاف میں چھپی رہی۔ دن کی روشنی
باہر نہ نکلی۔ اس کا دنیا کے سب سے بڑے قاتل والا دماغ تھوڑا تھوڑا کام
لگ گیا تھا۔ اس دماغ نے زندہ لاش کے مزاج کو ضرور قاتل بنا دیا تھا مگر اسے
سارے کا سارا یاد نہیں تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا اصل وطن
تھا جہاں اس نے ایک لڑکی مارگریٹ سے محبت کی تھی۔ وہ اس وقت تک
نہیں بنا تھا مگر بہت غریب تھا۔ لڑکی کے ماں باپ بہت امیر تھے۔ قاتل کا نام
ف تھا۔ والڈروف گلیوں میں اور شہر کے چوکوں میں اخبار بیچ کر اپنی روزی
۔ مارگریٹ اس کی رشتے دار لڑکی تھی مگر بڑے امیر ماں باپ کی بیٹی تھی۔
بھی والڈروف سے محبت کرتی تھی مگر اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف
سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔

ایک روز دنیا کا یہ سب سے بڑا قاتل شادی کا پیغام لے کر مارگریٹ کے امیر
کارخانے میں گیا اور اس کے باپ سے کہا کہ میں مارگریٹ سے محبت کرتا
اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مارگریٹ کے مغرور باپ نے والڈروف کی
بے عزتی کی اور کہا۔ "تمہیں میری لڑکی سے شادی کرنے کا خیال کیسے آیا؟ تم
کا اخبار بیچنے والے گھٹیا آدمی ہو۔ میں شہر کا سب سے بڑا رئیس ہوں۔ میری
لیے تو شاہی خاندان سے رشتہ آیا ہے۔ تم بھکاری ہو' نکل جاؤ میرے دفتر

اور مارگریٹ کے باپ نے والڈروف کی سخت بے عزتی کر کے دھکے مار کر

اپنے کارخانے سے نکال دیا۔

بس وہیں سے والڈروف کا دماغ چکر کھا گیا۔ مارگریٹ کی محبت م
اپنی بے عزتی کی وجہ سے وہ دنیا کا سب سے بڑا قاتل بن گیا۔ اس نے س
تو مارگریٹ کے باپ کو قتل کیا۔ اس کے بعد اس کے دوسرے دول
داروں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد اس
دوسرے امیر لوگوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ پولیس اس ک
سرگرداں تھی مگر والڈروف ہاتھ نہیں آتا تھا۔ اس نے انگلستان چھوڑ
چلا گیا۔ فرانس میں اس نے دولت مند لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔
نکل کر وہ یورپ کے دوسرے شہروں میں چلا گیا اور قتل کا سلسلہ جار
نے لاکھوں امیر آدمیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ آخر پکڑا گیا اور اسے
ہو گئی۔ موت کے بعد حکومت نے اس کا دماغ نکال کر دنیا کے سب
سائنس دان کے دماغ کے ساتھ میڈیکل سائنس کے عجائب گھر میں ر
سے غلطی سے ڈاکٹر پرویز اسے چرا کر لے گیا اور اس نے اس دماغ کو
سے بڑے سائنسدان کا دماغ سمجھ کر اپنی بنائی ہوئی لاش کی کھوپڑی میں ل

زندہ لاش کو تھوڑا تھوڑا اپنا ماضی یاد آ جاتا تھا اور پھر بھول جاتا
تھا۔ ایک بار زندہ لاش کی آنکھوں کے سامنے مارگریٹ کی شکل بھی آ
میں اسے دیکھ کر کچھ یاد ضرور آیا مگر اسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ
صورت ہے جس کی محبت میں ناکامی نے اسے دنیا کا سب سے بڑا قاتل

زندہ لاش اپنے خیالات کی الجھنوں میں الجھی دن بھر قبرستان
رہی۔ آخر جب قبرستان میں رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ باہر نکل آئ
قبرستان سے نکل کر ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ شہر کے ایک
درختوں کے نیچے بیٹھ گئی۔ سرد رات میں باغ سنسان پڑا تھا۔ اتنی
سردیوں کے موسم میں نہیں پڑی تھی۔ دو دن تک بارش ہونے کی

اضافہ ہو گیا تھا۔ رات کے گیارہ بجے تک زندہ لاش باغ کے ویران گوشے
رہی۔ پھر وہ اٹھ کر ایک سنسان سڑک پر چل پڑی۔ باغ کے آگے شہر کی
بس تھی۔ آگے کھیت تھے اور پھر بے آباد میدان شروع ہو جاتا تھا جہاں
ھ کے زمانے کی ایک پرانی اور اجاڑ حویلی کا کھنڈر تھا۔ اس کھنڈر میں کبھی
شان بھومی ہوا کرتی تھی اور جہاں راجہ کے خاندان کے مردہ لوگوں کو جلایا
ر پھر ان کی راکھ دریائے گنگا میں جا کر بہا دی جاتی تھی۔

ہ لاش نے دور سے یہ حویلی دیکھی تو اس طرف چلنے لگی۔ حویلی کے کھنڈر
آ کر لاش رک گئی اور اس کے آہنی بڑے گیٹ کو تکنے لگی جس پر ویرانی
تھی اور رات کے سرد اندھیرے میں اسے دیکھ کر ہی خوف محسوس ہوتا تھا
کے دماغ میں ڈر خوف نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ حویلی کے ڈیوڑھی میں
ر حویلی کے دالان میں آ گئی۔ دالان میں ایک اینٹوں کا چبوترا تھا۔ اس
آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے راجہ رنجیت سنگھ کے خاندان کے لوگوں
ے جلائے جاتے تھے۔ چبوترا خالی اور ویران پڑا تھا۔ چبوترے کے تینوں
رہ تھا جہاں چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان کوٹھڑیوں میں مردہ
ں کا خاندان رہا کرتا تھا مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کوٹھڑیوں میں سے
ریوں کی چھت بیٹھ گئی تھی، بعض کے دروازے زمین دھنس گئے تھے۔
ین کوٹھڑیاں باقی رہ گئی تھیں جن کے لکڑی کے دروازے لوگ اکھاڑ کر
ے۔

حویلی کو راجہ رانی کی حویلی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

رانی کی حویلی کے پاس خوف کے مارے دن کے وقت بھی کوئی نہیں آتا
یلی کی برجی میں ایک الو رہتا تھا جو آدھی رات کو بول بول کر ماحول کو اور
بنا رہتا تھا۔ زندہ لاش راجہ رانی کی حویلی کی ایک کوٹھڑی میں جا کر زمین پر
طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ اس کی نیم وا اور ادھ کھلی آنکھیں اندھیرے

میں دالان والے چبوترے پر جمی ہوئی تھیں۔ زندہ لاش جلدی جلدی ا
ادھرادھر نہیں پھیر سکتی تھی۔ جس جگہ اس کی نگاہ ایک بار ٹک جاتی تھ
کئی سیکنڈ بلکہ منٹ تک اسی جگہ ٹکی رہتی تھی۔

اس وقت بھی زندہ لاش کی ادھ کھلی ہوئی نیم مردہ آنکھیں چبوتر
رہی تھیں جو ستاروں کی پھیکی روشنی میں دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا
خاموشی سے گزرتی جا رہی تھی۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی
حویلی کی برجی والا الو بولنا شروع ہو گیا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد
آوازیں نکالتا۔ زندہ لاش کو اس کی آواز سے الجھن سی ہونے لگی۔ ا
حویلی کی چھت پر اس جگہ پر آ گئی جہاں ایک کونے میں چھوٹی سی برجی
اندر الو نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ وہ الو کے گھونسلے کی طرف بڑھی۔ الو
دیکھ لیتا ہے۔ اس نے ایک عجیب سے انسانی ہیولے کو اپنی طرف آتا د
زندہ لاش نے الو کے گھونسلے کو برجی میں سے نکال کر چھت پر بکھیر دیا
غصے میں غراہٹ کی آوازیں نکالتی واپس کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

الو بڑا دانا جانور ہوتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک انسانی ہیو
گھونسلہ اجاڑ دیا ہے تو وہ خاموش ہو گیا۔ الو کی خاموشی نے ماحول کو ا
بنا دیا۔ زندہ لاش کی نظریں ایک بار پھر اسی چبوترے پر جم گئیں جس
میں مردے جلائے جاتے تھے۔ اچانک زندہ لاش کو کسی عورت کی چیخ
دی۔ چیخ کی آواز اس زینے کی طرف سے آئی تھی جو حویلی کی چھ
منزل کی کوٹھڑیوں کو جاتا تھا۔ عورت بڑے دردناک لہجے میں چیخ رہ
رہی تھی۔

"مجھے چتا پر نہ چڑھاؤ۔ مجھے آگ نہ لگاؤ۔ میں مردہ نہیں ہ
ہوں۔ مجھے نہ جلاؤ۔"

زندہ لاش نے دوسری تیسری بار عورت کی چیخ کی آواز پر ا

طرف موڑ کر زینے کی طرف دیکھا۔ وہاں تین آدمی نمودار ہوئے جنہوں نے پرانے
زمانے کے درباریوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا سر منڈا ہوا تھا اور
اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ عورت چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی۔

"میں زندہ ہوں۔ مجھے چتا پر نہ جلاؤ۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔"

مگر تینوں آدمی اس عورت کو کھینچتے ہوئے چبوترے کی طرف لا رہے تھے۔ پھر
انہوں نے عورت کو پکڑ کر باندھا اور چبوترے پر لٹا دیا۔ دونوں آدمی پیچھے ہٹ گئے۔
جس آدمی کے ہاتھ میں مشعل تھی وہ عورت کی طرف بڑھا اور اس کی ساڑھی کو
آگ لگانے ہی لگا تھا کہ زندہ لاش کے حلق سے غراہٹ نما چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ اتنی
ڈراؤنی تھی کہ اس آدمی کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ زندہ لاش کوٹھڑی میں سے
نکل کر چبوترے پر گئی اور دو آدمیوں کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا لیکن عجیب بات
ہوئی۔ جیسے ہی زندہ لاش نے آدمیوں کو گردنوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ دونوں آدمی
اس کے ہاتھوں میں نظر آتے آتے غائب ہو گئے۔ زندہ لاش حیران سی نگاہوں سے
اپنے ہاتھوں کو تکتی رہ گئی۔ اس نے دیکھا کہ تیسرا آدمی بھی غائب ہو گیا تھا۔
چبوترے پر بندھی ہوئی عورت زندہ لاش کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ
ایک خوبصورت نوجوان لڑکی تھی اور کوئی راجکماری لگتی تھی۔ عورت زندہ لاش کو
دیکھتے دیکھتے مسکرا دی۔ زندہ لاش کے حلق سے ایسی غراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں
جیسے وہ اس عورت سے کہہ رہی ہو کہ تم کون ہو، یہ لوگ کون تھے؟

زندہ لاش نے عورت کی رسیاں کھول دیں۔ عورت نے کہا۔ "میں راجکماری
ہوں۔ میرا نام پریم لتا ہے۔"

زندہ لاش اس عورت کی طرف عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ زندہ لاش کی
آنکھوں میں پہلی بار ایک چمک سی آ گئی تھی جیسے اسے کچھ یاد آ رہا ہو۔ جیسے اس کے
دل میں اس عورت نے مہر و محبت کی شمع روشن کر دی ہو کیونکہ عورت زندہ لاش
سے بالکل نہیں ڈری تھی۔ عورت نے زندہ لاش کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے کہہ رہی

ہو' مجھے اٹھاؤ۔ زندہ لاش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔ راجکماری پریم
اٹھ کھڑی ہوئی اور لاش کے بالکل قریب آ کر مسکرائی اور پھر مسکراتے مسکراتے ہ
ہنستے غائب ہو گئی۔

زندہ لاش حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر لاش تھوڑا سا غرائی اور وا
کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ لاش ساری رات وہاں بیٹھی رہی۔ دن نکل آیا اور گ
گیا۔ شام ہو گئی۔ پھر رات آ گئی اور زندہ لاش کوٹھڑی میں ہی پتھر کی مورتی بنی بڑ
رہی اور چبوترے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ شاید وہ غیر شعوری طور پر خوبصور
راجکماری پریم لتا کے پھر سے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ رات بھی گزر
اور لاش نے صرف اتنا کیا کہ اٹھ کر چبوترے کے گرد دو چار چکر لگائے اور وا
کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

دوسرا دن بھی طلوع ہو گیا۔

دوسری طرف ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا لاش کو شہر کے کونے کونے میں تلا
کرتے پھر رہے تھے۔ لاش کو تلاش کرتے کرتے وہ شہر کے باہر راجہ رانی کی ب
حویلی کے پاس بھی آ گئے۔ یہاں زمین کلر زدہ تھی۔ اچانک ڈاکٹر دارا کو زمین پر ل
کے ننگے پاؤں کے نشان نظر آ گئے۔ اس نے چونک کر وہ نشان ڈاکٹر پرویز کو دکھا
ڈاکٹر پرویز خوش ہو کر بولا۔ "یہ زندہ لاش کے پاؤں کے ہی نشان ہیں۔ وہ ضرور
حویلی میں موجود ہے۔ پاؤں کے نشان حویلی کی طرف جا رہے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے بے ہوش کرنے والا پستول جیب سے نکال کر اپنے ہاتھ
تھام لیا۔ پستول کے آگے انجکشن کی سرنج لگی ہوئی تھی جس میں بے ہوش کر
والی اتنی دوائی بھری ہوئی تھی کہ لاش ایک دن تک بے ہوش ہو سکتی تھی۔ دو
ڈاکٹر بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے حویلی کی طرف بڑھے۔ حویلی کے گیٹ پر آ کر
پرویز نے دارا کو اشارہ کیا کہ وہ دوسری طرف سے حویلی میں داخل ہو۔ دارا دو
طرف دبے قدم اٹھاتا چلا گیا۔ ڈاکٹر پرویز آہستہ آہستہ حویلی کی ڈیوڑھی میں داخل

گیا۔ اگرچہ وہ دن کا وقت تھا مگر یہ حویلی سنسان علاقے میں تھی جہاں سناٹا چھایا ہوا
تھا۔ دارا دوسری طرف سے آ کر حویلی کے دالان میں آ گیا' جہاں شمشان کا چبوترہ
تھا۔ اچانک ڈاکٹر پرویز کو لاش کی پٹیوں پر جو دوائی انہوں نے لگائی ہوئی تھی' اس کی
بو محسوس ہوئی۔ وہ جلدی سے بیٹھ گیا اور اس نے دارا کو بھی اشارہ کیا کہ بیٹھ
جائے۔ دارا نے بھی دوائی کی خاص بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے ایک کوٹھڑی کی
طرف اشارہ کیا کہ زندہ لاش اس کوٹھڑی میں ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے کوٹھڑی
کے دروازے کی طرف دیکھا۔ زندہ لاش دروازے سے ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھی ہوئی
تھی۔ وہ اسے دکھائی نہ دی۔ اتنے میں دارا چبوترے کی چار فٹ اونچی دیوار کے
ساتھ لگ کر زمین پر بیٹھ گیا تھا اور آہستہ آہستہ آگے سرک رہا تھا۔ اس نے
چبوترے کے کونے پر جا کر کوٹھڑی کے اندر نگاہ ڈالی تو اسے زندہ لاش کونے میں
بیٹھی ہوئی نظر آ گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ڈاکٹر پرویز کو اشارہ کیا کہ لاش کوٹھڑی میں
موجود ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے ٹرانکولائزر پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی لیکن وہ ایسی
کوئی حرکت گھبراہٹ میں نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس کی وجہ سے لاش کو ان کی
موجودگی کا علم ہو جائے۔ لاش خبردار ہو کر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ وہ اتنی طاقتور تھی کہ
ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا اس کے آگے چوہوں کے برابر تھے۔

ادھر زندہ لاش کو بھی اس کے دماغ کی کسی حس نے بتا دیا تھا کہ حویلی میں کوئی
آدمی موجود ہے۔ شاید لاش کے دماغ نے ان نظر نہ آنے والی حرارت کی لہروں کو
محسوس کر لیا تھا جو ہر انسان کے جسم سے زندہ حالت میں ہر وقت نکلتی رہتی ہیں اور
اس وقت ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کے جسموں سے بھی نکل رہی تھیں۔ زندہ لاش
کسی کی موجودگی کو محسوس کر کے غرائی۔ اس غراہٹ کو ڈاکٹر پرویز اور دارا نے سنا تو
ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ زندہ لاش کی ہی آواز ہے۔ اچانک
لاش کوٹھڑی میں سے باہر نکل آئی۔ سات فٹ اونچے پٹیوں میں لپٹے ہوئے انسان کو
اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ڈاکٹر پرویز کے ایک بار تو اوسان خطا ہو گئے۔ زندہ لاش

نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور اس کے حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ زندہ لاش کے جسم سے لپٹی ہوئی پٹیاں میلی کچیلی ہو رہی تھیں۔ چند ایک پٹیاں لاش کے بازوؤں کے نیچے لٹک رہی تھیں۔ یہ واقعی بڑی ڈراؤنی اور دہشت ناک زندہ لاش تھی۔ اس وقت ڈاکٹر پرویز کو خیال آیا کہ یہ اس نے کیا بنا دیا ہے۔ اچانک دارا نے چیخ کر کہا۔ "پرویز! فائر کرو۔ کیا سوچ رہے ہو؟ یہ شخص ہمیں مار ڈالے گا۔"

ڈاکٹر پرویز اچانک چونک پڑا۔ دارا کی آواز سن کر زندہ لاش نے چیخ ماری اور اس کی طرف بڑھی لیکن اس دوران ڈاکٹر پرویز گن فائر کر چکا تھا اور اس میں سے نکلا ہوا سرنج لاش کی گردن میں پیوست ہو گیا اور سرنج کے اندر جو بے ہوشی کی دوائی تھی وہ ساری کی ساری لاش کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔ لاش کھڑے کھڑے لڑکھڑائی اور پھر کٹے ہوئے درخت کی طرف دھم سے زمین پر گر پڑی۔ پرویز اور دارا دوڑ کر لاش کے پاس گئے۔ پرویز نے لاش کی گردن سے سرنج نکالا اور دارا سے کہا۔ "اس کو لیبارٹری میں کیسے لے جائیں گے؟"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ہماری گاڑی میں اتنی لمبی چوڑی لاش نہیں آئے گی۔ میں ہسپتال جا کر ایمبولینس ویگن لے آتا ہوں۔"

"ہاں۔" ڈاکٹر پرویز بولا۔ "یہ ٹھیک ہے۔ ایمبولینس کی ویگن میں ہم لاش کو آسانی سے رکھ سکیں گے، مگر ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ تمہیں زیادہ دیر نہیں لگانی چاہئے۔"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔ تم یہاں دھیان سے بیٹھنا۔ کہیں اس زندہ لاش کو ہوش نہ آ جائے۔"

پرویز نے کہا۔ "نہیں نہیں۔ کم از کم بارہ گھنٹے سے پہلے اس کو ہوش نہیں آئے گا۔ تم فوراً جا کر ایمبولینس لے آؤ۔"

دارا گاڑی لے کر تیزی سے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر پرویز کے سامنے حویلی کے دالان میں اس کا بنایا ہوا انسان زمین پر بے

ہوش پڑا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ بے حد ڈراؤنا انسان تھا۔ اس کی کھوپڑی کے لمبے لمبے ٹانکے ماتھے پر صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ویسے ہی ادھ کھلی تھیں جیسے پہلے تھیں۔ یہ آنکھیں کسی مردے کی آنکھیں لگتی تھیں۔ لاش کے جسم کی سفید پٹیاں میلی ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز نے لٹکتی ہوئی پٹیوں کو دوبارہ لاش کے بازو پر کس کر باندھ دیا۔ لاش بالکل بے ہوش پڑی تھی۔ ڈاکٹر پرویز سوچنے لگا کہ اب جبکہ وہ اس لاش کو اپنی لیبارٹری میں لے جا رہا ہے تو کیوں نہ اس کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے بڑے جرائم پیشہ قاتل کا دماغ جو اس لگایا ہے اسے نکال کر اس کی جگہ کسی عام مردے کا دماغ لگا دیا جائے تاکہ لاش آئندہ کسی کو اپنی مرضی سے قتل نہ کرتی پھرے، لیکن اسے خیال آگیا کہ اگر اس کا لگایا ہوا دوسرا دماغ کسی شریف آدمی کا ہوا تو ہو سکتا ہے لاش اس کا کہا نہ مانے اور اس کے حکم پر ڈاکہ نہ ڈالے، چوری نہ کرے اور اس کے اشارے پر اس کے کسی بھی دشمن کو قتل نہ کرے۔ اب ڈاکٹر پرویز پورا شیطان بن چکا تھا اور وہ اس لاش کی مدد سے اپنے پرانے دشمنوں کو قتل کر کے ان سے انتقام لینا چاہتا تھا اور امیر لوگوں کی تجوریاں لوٹ کر ان کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، پھر وہ ممکن ہے ایسا نہ کر سکے۔ اس نے سوچا کہ نہیں نہیں، مجھے لاش کا دماغ نہیں بدلنا چاہئے۔ بس اسے اپنے کنٹرول میں کر لینا چاہئے۔ جب لاش ایک بار اس کے کنٹرول میں آ جائے گی تو اس کا ریموٹ کنٹرول اس کے اپنے ہاتھ میں ہو گا۔ پھر لاش اس کے اشاروں پر چلے گی اور اس کے حکم کے بغیر کسی کو قتل نہ کر سکے گی۔

ڈاکٹر پرویز کے شیطانی دماغ نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ وہ لاش کا دماغ نہیں بدلے گا اور وہی دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ ہی اس کے سر کے اندر رہنے دے گا۔ بس لاش کی ریڑھ اور گردن کی ہڈیوں کے اندر لگے ہوئے چپس کے فیوز دوبارہ ٹھیک کر دے تاکہ وہ ریموٹ کے سگنل وصول کر سکے اور لاش اس کے کنٹرول میں آ جائے۔ اچانک اسے ویگن کے انجن کی آواز سنائی دی۔

ڈاکٹر دارا ہسپتال سے ایمبولینس کی ویگن لے کر پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے لاش کو بڑی دقت کے ساتھ اٹھا کر ایمبولینس میں ڈالا۔ ایمبولینس کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا اور وہ ایمبولینس سٹارٹ کر کے آسیبی قلعے والی لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گئے اور ایمبولینس قلعے کے اندر تک لے گئے۔ وہاں سے لاش کو بڑی مشکل سے اٹھا کر لیبارٹری میں لے آئے۔ ڈاکٹر پرویز نے لاش کی نبض دیکھی۔ لاش کا دل آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا۔ اس کا بنایا ہوا انسان زندہ تھا۔ دارا نے کہا۔ "اس کو بے ہوشی کا ایک اور انجکشن لگا دو کہیں آپریشن کے دوران اسے ہوش نہ آ جائے۔"

ڈاکٹر پرویز نے فوراً لاش کو ایک ڈبل ڈوز والا انجکشن لگا دیا اور سب سے پہلے لاش کی گردن کا چھوٹا سا آپریشن کر کے اس کی گردن کی ہڈی کے ساتھ انگوٹھے سے بھی چھوٹے سائز کا کمپیوٹر آلہ لگا تھا۔ اسے چمٹی سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ غور سے اس کو چیک کیا۔ آلے کی دو تاروں کے ٹانکے فیوز ہو گئے تھے۔ انہوں نے فوراً وہاں نئے ٹانکے لگائے اور چپس کو دوبارہ لاش کی گردن میں فٹ کر کے زخم لمبے لمبے ٹانکے لگا کر سی دیا۔ اس کے بعد زندہ لاش کی کمر کا آپریشن کیا گیا اور ریڑھ کی ہڈی میں سے مائیکرو چپس نکال کر اسے بھی پھر سے اچھی طرح مرمت کر کے دوبارہ فٹ کر دیا گیا اور زخم پر ٹانکے لگا دیئے۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "یہ کام تو ہو گیا۔ اب دونوں مائیکرو چپس کو ٹیسٹ کرنے کا مرحلہ باقی ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب لاش کو ہوش آ جائے گا۔"

دارا نے کہا۔ "لاش کو زنجیروں میں جکڑنے کی تو ضرورت نہیں؟"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر مائیکرو چپس نے کام نہ کیا تو لاش ویسے بھی زنجیریں توڑ ڈالے گی۔ بس یہی ہے کہ جب اسے ہوش آئے تو ہمیں کچھ فاصلے پر رہ کر مائیکرو چپس کو ٹیسٹ کرنا ہوگا۔"

اچانک ڈاکٹر پرویز کو ایک خیال آ گیا۔ کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے جب تک لاش

کو ہوش نہیں آتا اس کی پٹیاں اتار کر اسے عام انسانوں والا لباس پہنا دینا چاہئے تاکہ جب ہم اسے کنٹرول میں لا کر اپنی مرضی کے مطابق اس سے انسانی معاشرے کی بھلائی کا کام لیں تو یہ نارمل انسان دکھائی دے۔"

ڈاکٹر دارا نے جس کو ڈاکٹر پرویز کی نیت پر شک تھا' پوچھا۔ "مثلاً تم اس سے انسانی معاشرے کی بھلائی کا کیا کام لو گے؟"

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "مثلاً ہم اس کی مدد سے دہشت گردوں کو ختم کریں گے۔ جرائم پیشہ افراد اور منشیات کے سمگلروں کو گرفتار کرائیں گے اور بھی اس طرح کے انسانی بھلائی کے کام لیں گے۔"

ڈاکٹر دارا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ پرویز اپنے بنائے ہوئے انسان کو کنٹرول کر کے اس سے دو ایک کام منہ رکھنے کو بھلائی کے لیے لے گا اور باقی اس کی مدد سے لوگوں کی تجوریوں اور بینکوں میں ڈاکے ڈلوائے گا اور اپنے دشمنوں کو قتل کروائے گا۔ ڈاکٹر پرویز بولا۔ "مگر اسے کون سا لباس پہنایا جائے؟ کوٹ پتلون اس کے سائز کے سلوانے پڑیں گے۔"

دارا نے کہا۔ "ابھی تو اسے دھوتی کرتا ہی کسی نہ کسی طرح پہنا دیتے ہیں۔ بعد میں ناپ لے کر سوٹ بھی سلوا دیں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ یہاں سے کوئی سفید چادر پکڑو۔"

دارا لیبارٹری کی الماری میں سے سفید چادر نکال کر لے آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی زندہ لاش کے جسم پر لپٹی ہوئی ساری پٹیاں قینچی سے کاٹ کر اتار دیں۔ سفید چادر دھوتی کی طرح اس کی کمر پر کس کر باندھ دی۔ لیبارٹری میں ہی ایک آپریشن کرنے والا لمبا سبز کرتہ نکال کر لاش کو پہنا دیا۔ اب وہ لاش کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے۔

شام کے وقت لاش کے ایک ہاتھ نے ہلکی سی جنبش کی اور اس کے حلق سے غراہٹ کی ہلکی سی آواز نکلی۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا جلدی سے لیبارٹری کے

دروازے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ریموٹ کنٹرول ڈاکٹر پرویز کے ہاتھ میں تھا۔
ریموٹ کنٹرول پر چھوٹے چھوٹے چھ سات بٹن تھے۔ ایک بٹن کو دبا کر لاش سے کہا
جاتا تھا کہ اٹھ کر کھڑی ہو جا۔ دوسرے بٹن سے لاش کو ایک طرف چل پڑنے کے
سگنل دیئے جاتے تھے۔ ایک بٹن کو دبانے سے لاش کے ذہن میں یہ خیال ڈالا جاتا تھا
کہ وہ فلاں کام کرے۔ ایک اور بٹن دبانے سے لاش کو واپس چلے جانے کا حکم دیا
جاتا تھا۔ ایک سرخ بٹن کو دبانے سے لاش سے کہا جاتا تھا کہ وہ سو جائے۔ دونوں
ڈاکٹر بے چینی سے لاش کو دیکھ رہے تھے جو ڈاکٹروں والا لمبا سبز کرتہ پہنے اور دھوتی
باندھے سٹریچر پر لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے آہستہ سے کہا۔ "پرویز! اسے سگنل دو
کہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔"

پرویز نے سرگوشی میں کہا۔ "نہیں نہیں۔ پہلے اسے پوری طرح ہوش میں آ
جانے دو۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں سگنل کا اثر نہیں ہو گا۔"

لاش آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ جیسے ہی لاش کو پوری طرح ہوش آیا
ڈاکٹر پرویز نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریموٹ کنٹرول کا ایک بٹن دبا دیا۔ پہلے تو
لاش بے حس و حرکت پڑی رہی اور اس کے حلق سے غرانے کی آوازیں نکلتی رہیں
لیکن جب ڈاکٹر پرویز نے دوسری مرتبہ بٹن دبایا تو لاش کو ایک جھٹکا لگا اور وہ اٹھ کر
اپنے پاؤں پر پورے قد سے کھڑی ہو گئی۔ سرجن ڈاکٹروں والے سبز چغے اور سفید
دھوتی میں لاش کوئی دیوہیکل سرجن ڈاکٹر لگ رہی تھی۔

دارا نے خوشی سے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "پرویز! اسے پھر لٹا دو۔ یہ ہماری
طرف دیکھ رہی ہے۔"

لیبارٹری کی دیوار میں اوپر چھت کے قریب لمبے شگاف کی طرح کے روشن
دان میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی اور بڑا بلب بھی روشن تھا۔ لاش بالکل
سیدھی کھڑی نیم وا، سفید سفید سنگ دل آنکھوں سے ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کی
طرف دیکھ رہی تھی۔ پرویز نے کہا۔ "یہ میرے کنٹرول میں ہے شور نہ مچاؤ۔"

اور پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا ایک اور بٹن دبایا۔ لاش بوجھل قدم اٹھاتی
دیوار کے ساتھ لگی الماری کی طرف چلنے لگی۔ ڈاکٹر پرویز نے ایک اور بٹن دباتے
ہوئے لاش سے کہا۔ "الماری کھول کر اس کے پہلے خانے میں سے ایک بوتل اٹھا کر
کھڑے ہو جاؤ۔"

لاش الماری کے پاس جا کر رک گئی۔ پھر اس نے ایک ہاتھ بڑھا کا الماری
کھولی اور پہلے خانے میں سے ایک بوتل اٹھا کر الماری کے پاس ان کی طرف منہ کر
کے کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے مسرت سے بھرپور آواز میں نعرہ لگایا۔ "ہم نے ایک
پورا آدمی بنا دیا ہے۔ ہم نے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے' ڈاکٹر دارا! خدا کی قسم اس دفعہ
نوبل پرائز ہم دونوں کو ملے گا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "تو کیا تم اس نقلی انسان کا کھلم کھلا مظاہرہ کرو گے؟"

پرویز بولا۔ "ابھی ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ابھی ہم اس کو ٹریننگ دیں گے۔
جب یہ مشق میں پکا ہو جائے گا تو پھر اسے مارکیٹ میں لے آئیں گے۔"

ڈاکٹر دارا خوب جانتا تھا کہ پرویز جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اس نقلی انسان اور
زندہ لاش سے مجرمانہ کام لینا چاہتا ہے۔ وہ اسے کھلم کھلا مارکیٹ میں کبھی نہیں لا سکتا
اور نہ دوسرے سائنس دانوں کے آگے اس زندہ لاش کا مظاہرہ کروا سکتا تھا۔ ہاں
جب وہ اس زندہ لاش کی مدد سے اپنے تمام دشمنوں کو ٹھکانے لگا چکے اور بڑے بڑے
بینکوں میں اس کی مدد سے ڈاکے ڈلوا کر کروڑوں روپے جمع کر لے گا تو پھر شاید وہ
زندہ لاش کو مارکیٹ میں لے آئے گا۔

زندہ لاش بوتل ہاتھ میں لئے الماری کے پاس بالکل روبوٹ کی طرح ساکت
کھڑی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے دارا سے کہا۔ "آؤ اپنی تخلیق کو قریب سے دیکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر دارا ڈر رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ قریب جانے سے زندہ لاش ان کی
گردنیں نہ مروڑ ڈالے۔ لیکن لاش نے ایسا نہ کیا۔ لاش ڈاکٹر پرویز کے کنٹرول میں آ
چکی تھی۔ وہ لاش کے بالکل سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر دارا کی لاش کو دیکھنے

کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ لاش کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی مرگ آلو
دہشت تھی جس کو دیکھ کر ہی آدمی کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ڈاکٹ
پرویز نے بے دھڑک ہو کر لاش کے ہاتھ کو آہستہ سے پکڑ لیا۔ لاش نے آگے سے
کوئی حرکت نہ کی۔ پرویز بولا۔ "دارا! یہ شخص پوری طرح میرے قابو میں ہے۔
اب یہ وہی کرے گا جو میں اسے کہوں گا۔ وہی سوچے گا جو میں اسے کہوں گا۔ ذرا
ٹھہرو میں تمہیں ابھی تجربہ کر کے دکھاتا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا ایک سبز بٹن دباتے ہوئے لاش سے کہا۔
"لیبارٹری کے دروازے کے پاس جا کر دیکھو کہ باہر کوئی آدمی ہماری باتیں تو نہیں سن
رہا۔"

لاش حرکت میں آ گئی۔ آرام آرام سے قدم اٹھاتی لیبارٹری کے کھلے
دروازے تک گئی اور رک گئی۔ پھر گردن باہر نکال کر پہلے دائیں جانب پھر بائیں
جانب دیکھا۔ وہیں سے واپس پلٹ کر اپنی پہلی والی جگہ پر آ کر کھڑی ہو گئی اور اپ
بڑے سر کو نفی کے انداز میں دائیں بائیں ہلایا' جیسے کہہ رہی ہو کہ باہر کوئی نہیں
ہے۔ ڈاکٹر پرویز کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ کرسی کھینچ کر سٹریچر کے قریب بیٹھ
گیا۔ اس نے دارا کو بھی اپنے پاس بٹھا لیا اور کہنے لگا۔ "بتاؤ کون کہہ سکتا ہے
میں نے ایک جیتے جاگتے سوچنے والے انسان کو ایجاد نہیں کیا۔ ابھی تک یورپ ا
امریکہ کے سائنس دانوں نے اتنی زبردست ترقی کے باوجود صرف سٹیل اور پلاسٹ
کا روبوٹ انسان ہی تخلیق کیا ہے' مگر میں نے زندہ انسان تخلیق کر کے دکھا دیا۔
خدا کی قسم اب میں مختلف مردہ آدمیوں کی بیکار لاشوں کے ٹکڑے جوڑ کر جتنے چاہ
انسان بنا سکتا ہوں۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "یہ کفر کی باتیں ہیں پرویز! اللہ کے آگے توبہ کرو اور
اب بھی تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اپنی اس زندہ تخلیق کو ضائع کر دو۔ اسے
ڈالو۔ نہیں تو ہم کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے کہ لوگ ہمارے جسم

ناء کاٹ کاٹ کر چیلوں اور کوؤں کو کھلائیں گے۔"

ڈاکٹر پرویز نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم مجھ سے حسد کرتے ہو دارا! اسی لئے تم
ی زندہ تخلیق کی مخالفت کر رہے ہو۔ تم نہیں چاہتے کہ دنیا مجھے سائنس کی دنیا کا
د کہہ کر پکارے۔"

دارا نے بھی غصے میں کہا۔ "میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری اس مشرکانہ تخلیق
میں تو اس دن کو کوس رہا ہوں جب میں تمہاری اس مجرمانہ سوچ میں تمہارے
تھ شامل ہوا۔ پرویز! میں تمہیں ایک بار پھر بلکہ آخری بار خبردار کرتا ہوں کہ تم
ا کے عذاب کو للکار رہے ہو۔ ابھی اسی وقت اس زندہ لاش کے ٹکڑے کر کے ان
ب ٹکڑوں کو بڑے احترام کے ساتھ زمین میں دفن کر دو اور گڑگڑا کر خدا سے
نے گناہ کی معافی مانگو۔ میں بھی تمہارے ساتھ خدا سے معافی مانگوں گا۔ بلکہ میں تو
ں وقت بھی اللہ تعالیٰ سے رحم کا طلبگار ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز بڑا عیار اور جہاندیدہ انسان تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ طیش میں آ کر
نی لاش کو حکم دیتا کہ اس آدمی کی گردن مروڑ دے۔ اس نے ڈاکٹر دارا کے کندھے
ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے پیارے دوست! مجھے ایک بار شہر بلکہ ملک کے تمام
مگلر اور دہشت گرد اپنے بنائے ہوئے انسان کی مدد سے پولیس کے حوالے کروا لینے
د۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اپنی اس تخلیق کو اپنے ہاتھوں
ضائع کر دوں گا اور اس کی لاش کے ٹکڑے بڑے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر
دوں گا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "کاش تم ایسا کر سکو۔ مجھے تمہارے ارادے نیک نہیں
لگتے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کا کندھا دباتے ہوئے کہا۔ "یار تم تو ویسے ہی مجھ پر شک
کرنے لگے ہو۔ یقین کرو میں اپنے بنائے ہوئے انسان سے کوئی ناجائز کام نہیں لوں
گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ہمیں نوبل پرائز ملے۔ سائنس کی تاریخ میں ہمارا نام عزت و

احترام سے لیا جائے۔ پھر بھلا میں اپنی تخلیق سے کوئی برائی کا کام کیسے لے سکتا ہوں
اچھا اب خاموش ہو کر بیٹھے رہو۔ میں تمہیں اپنی تخلیق سے ایک اور کام لے
دکھاتا ہوں لیکن اس سے پہلے ہمیں اس زندہ لاش کا کوئی نام رکھنا پڑے گا۔ سوچ
بتاؤ ہم اس کا کیا نام رکھیں؟"

ڈاکٹر دارا نے بادل نخواستہ کہا۔ "اس کا نام رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

پرویز کہنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میں اس کو اس کا نام لے کر مخاطب کروں
میری اس حیرت انگیز تخلیق کو معلوم ہو کہ اس کا ایک نام بھی ہے۔ کیا نام رکھ
اس کا؟"

ڈاکٹر پرویز سوچنے لگا پھر بولا۔ "زوناش' کیسا رہے گا یہ نام؟ میں نے کالج کے
زمانے میں یہ نام ایک اردو کے ناول میں پڑھا تھا۔ مصنف نے کسی حبشی غلام کا
نام رکھا تھا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "جو چاہے نام رکھ لو۔ اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

پرویز بولا۔ "اوکے! تو پھر یہی نام ٹھیک ہے۔ بس آج سے ہماری تخلیق
ہوئی اس زندہ لاش کا نام زوناش ہو گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے زندہ لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "دارا! خدا کی قسم لا
کے چہرے کے تاثرات دیکھو۔ صاف لگتا ہے کہ یہ ہماری باتیں سن رہا ہے اور ا
نے یہ بھی سن لیا ہے کہ ہم نے اس کا نام زوناش رکھ دیا ہے۔ ٹھہرو' میں تمہیں ا
کا تجربہ کر کے دکھاتا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا وہ سرخ بٹن دبایا جس کے سگنل سیدھا ز
لاش کے دماغ میں جاتے تھے۔ اس نے لاش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "زونا
کیا تم ہماری باتیں سن رہے ہو؟ اگر سن رہے ہو تو اپنا سر آہستہ سے اوپر نیچے ہلاؤ

ڈاکٹر دارا یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ زندہ لاش نے آہستہ سے اپنا سر اوپر
نیچے ہلا دیا۔ اس نے کہا۔ "میرے خدا! یہ زندہ لاش تو ہماری ساری باتیں سن ر

ڈاکٹر پرویز نے ڈاکٹر دارا کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور بے اختیار ہو کر بولا۔ "دارا!
دوست! ہم دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان ہیں' سب سے بڑے
ل سرجن ہیں۔ ہم نے وہ کام کر دکھایا ہے جسے آج تک بڑے سے بڑا فزیشن
ڑے سے بڑا سائنس دان نہیں کر سکا۔"

ڈاکٹر پرویز نے لاش سے کہا۔ "زوناش! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہارا
وناش رکھا ہے؟"

زندہ لاش نے اوپر سے نیچے سر ہلایا اور اس کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ بھی
ڈاکٹر پرویز خوشی سے اچھل پڑا۔

☆ ☆ ☆ ☆

ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "دارا! ہم نے واقعی میڈیکل سائنس کی دنیا میں ت
دینے والا کام کیا ہے۔ ہماری تخلیق کے سامنے نوبل پرائز کوئی حیثیت نہیں رک
ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اس نے ہماری ساری باتیں
غصے میں ایک دوسرے سے کر رہے تھے' سن لی ہیں۔ اس نے یہ بھی سن لیا
ہم اس سے ملک کے سمگلروں اور دہشت گردوں کو پکڑوانا چاہتے ہیں۔"

"ضرور یہ بھی سن لیا ہوگا۔" پرویز نے کہا۔

دارا بولا۔ "پرویز! تم اس وقت شاید بھول گئے ہو کہ اس زندہ لاش ک
میں ہم نے دنیا کے سب سے بڑے قاتل اور جرائم پیشہ آدمی کا دماغ ل
ہے۔ تم ایک ایسے شخص سے یہ کیسے توقع رکھ سکتے ہو کہ وہ ملک کے
قاتلوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کرے گا جس
ہزاروں انسانوں کو قتل کیا ہے اور جس کا ذہن سوچتا ہی جرائم کے متعلق ہ

ڈاکٹر پرویز نے انگریزی میں کہا۔ "خدا کے لیے اس نقلی انسان ز
آگے ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ سب کچھ سن رہا ہے اور سمجھ رہا ہے۔ اس کے
لگتا ہے آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔"

دارا بولا۔ "تم انگریزی میں بات کر کے یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ

ی بات نہیں سمجھ سکے گا۔ تم بھول گئے ہو کہ اس کی کھوپڑی میں جس قاتل کا
کام کر رہا ہے وہ انگریز تھا چنانچہ لازمی بات ہے کہ یہ انگریزی سمجھ رہا ہوگا۔"

پرویز نے کہا۔ "تو پھر آج کے بعد ہم اس کے سامنے پنجابی زبان میں بات کیا
ں گے۔ یہ پنجابی تو بالکل ہی نہیں سمجھ سکے گا۔"

دارا نے کہا۔ "اگر یہ ہماری اردو کی باتیں سمجھ گیا تھا تو کچھ بعید نہیں کہ یہ
زبان بھی سمجھنے لگا ہو۔ میں تو حیران ہوں کہ ہم نے اس سے اردو میں جو باتیں
یں ان کو یہ کیسے سمجھ گیا؟"

ڈاکٹر پرویز سوچ میں پڑ گیا' پھر بولا۔ "میرا خیال ہے اس زندہ لاش کے دماغ کا
ہ کھل گیا ہے اور ظاہر ہے آسمانی بجلی کے جھٹکے سے کھل گیا ہوگا جس حصے میں
ں ہر زبان سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ زوناش دنیا کی ہر
سمجھ سکتا ہے۔ کوئی پتہ نہیں یہ کسی روز دنیا کی ہر زبان بولنے لگ جائے۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر دارا نے کہا۔

"پرویز! اگر تم واقعی اس تخلیق سے معاشرے کی بھلائی کے کام لو گے تو ہماری
لیق دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوگا اور رہتی دنیا تک لوگ ہمارا نام عزت سے لیا کریں
اور شاید خدا بھی ہمارا یہ گناہ معاف کر دے۔"

ڈاکٹر پرویز بولا۔ "دوست! تم تو خوامخواہ میری نیت پر شک کرنے لگے ہو۔
یں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ اس زندہ لاش زوناش سے معاشرے کی بھلائی کے
اور کوئی کام نہیں لوں گا۔ اب مجھے زوناش کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوتل دوبارہ
ری میں رکھوا لینے دو۔ بے چارا کب سے ہاتھ میں بوتل لئے کھڑا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے زندہ لاش زوناش سے کہا۔ "زوناش! یہ بوتل واپس الماری میں
کر الماری بند کر دو اور سٹریچر پر جا کر لیٹ جاؤ۔"

زندہ لاش زوناش نے بوتل الماری کے خانے میں رکھی' الماری بند کی' آہستہ
تہ چل کر سٹریچر تک گیا۔ پھر اس کے اوپر چڑھ کر بالکل سیدھا لیٹ گیا۔ ڈاکٹر

پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا ایک اور بٹن دبا کر زندہ لاش سے کہا۔ "اب تم گہ
سو جاؤ اور جب تک میں نہ اٹھاؤں سوئے رہو۔"

دونوں ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ زندہ لاش نے پرویز کا حکم
آنکھیں بند کر لیں۔ حالانکہ اس سے پہلے زندہ لاش نے کبھی آنکھیں بند
تھیں۔ اس کی آنکھیں ہر وقت نیم وا رہتی تھیں۔ دونوں ڈاکٹروں نے زندہ
غور سے دیکھا۔ ڈاکٹر پرویز نے لاش کے دل کی دھڑکن چیک کی۔ کہنے لگا۔
کے دل کی دھڑکن بہت ست ہو گئی ہے۔ یہ شخص زوناش سو گیا ہے۔"

دونوں ڈاکٹر سٹریچر کے قریب کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ڈا
نے کہا۔ "اب ہمیں اس زندہ لاش زوناش کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر با
ہو گی۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ یہ شخص دنیا کی ہر زبان سمجھنے لگا ہے اور اس
نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔"

ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "اگر اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا ہے تو
بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں دنیا کا سب سے بڑا قاتل اور جرائم پیشہ آد
بہت ممکن ہے کہ اس کا دماغ نیکی کی بجائے برائی کے راستے پر چل پڑے۔
عین ممکن ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "اگر یہ برائی کے راستے پر چلنے کو سوچتا ہے
رہے۔ اس کے دماغ کو تو میں کنٹرول کر رہا ہوں۔ ریموٹ کنٹرول تو
تمہارے پاس ہو گا اور یہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی اچھا یا برا کام نہیں کر سک

"لیکن اگر خدانخواستہ پہلے کی طرح کسی وجہ سے اس کے جسم میں ل
گئے مائیکرو چپس نے کام کرنا چھوڑ دیا تو پھر کیا ہو گا۔ آخر مائیکرو چپس بھی
پرزے ہیں اور مشین کسی وقت بھی کام کرنا بند کر سکتی ہے۔"

ڈاکٹر دارا کے اس خدشے کے جواب میں پرویز نے کہا۔ "اگر خدا
وقت آ گیا تو ہمارے پاس ٹرانکولائزر گن تو موجود ہی ہے۔ ہم بے ہوشی

ن پر فائر کر کے اسے فوراً بے ہوش کر دیں گے اور مائیکرو چپس دوبارہ لگا دیں گے
اس کی مرمت کر دیں گے۔ اول تو اب ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ اب ہمیں زوناش
ے جسم کو آسمانی بجلی کا جھٹکا لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور جب تک اس زندہ لاش
و ایک کروڑ وولٹ کی طاقت کی بجلی کا جھٹکا نہیں لگے گا اس کے جسم کے اندر لگائے
ئے چپس خراب نہیں ہوں گے' اس لئے اس طرف سے ہمیں مطمئن ہو جانا
ہے۔"

زندہ لاش کے جسم میں سے ایک کروڑ وولٹ کی آسمانی بجلی گزارنے کے بعد
ں کے جسم میں رد عمل کے طور پر ایک اور تبدیلی واقع ہونی شروع ہو گئی تھی جس
ابھی تک دونوں ڈاکٹروں میں سے کسی کو علم نہیں تھا۔ زندہ لاش کا جسم کئی
میوں کے اعضاء جوڑ کر تیار کیا گیا تھا اور ان مردہ آدمیوں میں سے ہر شخص کا
اج اور اس کے جسم کے ذرات کی ساخت مختلف تھی۔ چنانچہ آسمانی بجلی کا شدید
کا لگنے کے بعد زندہ لاش کے جسم کے ذرات نے منفی طاقت پکڑ لی تھی اور بجلی
شدید جھٹکے کے بعد ان ذرات میں کچھ ایسا کیمیکل رد عمل ہوا تھا کہ زندہ لاش
ے جسم کے خلیوں اور ذرات نے غائب ہونا شروع کر دیا تھا۔ زندہ لاش کو بجلی کا
کا لگے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس ایک ہفتے کے بعد اس کے جسم کے ذرات غائب
نے لگے تھے۔ سب سے پہلے اس کیمیاوی رد عمل کا اثر زندہ لاش کے جسم کے
رونی اعضاء پر ہوا اور زندہ لاش کا ایک گردہ غائب ہو گیا۔ غائب ہونے کا ہرگز
لب یہ نہیں تھا کہ زندہ لاش کے جسم میں نہیں رہا تھا بلکہ ایسا ہوا تھا کہ گردہ نظر
انا بند ہو گیا تھا مگر وہ اپنی جگہ پر جسم کے اندر باقاعدہ کام کر رہا تھا۔ اس کے بعد
را گردہ غائب ہو گیا۔ جس وقت ڈاکٹر پرویز اور دارا نے زندہ لاش زوناش کو
وٹ کنٹرول کے ذریعے اپنے قابو میں کیا تھا اس وقت تک زندہ لاش کے جسم کے
ر اس کے دونوں گردے اور دل غائب ہو چکا تھا۔ گردے برابر کام کر رہے تھے۔
رابر دھڑک رہا تھا مگر یہ اعضاء نظر آنا بند ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا کو زندہ لاش کے جسم کے اندر کی اس حیرت ا
تبدیلی کا بالکل علم نہیں تھا۔ علم ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ زندہ لاش کے سینے
کھول کر دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اس کا تو دل غائب ہے۔ دونوں ڈاکٹر کچھ
لیبارٹری میں زندہ لاش کے سٹریچر کے قریب بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ ہا
چلے گئے۔ جانے سے پہلے ڈاکٹر پرویز نے اچھی طرح سے لاش کو چیک بھی کر لیا
بٹن دبائے بغیر لاش کو آواز بھی دی اور کہا بھی کہ اٹھو اب بیدار ہو جاؤ مگر چونکہ
نے ریموٹ کا بٹن نہیں دبایا تھا اس لئے لاش کے دماغ کو کوئی سگنل نہ ملا اور
لاش یعنی زوناش سوتا رہا۔

دونوں ڈاکٹر جس وقت لیبارٹری کے تہہ خانے سے نکلتے تھے تو آہنی دروا
پر تالا لگا کر جاتے تھے۔ ویسے بھی اس آسیبی قلعے کے کھنڈر میں کبھی کوئی انسان
آیا تھا۔ صرف ڈاکٹر پرویز اور دارا ہی کبھی کبھی آ جاتے تھے۔ ان کے بارے
لوگوں کو بھی پتہ تھا اور انہوں نے بھی مشہور کر رکھا تھا کہ وہ قلعے کی چھت پر کا
میں نمودار ہونے والے نئے ستاروں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ اپنے اس جھوٹ
ثابت کرنے کے لیے انہوں نے قلعے کی چھت پر ایک بڑی دوربین بھی لگا رکھی

ڈاکٹر دارا کو اس کے ہوسٹل میں چھوڑ کر ڈاکٹر پرویز اپنے ہسپتال کی
چل پڑا۔ راستے میں وہ یہی سوچ رہا تھا کہ یہ شخص دارا اس کے عزائم کے
میں کہیں رکاوٹ ثابت نہ ہو اور وہ پرویز کو زندہ لاش کی مدد سے کروڑ پتی تاجر
تجوریاں خالی کرواتے اور بینک میں ڈاکہ ڈلواتے دیکھ کر کہیں اس کے خلاف
جائے اور پولیس کو اطلاع نہ دے دے۔ پرویز نے سوچ رکھا تھا کہ اگر کو
مرحلہ آ گیا تو وہ زندہ لاش کی مدد سے ڈاکٹر دارا کو بھی ٹھکانے لگا دے گا۔ ڈاک
کے دل و دماغ پر شیطانی طاقتوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اس قسم کی بدی کی
ہی سوچ سکتا تھا۔

دوسری جانب آسیبی قلعے کی لیبارٹری میں سٹریچر پر زندہ لاش جس کا نام

ڈاکٹروں نے اتفاق رائے سے زوناش رکھ دیا تھا' گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے
جسم کے ذرات نے پہلے سے سات گنا تیز رفتاری سے غائب ہونا شروع کر دیا تھا۔
رات کے بارہ بجے تک زندہ لاش کے جسم کے اندر تمام اعضائے رئیسہ نظر آنا بند
ہو گئے تھے۔ ہر عضو اپنی جگہ پر باقاعدہ کام کر رہا تھا مگر وہ غائب ہو گیا تھا اور بالکل نظر
نہیں آتا تھا۔ آدھی رات کے بعد زندہ لاش زوناش کے غائب ہونے کا کیمیاوی
عمل اس کے جسم کے باہر بھی شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے اس کے بائیں طرف
والے پاؤں کی دو انگلیاں غائب ہو گئیں۔ اس کے بعد دوسرے پاؤں کی دو انگلیاں
غائب ہو گئیں۔ ایک گھنٹے بعد دونوں پاؤں کی دسوں انگلیاں غائب ہو گئیں۔
پھر اس کے ہاتھ کی انگلیوں کی باری آئی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں غائب ہو گئیں۔
صبح ہونے تک زندہ لاش زوناش کی ایک ٹانگ اور ایک پورا بازو غائب ہو چکا تھا۔

ابھی پوری طرح سے رات کی روشنی نہیں پھیلی تھی کہ دونوں ڈاکٹر زوناش
کو دیکھنے لیبارٹری میں آ گئے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر دارا لاش کے قریب آیا۔ وہ یہ
دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ لاش کی بائیں ٹانگ اور ایک پورا بازو غائب تھا۔ اس نے گھبرا
کر ڈاکٹر پرویز کو آواز دی۔ "پرویز! جلدی سے ادھر آنا۔"

ڈاکٹر پرویز ڈاکٹر دارا کی طرف آیا۔ "کیا بات ہے؟"

"ذرا دیکھو تو۔ زندہ لاش زوناش کا ایک بازو اور ایک ٹانگ غائب ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دیکھا تو وہ بھی ایک لمحے کے لئے جیسے سکتے میں آ گیا۔

"یہ کیسے ہو گیا؟" اس نے لاش کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو بولا۔ "دارا! زوناش کا
بازو اور ٹانگ اپنی جگہ پر موجود ہے مگر وہ دکھائی نہیں دے رہا۔"

"یہ کیسے ہو گیا؟" ڈاکٹر دارا نے آگے بڑھ کر لاش کا جو بازو اور ٹانگ غائب
تھی۔ وہاں جسم کو ٹٹولا تو واقعی زندہ لاش کا بازو اور ٹانگ موجود تھی مگر صرف نظروں
سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"ڈاکٹر دارا!" پرویز نے فکرمند ہو کر کہا۔ "یہ آسمانی بجلی کے جھٹکے کا کیمیاوی

ردعمل ہے۔"

پھر اس نے دوسری ٹانگ کے پاؤں کو دیکھا تو اس کی بھی ساری انگلیاں غائب تھیں۔ "میرے خدا! لاش تو آہستہ آہستہ غائب ہو رہی ہے۔"

لاش جس سٹریچر پر پڑی تھی اس کو پہیے لگے ہوئے تھے۔ وہ لاش کے سٹریچر کو چلاتے ہوئے دوسری دیوار کے ساتھ لگی ہوئی سکریننگ مشین کے نیچے لے گئے۔ انہوں نے مشین آن کر دی اور یہ دیکھ کر ڈاکٹر پرویز اور دارا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کہ زندہ لاش کے جسم کے اندر نہ گردہ تھا' نہ دل تھا' نہ جگر تھا' کچھ بھی نہیں تھا۔ جسم کا اندر کا حصہ سارے کا سارا خالی تھا۔

"آسمانی بجلی نے جسم کے ٹشوز پر کیمیاوی اثر کیا ہے۔" ڈاکٹر پرویز بولا۔ "یہ عمل لاش کے جسم میں رات کو ہمارے جانے کے بعد شروع ہوا ہے اور صبح تک لاش کا ایک چوتھائی حصہ غائب ہو گیا ہے۔ یہ ایک دو گھنٹے بعد ساری کی ساری غائب ہو جائے گی۔"

سکریننگ میں وہ مائیکرو چپس بھی نظر نہیں آ رہے تھے جو ڈاکٹر پرویز نے لاش کی گردن اور ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ پیوست کئے تھے۔ ڈاکٹر دارا بولا۔ "ہمارے مائیکرو چپس بھی غائب ہیں۔"

"مگر وہ اپنی جگہ پر ضرور موجود ہوں گے' جس طرح دل جگر پھیپھڑے اپنی جگہ پر موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں مگر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔"

دارا نے کہا۔ "اینٹی سکریننگ لینز لگا کر دیکھو۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے فوراً سکریننگ مشین کے کیمرے کے آگے اینٹی سکریننگ لینز لگا کر لاش کو دیکھا تو اس کے جسم کے اندر دل جگر گردے پھیپھڑے اور باہر دونوں ٹانگیں اور انگلیاں دکھائی دینے لگیں۔ لینز آنکھوں کے آگے سے ہٹائے تو لاش کا بازو اور ٹانگیں غائب تھیں۔ دوبارہ لینز لگایا تو انہیں گردن اور ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ امپلانٹ کئے ہوئے دونوں مائیکرو چپس بھی نظر آ گئے۔ ڈاکٹر پرویز نے اطمینان کا سانس

بولا۔ "شکر ہے ہماری محنت ضائع نہیں ہوئی اور لاش کا غائب ہونا ہمارے حق میں اچھا ہی ہوا ہے۔ ذرا سوچو کہ اگر لاش نظر آ رہی ہوتی تو وہ جس وقت سمگلروں' چوروں اور دہشت گردوں کو پکڑتی تو وہ لوگ اس پر فائرنگ کر سکتے تھے۔ چھری چاقو سے زندہ لاش کے جسم کو کاٹ سکتے تھے مگر اب وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اب لاش ان لوگوں کو نظر ہی نہیں آئے گی تو وہ کس پر حملہ کریں گے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ہاں! یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی ہے ایک طرح سے' لیکن ابھی تک لاش پوری طرح غائب نہیں ہوئی۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "مگر تھوڑی دیر بعد غائب ہو جائے گی۔ اس کے غائب ہونے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "مگر لاش کا ہمیں نظر آتے رہنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ لاش ہماری خواہش اور ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہی ہے۔"

"اس کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے کہ ہم اینٹی سکریننگ لینزز والی ایک عینک تیار کر لیں۔ یہ عینک لگانے سے ہم غائب ہو چکی لاش کو دیکھ سکیں گے۔"

"یہ بڑی اچھی ترکیب ہے۔" دارا نے کہا۔

"مگر میرا خیال ہے کہ ابھی ہمیں لاش کو جگانا نہیں چاہئے۔ کہیں لاش پر اپنا ایک بازو اور ایک ٹانگ غائب دیکھ کر خطرناک ری ایکشن نہ ہو۔"

ڈاکٹر پرویز کے اس خیال پر دارا نے کہا۔ "خطرناک ری ایکشن ہو گا بھی تو لاش کیا کر سکے گی؟ وہ تو ہمارے کنٹرول میں ہو گی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "تو ٹھیک ہے' میں لاش کو جگانے لگا ہوں۔"

اس نے ریموٹ نکال کر اس کا ایک بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "زوناش! بیدار ہو جاؤ۔"

اور اس کے ساتھ ہی لاش نے آنکھیں کھول دیں اور ڈیلے ذرا گھمائے۔ ڈاکٹر پرویز کہنے لگا۔ "دارا! مَیں دیکھ رہا ہوں کہ لاش میں نئی نئی چیز ڈیویلپ ہو رہی ہیں۔ ایک تو اس کے خلیوں نے غائب ہونا شروع کر دیا ہے ا دوسرے لاش نے اپنے ڈیلے بھی تھوڑے گھمائے ہیں ورنہ پہلے وہ آنکھوں کو ا کھلا رکھتی تھی اور اس کی آنکھوں کے ڈیلے پتھر کی طرح ساکت رہتے تھے۔"

"ہاں۔" ڈاکٹر دارا نے جواب دیا۔ "لاش کا دماغ بھی آہستہ آہستہ کام کر لگا ہے۔ ہو سکتا ہے دو چار دنوں میں لاش کی آواز بھی بیدار ہو جائے اور وہ بو شروع کر دے۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر پرویز نے کہا۔

زندہ لاش زوناش بیدار ہو چکی تھی۔ اس کی ابھی تک اپنی غائب ٹانگ ا غائب شدہ بازو پر نظر نہیں پڑی تھی کیونکہ زندہ لاش لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز کہا۔ "زوناش! اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

ساتھ ہی ریموٹ کا ایک اور بٹن دبا دیا۔ لاش اٹھ کر سٹریچر پر بیٹھ گئی۔ ا کے ساتھ ہی لاش نے آنکھوں کے ڈیلے ذرا نیچے گھما کر اپنے دونوں بازوؤں ا ٹانگوں کو غور سے دیکھا۔ اس کا ایک بازو اور ایک ٹانگ غائب ہو چکی تھی مگر لاش اس کا کوئی خاص ردعمل نہ ہوا۔ لاش ویسے ہی ساکت کی ساکت سٹریچر پر بیٹھی رہ ڈاکٹر پرویز بولا۔ "لاش پر اس تبدیلی کا کوئی اثر نہیں ہوا ڈاکٹر دارا۔"

دارا نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کچھ دیر بعد اِس کا اثر ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اسے بازو اور ٹانگ دکھائی دے رہی ہو۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے، میرا خیال ہے کہ لاش کو کچھ دیر سٹریچر پر لٹائے رکھنا چاہیے تاکہ اس کے اندر جو کیمیاوی عمل ہو ہے وہ ختم ہو جائے۔"

ڈاکٹر پرویز نے بٹن دبا کر لاش سے کہا۔ "زوناش! سٹریچر پر لیٹ جاؤ اور د گہری نیند سو جاؤ۔"

زندہ لاش سٹریچر پر لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ گہری نیند سو ی تھی اور اس کے حلق سے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی تھی۔

دارا نے کہا۔ "یہ بھی ایک نئی چیز لاش میں نمودار ہوئی ہے۔ لاش پہلے اٹے نہیں لیتی تھی۔"

"ہاں، میں یہ ساری تبدیلیاں نوٹ کرتا جا رہا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا اور جیب سے ایک چھوٹی نوٹ بک نکال کر اس میں لاش ے جسم میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو شارٹ ہینڈ لکھائی میں نوٹ کرتا رہا تاکہ بعد ں لاش پر ریسرچ کرنے اور اس پر تحقیقاتی مقالہ لکھنے میں یہ نوٹس کام آ سکیں۔

وہ لاش کے قریب ہی کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ لاش کو دیکھ لیتے تھے۔ لاش بڑے ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی جیسے بلی خر خر کر رہی ہو۔ ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہم لاش کے پوری طرح غائب ہو جانے کے بعد اس سے معاشرے کی بھلائی کے کام لینے شروع کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

ڈاکٹر پرویز بھی یہی سوچ رہا تھا مگر اصل میں اس نے لاش سے بھلائی کے دوچار کام ہی لینے تھے۔ باقی سب برائی کے کام ہی لینے تھے یا کبھی کبھار ایک دو کام بھلائی کے لاش سے کروا لینے تھے اور اس کے بعد ڈاکٹر دارا کو بتائے بغیر لاش کی مدد سے اپنے دشمن قتل کروانے تھے اور ارب پتی امیر لوگوں کے گھروں سے مال نکلوانا تھا بلکہ لاش کو غائب ہوتا دیکھ کر ڈاکٹر پرویز نے اپنے بدی کے پروگرام میں تبدیلی کر لی تھی اور فیصلہ کیا تھا کہ لاش سے لوگوں کے گھروں میں ڈاکہ ڈلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس کی مدد سے بنکوں کے لاکر تڑوائے گا اور یوں لوگوں کے قیمتی ہیرے جواہرات اور سونے کے زیورات لاکروں میں سے اڑا لے گا اور بنک سے کرنسی نوٹ بھی لوٹے گا۔ اس کے بڑے خطرناک عزائم تھے اور ڈاکٹر پرویز اپنے خطرناک عزائم پر بڑی جلدی عمل کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر دارا نے مشورہ دیا کہ جتنی دیر میں لاش نے غائب ہونا ہے اتنی دیر میں
ہم اینٹی سکریننگ لینز کی دو عینکیں بازار سے بنوا کر لے آتے ہیں۔ ڈاکٹر پرویز کو یہ
مشورہ پسند آیا۔ انہیں اس عینک کی ضرورت بھی تھی۔ سکریننگ مشین کے تین چار
اینٹی سکریننگ لینز کے شیشے الماری میں فالتو پڑے تھے۔ اس نے دو شیشے نکال لئے۔
ان میں سے دو عینکوں کے لینز نکل سکتے تھے۔ لینز جیب میں ڈال کر پرویز نے دارا کو
ساتھ لیا اور گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی ایک مشہور عینکوں کی دکان پر آ گیا۔ یہاں
آنکھوں کا ڈاکٹر ان کا دوست تھا۔ پرویز نے اسے لینز جیب سے نکال کر دیئے اور کہا۔
"ڈاکٹر! ہمیں دو اینٹی سکریننگ عینکوں کی ضرورت ہے۔ ابھی تیار کر دو' یہ ایمرجنسی
ہے۔"

ڈاکٹر کو اینٹی سکریننگ عینکیں تیار کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ وہ عینکیں لے
کر واپس آسیبی قلعے کی لیبارٹری میں آ گئے۔ لیبارٹری میں داخل ہوتے ہی انہوں نے
دیکھا کہ سٹریچر پر لاش غائب تھی۔ ڈاکٹر دارا وہیں رک گیا۔ سرگوشی میں بولا۔ "یہیں
رک کر عینک لگا کر دیکھتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاش اٹھ کر ہم پر حملہ کر دے۔"

ڈاکٹر دارا نے سرگوشی میں کہا۔ "ریموٹ کنٹرول میرے پاس ہے۔ لاش کیسے
اٹھ سکتی ہے۔ وہ سٹریچر پر ہی ہے مگر غائب ہو چکی ہے۔"

دونوں نے جلدی سے عینکیں لگا لیں۔ انہوں نے دیکھا کہ واقعی لاش سٹریچر پر
لیٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے عینک اتار کر دیکھا تو لاش غائب تھی۔ ڈاکٹر پرویز
نے دارا کا ہاتھ پکڑ کر بڑے جوش کے ساتھ دبایا اور بولا۔ "دارا! یہ ہماری ایک
فتح ہے۔ خدا کی قسم ہم نے میڈیکل سائنس کی تاریخ میں ایک زبردست انقلاب
کر دیا ہے۔"

انہوں نے عینکیں لگا لیں۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر اس کا
دبایا اور کہا۔ "زوناش اٹھ کر الماری کے پاس جاؤ اور الماری کھول کر اس میں
سرخ رنگ کی شیشی نکال کر مجھے پکڑاؤ۔"

لاش سگنل ملتے ہی سٹریچر سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چل کر الماری کے پاس
گئی۔ الماری کھولی۔ اس میں سے ادھر ادھر تلاش کر کے سرخ رنگ کے محلول والی
شیشی نکالی اور قدم قدم چل کر ڈاکٹر پرویز کے پاس آئی اور اسے شیشی پکڑا کر وہیں
چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے دوسرا بٹن دبا کر کہا۔ "زوناش! واپس سٹریچر پر
جا کر بیٹھ جاؤ۔"

زندہ لاش اسی طرح قدم قدم چل کر سٹریچر کے پاس گئی اور پھر اس کے اوپر
آرام سے بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے پنجابی زبان میں ڈاکٹر دارا سے کہا۔ "لاش پوری
طرح سے ہمارے کنٹرول میں ہے۔"

پنجابی میں وہ اس لئے بولنے لگا تھا کہ اگر لاش کو کسی کیمیاوی ردعمل کے بعد
اپنی انگریزی زبان یاد آ گئی ہو تو وہ پنجابی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا
کہ زندہ لاش اردو زبان اچھی طرح سے سمجھ لیتی ہے۔ وہ اس کو اردو میں ہی حکم
دے رہے تھے اور زندہ لاش ان کے احکامات پر عمل کر رہی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے
پنجابی میں ڈاکٹر پرویز سے کہا۔ "لاش کو پنجابی زبان میں کوئی آرڈر دو۔ ابھی معلوم ہو
جاتا ہے کہ لاش پنجابی سمجھ سکتی ہے یا نہیں۔"

یہ بڑا اچھا آئیڈیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں زندہ لاش سے کہا۔
"زوناش! سٹریچر سے اتر کر الماری کے پاس جاؤ۔"

مگر لاش سٹریچر پر ہی بیٹھی رہی۔ اس پر سگنل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دارا نے کہا۔
"اب انگریزی زبان میں کوئی آرڈر دو۔"

ڈاکٹر پرویز نے انگریزی زبان میں وہی جملہ دہرایا۔ "زوناش! اسٹریچر سے اتر کر
الماری کے پاس جاؤ۔"

لاش میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ سٹریچر سے اتر کر الماری کی طرف بڑھی۔
دارا نے چونک کر پنجابی میں کہا۔ "او میرے ربا! پرویز لاش کے دماغ نے کام کرنا
شروع کر دیا ہے۔ اس کے دماغ کا وہ حصہ کھل گیا ہے جہاں دنیا کے سب سے بڑے

انگریز قاتل کی اپنی مادری انگریزی زبان فیڈ کی ہوئی تھی۔"

ڈاکٹر پرویز بھی سوچنے لگا کہ اسے اب لاش کے آگے انگریزی میں بات کرتے ہوئے احتیاط برتنی ہوگی کیونکہ لاش انگریزی زبان سمجھنے لگی ہے۔ دارا نے کہا۔ "اگر اس زندہ لاش کا دماغ اسی طرح کام کرتا رہا تو یہ ایک دن بولنا بھی شروع کر دے گی اور کوئی پتہ نہیں اس کے دماغ کے کون کون سے حصے بیدار ہو جائیں اور یہ دنیا کی ساری زبانیں سمجھنے اور بولنے لگے اور اس کو زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے بھی نظر آنے لگیں۔"

ڈاکٹر پرویز چونک پڑا۔ یہ ایک نئی بات دارا نے اسے سمجھا دی تھی۔ اگر لاش میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی تو وہ دنیا کا سب سے امیر ترین شخص بن جائے گا۔ وہ یورپ جا کر تیل کے بڑے بڑے تاجروں کو بتا سکے گا کہ اس جگہ زمین کے اندر پٹرول موجود ہے اور یوں ان سے منہ مانگی کمیشن وصول کرے گا۔ اسے لاش کی مدد سے بینکوں میں ڈاکے ڈلوانے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب لاش میں زمین کے اندر دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

پرویز نے کہا۔ "اگر زوناش میں زمین کے اندر خزانے دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو ہم اپنے وطن پاکستان میں اس کی مدد سے پٹرول تلاش کر سکیں گے اور جگہ جگہ زمین کی کھدائی پر کروڑوں روپے خرچ کرنے کی بجائے عین اس جگہ سے کھدائی شروع کروائیں گے جہاں زمین کے نیچے تیل موجود ہوگا اور یوں ہم اپنے ملک کو مالا مال اور خوش حال بنا دیں گے۔"

حالانکہ ڈاکٹر پرویز کی یہ نیت نہیں تھی۔ اس نے یہی سوچا ہوا تھا کہ جیسے ہی زندہ لاش میں زمین کے چھپے ہوئے خزانے معلوم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی وہ اسے لے کر امریکہ کی ریاست ٹیکساس چلا جائے گا جہاں تیل کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں اور ان سے منہ مانگی کمیشن وصول کر کے انہیں لاش کی مدد سے بتا دے گا کہ تیل زمین میں کس جگہ پر ہے۔ یہ سارا کام زندہ لاش کرے گی، مگر وہ یہ ظاہر

ے گا کہ وہ خود زمین کو دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ زمین میں کس جگہ تیل ہے۔ لاش تو غائب ہوگی اور کسی کو نظر ہی نہیں آ رہی ہوگی۔ یوں زندہ لاش زوناش کا ہونا ڈاکٹر پرویز کے لیے کھل جا سم سم کا خزانہ کھول دینے کے برابر تھا۔

مگر ابھی لاش صرف انگریزی زبان سمجھ سکتی تھی، اردو زبان سمجھ سکتی تھی اور ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "اب اس لاش کو اسی لیبارٹری میں بند کر یں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ملک میں بلکہ اس شہر میں اشوں، منشیات فروشوں اور سمگلروں کے اڈے کہاں کہاں ہیں اور لاش کی مدد انہیں قانون کے حوالے کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز کو معاشرے کی بھلائی کے کاموں سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں تھی۔ وہ لاش کی مدد سے کسی بینک میں ڈاکہ ڈلوانا چاہتا تھا لیکن دارا کی وجہ سے وہ ابھی نہیں کر سکتا تھا اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ ابھی ڈاکٹر دارا ل کر شہر کے بدمعاشوں اور منشیات فروشوں کو پکڑواتے ہیں۔ اس کے بعد میں کام بھی لاش کی مدد سے کروانا شروع کر دوں گا اور ڈاکٹر دارا کو بالکل نہیں بتاؤں کہ میں لاش کی مدد سے بینکوں کی دولت سمیٹ رہا ہوں۔ پرویز نے دارا سے کہا۔ نشیات فروشوں کو پکڑوانے کے لیے ضروری ہے کہ لاش کو پہلے ان کے اڈے ائے جائیں۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ابھی ہمیں خود نہیں پتہ کہ ان سمگلروں کے اڈے کہاں ۔ زندہ لاش کو کہاں سے بتائیں گے؟ پہلے ہم خود معلوم کرتے ہیں پھر لاش کو تھ لے چلیں گے۔ یہ تو غائب ہو گی، کسی کو نظر نہیں آ سکے گی۔ ہم اسے اڈوں ، قریب لے جا کر چھوڑ دیں گے۔ یہ انہیں پکڑ کر لے آئے گی۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ تو کل سے یہی کام شروع کرتے ہیں۔"

انہوں نے زندہ لاش کو حکم دیا کہ وہ سٹریچر پر گہری نیند سو جائے۔ اچانک ڈاکٹر را کو خیال آیا کہ زندہ لاش کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے یہ زیادہ دیر کیسے زندہ رہے گی؟

اس نے پرویز سے بات کی تو وہ مسکرا دیا۔ کہنے لگا۔ ”تم ڈاکٹر ہو کر اس قسم کی
کرتے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اس زندہ لاش کے پیٹ میں نہ انتڑیاں ہیں
کوئی معدہ ہے۔ صرف سرد خون کی ہلکی سی مقدار ہے جو دل کی معمولی دھڑکن
اس کے جسم میں گردش کر رہی ہے۔ اس کے جسم کے ٹشوز کے بیکٹیریا ا
خوراک مہیا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ایک قسم کا روبوٹ ہے۔ اگر اس کے
نے کبھی دھڑکنا بند بھی کر دیا یا اس کو گولیاں بھی لگیں تو لاش پر کوئی اثر نہیں
لاش کا دماغ اور ہاتھ پاؤں پھر بھی کام کرتے رہیں گے۔ اصل میں یہ لاش آسما
کی توانائی سے زندہ ہے۔ اسی توانائی نے اس کے اندر حیرت انگیز طاقت پیدا
ہے اور یہ توانائی اس کے اندر ایک ہزار سال تک اسے زندہ رکھنے کے لی
ہے۔“

ڈاکٹر دارا کا حیرت کے مارے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سر کو ہلاتے ہوئے
”پرویز! یہ ہم نے کیا عفریت بنا ڈالا ہے۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔“

ڈاکٹر پرویز نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”ایسا وقت آیا تو ہم بڑی آسانی سے ا
ضائع کر سکتے ہیں۔ اس کا گر بھی مجھے آتا ہے۔“

لاش نے ڈاکٹر پرویز کا حکم سن لیا تھا۔ اس کے دماغ میں ریموٹ کے
بھی پہنچ چکے تھے۔ لاش سٹریچر پر لیٹ گئی اور دوسرے لمحے وہ گہری نیند سو ر
اور اس کے حلق سے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔

دونوں ڈاکٹروں نے لیبارٹری کا آہنی دروازہ بند کر کے کمپیوٹرائزڈ تالا
وہاں سے سیدھا ہسپتال اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔

دوسرے روز ہی اخبار میں خبر چھپی کہ پولیس نے شہر کے چار بدنام
اور منشیات کے سمگلروں کو گرفتار کیا ہے جنہوں نے ایک بیوہ عورت کی
اجتماعی زیادتی کرنے کے بعد قتل کر ڈالا ہے۔ پولیس نے عین موقع پر انہیں گ
کے حوالات میں بند کر دیا ہے۔ اخبار نے آخر میں لکھا تھا کہ یہ بڑے نامی گرا

اور بڑے بااثر ہیں اور کروڑوں روپے کے مالک ہیں۔ خیال یہی ہے کہ عدالت
پیش ہونے کے فوراً بعد ان کی ضمانت ہو جائے گی اور یہ لوگ صاف بچ جائیں
اور کیس آہستہ آہستہ لمبا کر دیا جائے گا اور ایک دن اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔

اس خبر کو سب سے پہلے دارا نے پڑھا۔ اس نے یہ خبر ڈاکٹر پرویز کو بھی
ائی اور کہا۔ ”لاش کو آزمانے اور معاشرے کو گندے عناصر سے پاک کرنے کا یہ
ی موقع ہے۔ یہ چاروں جرائم پیشہ بدمعاش اس وقت پولیس کی حراست میں ہیں
شہر کے بڑے تھانے کی حوالات میں بند ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ بچ
یں گے اور ایک بار پھر معاشرے میں گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے کے لیے شہر
دندناتے پھریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان کو زندہ لاش کی مدد سے حوالات کے
رہی ختم کرا دیں تاکہ معاشرے سے ان چار بدمعاشوں کی گندگی صاف ہو اور
ں اپنے گھناؤنے جرم کی سزا بھی مل جائے۔“

ڈاکٹر پرویز کو اس قسم کی باتوں سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن اس نے
ا کی مدد سے اپنے دشمن بھی قتل کروانے تھے‘ اس لئے وہ لاش کو آزمانا چاہتا تھا
یہ لاش کی کارکردگی کو آزمانے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔
ا کو شام کا اندھیرا ہوتے ہی اپنے ساتھ شہر کے صدر تھانے کی حوالات دکھا دیتے
اور مجرموں کی نشان دہی بھی کرا دیتے ہیں۔“

چاروں مجرموں کی اخباروں میں تصویر چھپی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز اور دارا ان
شکلیں پہچان سکتے تھے۔

جب شام گہری ہو گئی تو وہ گاڑی لے کر آسیبی قلعے کی طرف چلے گئے۔
رٹری میں جا کر دیکھا۔ بتی جل رہی تھی اور لاش سٹریچر پر نظر نہیں آ رہی تھی۔
ال نے مخصوص عینکیں آنکھوں پر لگا لیں۔ اب انہیں لاش نظر آنے لگی تھی۔
رہ لاش سٹریچر پر گہری نیند سو رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر
ا کو حکم دیا۔ ”زوناش! اٹھ کر ہمارے پیچھے پیچھے چلو۔“

زندہ لاش ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر سٹریچر سے اتر کر ڈاکٹر پرویز
ڈاکٹر دارا کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ لاش کو صرف دونوں ڈاکٹر ہی دیکھ سکتے تھے کہ
انہوں نے خاص عینکیں لگا رکھی تھیں۔ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے پرویز نے لا
لیبارٹری کے باہر کھڑے ہونے کا حکم دیا اور لیبارٹری کو تالا لگانے لگا۔ اس کے بع
لاش کو اپنے پیچھے پیچھے چلاتے ہوئے قلعے کے باہر لے آئے۔ باہر ان کی گاڑی
تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کا بٹن دبا کر لاش کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کی پچھلی سی
بیٹھ جائے۔ لاش گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں ڈاکٹر گاڑی کی اگلی سی
بیٹھ گئے اور گاڑی قلعے کی پرانی سڑک سے اتر کر شہر کے صدر پولیس سٹیش
طرف چل پڑی۔ اگر باہر سے کوئی گاڑی کو دیکھتا تو اسے گاڑی میں صرف دو آ
بیٹھے ہوئے نظر آتے کیونکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی لاش غیبی حالت میں تھی۔
وہ سوائے ڈاکٹر دارا اور ڈاکٹر پرویز کے اور کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔
وہ لاش کو شہر کے صدر پولیس سٹیشن لے گئے۔ گاڑی تھانے کے احاطے
داخل کر کے ایک طرف کھڑی کی اور ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر
کو آہستہ سے کہا۔ ”جب تک ہم واپس نہ آئیں گاڑی میں بیٹھے رہو۔“
گاڑی کو لاک کر کے وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر ایس ایچ او کے
میں آ گئے۔ وہاں ایک ہیڈ کانسٹیبل بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر دارا نے کہا۔ ”ہم ر
”انقلاب“ اخبار کے دفتر سے آئے ہیں۔ ہمیں یہ پوچھنا ہے کہ ایک عورت
ساتھ اجتماعی زیادتی اور اس کے قتل کے جو ملزم پولیس نے گرفتار کئے ہیں وہ حو
میں ہی ہیں یا انہیں جیل بھیج دیا گیا ہے۔“
ہیڈ کانسٹیبل نے بیزاری سے کہا۔ ”حوالات میں ہی ہیں، کیوں کیا بات
آپ لوگ ان کی کوئی سفارش لائے ہیں؟“
ڈاکٹر دارا بولا۔ ”جی نہیں بلکہ ہم تو خوش ہیں کہ ایسے سماج دشمن ع
پولیس نے پکڑا ہوا ہے۔ کیا ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں ایک نظر؟“

ہیڈ کانسٹیبل نے سامنے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”دیکھ لیں وہ
منے سلاخوں کے پیچھے بیٹھے ہیں۔“
ایس ایچ او کے آفس کے بالکل سامنے حوالات تھی۔ دارا اور پرویز اٹھ کر
ں تک گئے۔ چاروں کے چاروں ملزم حوالات کے اندر سلاخوں کے پیچھے بیٹھے تھے
سگریٹ پیتے ہوئے ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر مذاق کر رہے تھے۔ انہیں
ئی فکر نہیں تھا' کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ بہت جلد بلکہ صبح تک حوالات سے
ٹ جائیں گے اور دوبارہ جرائم کا ارتکاب کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔ چاروں
کٹے تھے۔
انہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد دونوں ڈاکٹر گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر پرویز
ریموٹ کنٹرول کے بٹن کو دباتے ہوئے لاش سے کہا۔ ”زوناش! وہ سامنے تھانے
حوالات ہے اس حوالات میں چار آدمی بیٹھے سگریٹ پی رہے ہیں۔ ان چاروں کی
رگردنیں اتار ڈالو۔ اس کے بعد گاڑی میں اسی جگہ آ کر بیٹھ جانا۔ جاؤ۔“
ڈاکٹر پرویز کا خیال تھا کہ اسے گاڑی کا دروازہ کھول کر لاش کو باہر جانے کے
راستہ دینا پڑے گا لیکن دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ بڑی تیزی سے ترقی
ڑی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ لاش نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور
نکل گئی۔ ڈاکٹر نے گاڑی کا دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔ وہاں رکنے کا ایک بہانہ
نے کے لیے ڈاکٹر پرویز نے گاڑی کا یونٹ اوپر اٹھایا اور یونہی اندر ہاتھ ڈال کر
ظاہر کرنے لگا جیسے ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔
مگر وہ یونٹ کی اوٹ سے لاش کو برابر تھانے کی طرف جاتا دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر
اتار کر اس کے شیشے صاف کرنے لگا۔ اس وقت اسے لاش بالکل نظر نہ آئی۔
نے جلدی سے عینک لگا لی۔ گاڑی کے اندر بیٹھا ہوا ڈاکٹر دارا بھی آنکھوں پر
چڑھائے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ ”پرویز! جس کام کی غرض سے ہم
زوناش کو بھیجا ہے' تمہارے خیال میں وہ یہ کام کر دے گی؟“

"کیوں نہیں کرے گی؟" ڈاکٹر پرویز نے کہا۔

دارا کہنے لگا۔ "ہم تھانے کے باہر نہ چلے جائیں؟ یہاں ابھی بڑا شور شرابا والا ہے۔"

پرویز نے اسے ذرا سا ڈانٹ کر کہا۔ "تم ڈرتے ہو تو باہر چلے جاؤ۔ میں تو رہوں گا۔ اسی واسطے میں یہ بہانہ بنا رہا ہوں کہ گاڑی خراب ہو گئی ہے۔"

دونوں ڈاکٹر چوری چوری نظروں سے لاش کو دیکھ رہے تھے۔ لاش برآ کی سیڑھیاں چڑھ کر حوالات کی طرف بڑھی۔ زوناش کی کھوپڑی کے اندر چونکہ کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ پلانٹ کیا ہوا تھا اور اس نے کام بھی کرنا شروع دیا تھا۔ اس لئے لاش بڑی خوشی خوشی چار آدمیوں کو قتل کرنے جا رہی تھی۔

ڈاکٹر دارا نے تشویش کے ساتھ کہا۔ "یار! یہ حوالات کی سلاخوں کے کیسے جائے گی؟"

پرویز نے کہا۔ "وہ غائب ہے۔ صرف ہمیں نظر آ رہی ہے۔ وہ سلاخوں سے گزر جائے گی۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ لاش ان دونوں ڈاکٹروں کے دیکھتے دیکھتے حوالات کی میں سے گزر گئی۔ حوالات میں بتی جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں بدمعاش قاتل بیٹھے ہوئے صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کے دیکھتے دیکھتے لاش حوالات میں جاتے ہی ایک قاتل کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کی گردن جھٹکے سے اس کے جسم سے الگ کر کے پھینک دی۔ حوالات میں ہڑبونگ دوسرے قاتلوں نے شور مچا دیا اور حوالات میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دیکھتے دیکھتے ان کے کس نے اوپر اٹھایا اور اس کی گردن الگ کر دی ہے۔ اتنے میں لاش نے د اور پھر تیسرے قاتل کی بھی گردن جسم سے الگ کر دی۔ چوتھا قاتل چیخ سلاخوں پر زور سے ہاتھ مارنے لگا۔ "مجھے باہر نکالو' مجھے باہر نکالو۔"

ہیڈ کانسٹیبل اور دوسرے تین سپاہی حوالات کی طرف دوڑے۔ حوالات کے خون ہی خون تھا۔ تینوں قاتلوں کے کٹے ہوئے سر فرش پر ایک طرف پڑے تھے ان کی گردنوں سے خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ ایک سپاہی جلدی جلدی ت کا تالا کھولنے لگا۔ مگر اس دوران لاش نے چوتھے قاتل کو بھی پکڑ لیا تھا اور ں والوں کے دیکھتے دیکھتے چوتھا قاتل اپنے آپ زمین سے چار فٹ اوپر کو اٹھا اور ں کا سر تن سے جدا ہو کر زور سے سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر لڑھک اور دھڑ خونم خون ہو کر نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور تینوں سپاہیوں کو سکتہ ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں لاشوں اور چاروں کٹے ہوئے ں کو تک رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کس نے ہے؟ کون کر رہا ہے اور کیسے ہو گیا ہے؟

اپنے کام سے فارغ ہو کر لاش ڈاکٹروں والے سبز لمبے اوور کوٹ اور سفید میں ملبوس حوالات سے باہر نکل کر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر قدم قدم چلتی ں کی طرف بڑھی۔ دونوں ڈاکٹر حیرانی کے ساتھ لاش کے ہاتھوں چاروں قاتلوں جرائم پیشہ بدمعاشوں کو قتل ہوتے دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے جلدی سے ں کا بونٹ گرا دیا۔ لاش گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تھانے میں ایک ہنگامہ خیز چ گیا تھا۔ سپاہی خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔

ڈاکٹر پرویز نے گاڑی سٹارٹ کر کے احاطے سے باہر نکال لی۔ ڈاکٹر دارا خوش بولا۔ "قدرت کی طرف سے ان بدمعاشوں کو ایک غریب بیوہ کی بچی سے زیادتی نے کی پوری سزا مل گئی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز بھی بہت خوش تھا۔ وہ اس لئے نہیں خوش تھا کہ قتل اور اجتماعی ں کے مجرم کیفر کردار کو پہنچے تھے' بلکہ وہ اس لئے خوش تھا کہ اس کے بنائے ئے نقلی آدمی نے اس کے حکم کی باقاعدہ تعمیل کی تھی اور اس کا تجربہ کامیاب رہا دنیا کے سب سے بڑے قاتل کی لاش اپنے طور پر خوش تھی۔ وہ اس لئے خوش

تھی کہ انسانوں کو ایک مدت کے بعد قتل کرنے کا اس کا نشہ پورا ہو گیا تھا۔

وہ لاش کو وہاں سے سیدھا آسیبی قلعے میں لے گئے اور لیبارٹری کے تہ
میں لے جا کر بند کر دیا۔ پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر لاش کو حکم دیا
سٹریچر پر لیٹ کر سو جائے۔ لاش سٹریچر پر لیٹ گئی اور فوراً ہی سو گئی اور اس کے
سے خراٹوں کی ہلکی ہلکی خرخر سنائی دینے لگی۔ دونوں ڈاکٹر بھی لیبارٹری کو تا
واپس اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اور شہر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں وہ
بھی کرتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر دارا کہہ رہا تھا۔ "آج ہم نے نیکی کا بڑا اہم کام
اور اپنے ملک کے معاشرے کو چار گندے عناصر سے پاک کر دیا ہے۔ اسی ط
دوسرے بدمعاشوں اور غنڈوں کا بھی صفایا کر دیں گے۔"

ڈاکٹر پرویز نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل ٹھیک کہ
ہو۔ ہم انشاء اللہ ایسا ہی کریں گے۔"

لیکن اس کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر
ڈاکٹر پرویز کے دماغ اور دل پر شیطانی طاقتوں نے قبضہ کر رکھا تھا بلکہ ڈاکٹر پ
حرص و ہوس اور دنیاوی دولت کے لالچ میں آ کر اپنا آپ خود شیطانی طاقت
حوالے کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس روز اسے لاش کے ذریعے ا
پرانے دشمن کو قتل کروا دینا چاہیے۔ ہسپتال کا ایک سینئر ڈاکٹر اس کے خلا
ڈاکٹر پرویز یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے خلاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ سینئر ڈاک
پرویز کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں اور ہسپتال کی نرسوں وغیرہ سے محبت ک
بڑھانے کے خلاف تھا۔ سینئر ڈاکٹر نے ڈاکٹر پرویز کو کئی بار کہا تھا کہ ڈاکٹر
ایک معزز پیشہ ہے' اسے اپنے کردار کو اعلیٰ اور ڈاکٹری کے پیشے کے لائق
حامل بنانا چاہیے۔ اس نے ڈاکٹر پرویز کو کئی بار سمجھایا تھا مگر ڈاکٹر پرویز پ
عادتوں کی وجہ سے سینئر ڈاکٹر کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ا
ڈاکٹر پرویز نے ہسپتال کے خاص فنڈ سے کچھ روپے غبن بھی کر لئے تھے'

رے میں سینئر ڈاکٹر نے ڈاکٹر پرویز کے خلاف دیانتداروں کے ساتھ پوری رپورٹ
لکھ کر سیکرٹری ہیلتھ کو بھجوا دی تھی اور ڈاکٹر پرویز کے خلاف بھی انکوائری ہو رہی
تھی۔ چنانچہ جب ڈاکٹر پرویز نے اپنی بنائی ہوئی لاش کی کارکردگی دیکھی اور لاش نے
س کے دیکھتے دیکھتے چاروں غنڈوں کو قتل کر دیا اور لاش کسی کو نظر بھی نہیں آ رہی
تھی تو ڈاکٹر پرویز نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ سب سے پہلے اپنے دشمن سینئر ڈاکٹر
کو لاش کے ہاتھوں قتل کروائے گا۔

ڈاکٹر دارا گاڑی میں ڈاکٹر پرویز کے ساتھ بیٹھا لاش کے ذریعے معاشرے کی
بھلائی اور گندے عناصر سے معاشرے کو صاف کرانے کے بارے میں سوچ رہا تھا
اور ڈاکٹر پرویز سوچ رہا تھا کہ وہ کس روز اور کس وقت لاش کو خفیہ طور پر سینئر ڈاکٹر
کے پاس بھیج کر اسے قتل کروائے۔ وہ یہ کام ڈاکٹر دارا سے چھپ کر کرنا چاہتا تھا اس
خیال سے کہ ڈاکٹر دارا کو علم نہ ہو۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ وہ لاش کے
ذریعے سینئر ڈاکٹر کا سر تن سے جدا نہیں کرائے گا کیونکہ اس طرح ڈاکٹر کو پتہ چل
جائے گا کہ یہ زوناش کا ہی کام ہے بلکہ وہ لاش کے ذریعے سینئر ڈاکٹر کو ہسپتال کی
سب سے اوپر والی منزل کی چھت سے نیچے پھنکوا دے گا تاکہ ہر کسی کو یہی شک
پڑے کہ ڈاکٹر چھت پر ٹہل رہا ہو گا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ
سکا اور نیچے گر پڑا۔ غیبی لاش کو تو کوئی دیکھے گا نہیں۔ سب کو یقین آ جائے گا کہ سینئر
ڈاکٹر اپنی غلطی سے نیچے گر پڑا تھا۔

ڈاکٹر پرویز نے ہسپتال پہنچتے پہنچتے اپنے ذہن میں لاش کے ہاتھوں سینئر ڈاکٹر کو
قتل کرنے کا مذموم منصوبہ بالکل پکا کر لیا۔ دارا کو اس نے ہوسٹل اتار دیا اور خود
ہسپتال آ گیا۔ وہ اپنا زیادہ وقت ہسپتال میں مریضوں کی سرسری دیکھ بھال اور ہسپتال
کے مردہ خانے میں لاوارث لاشوں کی چیر پھاڑ کرتے گزارتا تھا' اس کی مجرمانہ ذہنیت
کے مالک دماغ کو لاشوں کی چیر پھاڑ سے ایک قسم کی جنسی خوشی ملتی تھی۔ اس کے
علاوہ اس کا ایک نرس سے معاشقہ بھی چل رہا تھا۔ اس نرس کو ڈاکٹر پرویز نے شادی

کا جھانسہ دے رکھا تھا اور اس سے عیاشی کرتا تھا۔ اس نرس کے علاوہ ڈاکٹر پرویز
شہر کی ایک طوائف سے بھی عشق چل رہا تھا مگر وہ طوائف کے پاس کبھی کبھار ہی
جاتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کے ماں باپ انتقال کر چکے تھے اور گھر میں اپنے چچا کے ساتھ
رہنے کو اس کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا۔ بس رات کو سونے کے واسطے گھر چلا جاتا تھا۔
اس نے سوچ رکھا تھا کہ عنقریب کالج کے ہوسٹل میں کمرہ لے کر رہنے لگوں گا۔

اگلے دن ڈاکٹر دارا اسے ہسپتال میں ملا اور کہنے لگا۔ ”اخبار میں جرائم کی
خبریں آج بھی چھپی ہیں مگر مجرم جرم کر کے روپوش ہو جاتے ہیں۔ میں کسی ایسی خبر
کی تلاش میں ہوں کہ مجرم جرم کرنے کے بعد پکڑا جائے اور ہم اسے عدالتوں کے
چکر میں پڑنے سے پہلے ہی کیفر کردار تک پہنچا دیں۔“

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ ”ہمیں اس معاملے میں اتنی بے صبری سے کام نہیں لینا
چاہئے۔ ذرا سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری نیکی برباد ہو
جائے اور گناہ لازم ہو جائے۔ آج کے اخباروں میں صدر تھانے میں چار مجرموں کے
پراسرار قتل کی پوری خبر چھپی ہے۔ ساتھ تصویریں بھی ہیں۔ سی آئی ڈی الرٹ ہو
گئی ہے کیونکہ قاتل کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ مگر ایک تشویش ناک جملہ خبر کے آخر
میں اخبار میں چھپا ہے۔ شاید اس پر تمہاری نظر نہیں پڑی۔ خبر کے آخر میں لکھا ہے
کہ تھانے کے احاطے میں کسی انسان کے ننگے پیروں کے نشان پولیس کو ملے ہیں جو
کافی بڑے پاؤں کے ہیں۔ پولیس یہ سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے کہ اتنے لمبے
پاؤں کس آدمی کے ہو سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ ”پولیس اس کا سراغ کبھی بھی نہیں لگا سکتی۔ ویسے احتیاط
کے طور پر ہمیں زوناش کی لاش کے پاؤں میں پلین یعنی صاف تلے کے جوتے پہنا
دینے چاہئیں۔“

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ ”اس کے سائز کے جوتے کہاں سے ملیں گے۔ اس کا
ناپ لے کر کسی موچی کے پاس جوتے بنوانے گئے تو خطرہ ہے کہ بات باہر نہ نکل

ے کیونکہ یہ بات شہر میں عام پھیل گئی ہے کہ جس پراسرار قاتل نے حوالات میں
ملزموں کو قتل کیا ہے اس کے پاؤں عام آدمی کے سائز سے بڑے لمبے تھے۔“
دارا کہنے لگا۔ ”پھر لاش کے جوتے نہیں بنواتے مگر آگے سے ہمیں احتیاط
نی ہوگی۔ ایسی کوئی بھی واردات کرنے ہم لاش کو جہاں بھیجیں وہاں پر اس کے
ں کے نشان ہمیں مٹا دینے ہوں گے۔“

ڈاکٹر پرویز نے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”ہاں بھائی ایسا ہی کریں گے لیکن ہمیں
ہ دیر خاموش رہنا چاہئے۔ کم از کم دو مہینے لاش سے کوئی واردات نہیں کروانی
ہئے۔ اگر ہم اپنی کسی غفلت کی وجہ سے پکڑے گئے تو ہو سکتا ہے ہم پر ملزموں کو
کروانے کا مقدمہ بن جائے۔“

ڈاکٹر دارا بھی اندر سے کچھ ڈر گیا کہ واقعی کہیں نیکی کرتے کرتے ان پر کوئی
بت نہ آن پڑے اور کچھ نہیں تو ان کا ڈاکٹری کا لائسنس تو ضرور منسوخ ہو جائے

دوسری طرف ڈاکٹر پرویز نے اپنے دشمن سینئر ڈاکٹر کو قتل کروانے کے
دبے پر کام شروع کر دیا۔ سینئر ڈاکٹر اپنے ہسپتال والے آفس میں دن کے دس
آتا تھا اور بارہ بجے تک بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد شام کو چار بجے آتا تھا اور وارڈ
راؤنڈ لگانے کے بعد چھ بجے دوبارہ آفس میں آ جاتا تھا اور آٹھ بجے تک بیٹھتا
ڈاکٹر پرویز نے رات کو سات اور آٹھ بجے کے درمیان سینئر ڈاکٹر کو قتل کروانے
نصوبہ بنایا۔ وہ یہ کام بہت جلدی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ صرف سینئر ڈاکٹر سے
رپرویز کی دشمنی اور اس کے خلاف کی جانے والی انکوائری تھی۔ سینئر ڈاکٹر نے
ری بورڈ میں ڈاکٹر پرویز کے خلاف گواہی دینی تھی اور بورڈ پندرہ دن کے بعد
والا تھا۔ اگر فیصلہ ڈاکٹر پرویز کے خلاف ہوتا ہے تو اس کا اثر ڈاکٹر پرویز کے
ر پر پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر پرویز یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن وہ ڈاکٹر دارا کے ساتھ شام کے وقت قلعے کی لیبارٹری میں گیا۔

زوناش کی لاش اسی طرح سٹریچر پر گہری نیند سو رہی تھی۔ دونوں ڈاکٹروں نے لاش نبض چیک کی۔ لاش کا دل اپنی مخصوص رفتار سے آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا۔ لا گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک دونوں ڈاکٹر لاش کے پاس رہے پھر ہسپتا واپس آ گئے۔ پرویز نے دارا سے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں لاش کو کم از تین چار دنوں کے لئے اکیلے ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ میرا خیال ہے نیند کا لاش کے ذ پر صحت مند اثر پڑے گا۔ ویسے بھی ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "ہم تین دن قلعے میں نہیں جائیں گے۔"

لیکن ڈاکٹر کے ذہن میں تو کوئی دوسرا پروگرام تھا۔

وہ دوسرے ہی دن شام ہوتے ہی آسیبی قلعے میں پہنچ گیا۔ آج اس نے ا دشمن سینئر ڈاکٹر کو قتل کروانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس نے دارا سے کہا کہ وہ ا ایک جاننے والے کی سفارش کے سلسلے میں دوسرے ہسپتال میں جا رہا ہے۔ وا اسے رات ہو جائے گی اور گاڑی میں بیٹھ کر سیدھا آسیبی قلعے کی طرف چل پڑ گاڑی قلعے کے احاطے میں کھڑی کر کے وہ سیدھا لیبارٹری کے تہہ خانے میں آگ احتیاط کے طور پر وہ ریموٹ کنٹرول ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھتا تھا۔ اس نے لیبارٹر دروازہ کھول کر دیکھا۔ بتی جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں زوناش کی لاش سٹر پر اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ لیبارٹری میں داخل ہونے سے پہلے مخصوص لینز عینک آنکھوں پر لگانی بھول گیا تھا۔ اس نے جلدی سے جیب میں سے عینک نکال لگائی اور اس کے بعد سٹریچر پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ زوناش کی لاش سٹریچر پر پڑی تھ وہ اس کے قریب آ گیا۔ لاش ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی۔

اس وقت شام کے پانچ بجنے والے تھے۔ سردیوں کے موسم میں پانچ بجے ش کو ہی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر پرویز لاش کو ساتھ لے کر چھ اور سات بجے درمیان ہسپتال پہنچ جانا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر دارا ہوسٹل میں تھا۔ اس کا آج ناغہ تھا اسے آج ہسپتال نہیں آنا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لے کر اس

ں بٹن دبایا اور لاش سے کہا۔ "زوناش! جاگو اور اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

زوناش کی لاش ایک جھٹکے سے جاگ پڑی اور اٹھ کر سٹریچر پر بیٹھ گئی۔ پرویز نے کہا۔ "میں جو تمہیں کہوں اسے غور سے سنو۔ سٹریچر سے اٹھ کر میرے پیچھے پیچھے آؤ اور میرے ساتھ باہر گاڑی میں آ کر بیٹھ جاؤ۔"

ڈاکٹر یہ تجربہ بھی کرنا چاہتا تھا کہ لاش لمبے لمبے فقرے سمجھتی ہے کہ نہیں۔ چونکہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ اسے حکم نہیں دینا چاہتا تھا۔ زوناش کی لاش کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کا پورا فقرہ سن لیا تھا اور اسے سمجھ بھی لیا تھا۔ لاش سٹریچر پر سے اٹھی اور ڈاکٹر پرویز کے پیچھے چل پڑی۔ ڈاکٹر اسے لے کر اور لیبارٹری کو تالا لگا کر تہہ خانے سے نکل کر آسیبی قلعے سے باہر آ گیا۔ احاطے میں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے لاش کو دوسری بار بالکل حکم نہ دیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لاش نے اس کے پورے جملے کو ذہن نشین کر لیا ہے کہ نہیں۔ اس نے گاڑی کے پاس جا کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بڑا خوش ہوا کہ لاش گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر پرویز اگلی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ڈاکٹر پرویز نے عینک لگا رکھی تھی۔ اس عینک کے شیشے معمولی سے سبزی مائل تھے اور رات کو دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی اور سب کچھ واضح طور پر نظر آتا تھا۔ چنانچہ جب وہ لاش کے ساتھ ہوتا تھا تو یہ عینک آنکھوں پر لگائے رکھتا تھا تا کہ وہ لاش کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکے۔ اس نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں سے پچھلی سیٹ پر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر اسے لاش خاموش بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے یونہی عینک تھوڑی دیر کے لیے اتار کر دیکھا تو لاش سیٹ پر دکھائی نہ دی۔ اس نے عینک دوبارہ لگائی' لاش پھر نظر آنے لگی۔ ڈاکٹر مطمئن ہو گیا۔ ہسپتال پہنچنے کے بعد اس نے گاڑی ہسپتال کے ہیڈ آفس کے باہر کھڑی کی اور لاش سے مخاطب ہو کر کہا۔ "زوناش! تم خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے آؤ گے۔ جہاں میں تمہیں کھڑا ہونے کو

کہوں گا' وہاں تم کھڑے ہو جاؤ گے۔ جب تک میں تمہیں یہ نہ کہوں کہ آجاؤ
وہیں کھڑے رہو گے۔ کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟"

لاش کے حلق سے عجیب سی کمزور آواز نکلی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے لاش نے کہنے کی کوشش کی ہو کہ میں سن رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے محسوس کیا کہ لاش کا آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے اور اس کی نشو و نما ہو رہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ روز لاش باتیں بھی کرنی شروع کر دے۔ ڈاکٹر نے گاڑی سے باہر نکل کر دروازہ کر دیا۔ اس نے جان بوجھ کر گاڑی ایسی جگہ کھڑی کی تھی جہاں اندھیرا تھا۔ یہ اہتمام اس نے اس لئے کی تھی کہ جب لاش پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلے تو دیکھ کر حیران نہ ہو کہ اس گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ اپنے آپ کھل کر کیسے ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کے باہر نکلنے کے بعد زوناش کی لاش بھی اپنے آپ دروازہ کھول گاڑی سے باہر نکل آئی۔ ڈاکٹر پرویز ہسپتال کے ہیڈ آفس کی طرف چل پڑا۔ لاش اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ڈاکٹر پرویز اپنے دشمن سینئر ڈاکٹر کے کمرے کے باہر جا رک گیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ لاش کو سینئر ڈاکٹر کا چہرہ دکھانے لیے لایا تھا۔ برآمدے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

آفس کے بند دروازے کے پاس ڈاکٹر رک گیا' لاش بھی رک گئی۔ ڈاکٹر لاش کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔ "اس کمرے میں ایک آدمی کرسی پر بیٹھا ہو اس کو غور سے دیکھ لینا۔ جب میں کمرے میں داخل ہو جاؤں تو تم کمرے کے اندر کر دروازے کے پاس ہی کھڑے ہو جانا۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر پرویز نے دروازے کی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ اندر اس کا دشمن سینئر ڈاکٹر کام کر رہا تھا۔ اس کی آواز آئی۔ "یس' اندر آ جاؤ۔"

ڈاکٹر پرویز دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی زوناش لاش بھی کمرے میں داخل ہو گئی اور دروازے کے ساتھ ہی دیوار کے ساتھ لگ کھڑی ہو گئی۔ اگرچہ یہ دونوں ڈاکٹر ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے مگر ا

دوسرے کو ہمیشہ بظاہر بڑے اخلاق اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے اپنے دشمن کو سلام کیا۔ سینئر ڈاکٹر نے بھی مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ سینئر ڈاکٹر نے ڈاکٹر پرویز کی عینک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر پرویز! یہ تم نے عینک کب سے لگانی شروع کر دی ہے؟"

پرویز عینک اتار کر رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "زیرو نمبر کی ہے۔ آئی سائٹ چیک کروائی تھی' ڈاکٹر رمضان نے کہا زیرو نمبر کسی وقت لگا لیا کرو۔"

اس دوران ڈاکٹر پرویز نے پیچھے گردن موڑ کر دروازے کو دیکھا چونکہ اس نے عینک اتاری ہوئی تھی اس لئے دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی زوناش کی لاش اسے نظر نہ آئی۔ اس نے عینک لگائی اور لاش دوبارہ نظر آنے لگی۔ سینئر ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دروازے کی طرف کیا دیکھ رہے ہو ڈاکٹر؟ فکر نہ کرو دروازہ اپنے آپ بند ہو جاتا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "آج بڑی سردی ہے۔ سوچا کہیں دروازہ کھلا نہ رہ گیا ہو۔"

سینئر ڈاکٹر نے پوچھا۔ "کہو کیسے آنا ہوا؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ڈاکٹر پرویز نے دل میں کہا۔ خدمت تو میں تمہاری آج کرنے والا ہوں۔ لیکن اوپر سے کہا۔ "میں کسی خاص کام سے نہیں آیا۔ بس اوپر اپنے وارڈ میں جا رہا تھا کہ آپ کے آفس پر نظر پڑی' سوچا سلام کرتا جاؤں۔"

سینئر ڈاکٹر بولا۔ "آپ نے بڑی مہربانی فرمائی' اس وقت میں ذرا مصروف ہوں۔ سالانہ رپورٹ تیار کر رہا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں' آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بھی چلتا ہوں' پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ!" اور سینئر ڈاکٹر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

ڈاکٹر پرویز اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ زوناش کی لاش دروازے کے پار کھڑی تھی۔ وہ سینئر ڈاکٹر کو گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے لاش کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "زوناش! میرے پیچھے آ جاؤ۔"

لاش ڈاکٹر کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آ گئی۔ سخت سرد شام تھی۔ برآمدہ بالکل خالی تھا' آس پاس کوئی آدمی نہیں تھا۔ ڈاکٹر پرویز لاش کو ساتھ لے کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے لاش سے کہا۔ "زوناش! غور سے سنو۔ یہ جو آدمی اندر دفتر میں بیٹھا ہوا ہے' اس کے کمرے میں جا کر پہلے اس کی گردن دبا کر اسے بے ہوش کرو پھر اسے اٹھا کر بلڈنگ کی سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر چھت پر جاؤ اور اسے چھت پر سے زور سے گھما کر نیچے پھینک دو اور فوراً میرے پاس واپس آ جاؤ۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں کیا تم سمجھ گئی ہو؟"

لاش کے حلق سے ایک عجیب آواز نکلی۔ جیسے لاش کہہ رہی ہو ہاں' میں سمجھ گیا ہوں۔ لاش دروازہ کھول کر دوبارہ سینئر ڈاکٹر کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہاں اندھیرا تھا۔ سردی کی وجہ سے ابھی تک ادھر سے کوئی انسان نہیں گزرا تھا۔ کسی نے ڈاکٹر پرویز کو گاڑی میں بیٹھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ لاش سینئر ڈاکٹر کے کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے میں گھس گئی۔ کمرے میں سے ایسی آواز آئی جیسے سینئر ڈاکٹر نے کسی کو مدد کے لیے پکارا ہو مگر اس کی آواز دب گئی۔ دوسرے لمحے زوناش کی لاش کمرے میں سے باہر آ گئی۔ اس نے بے ہوش سینئر ڈاکٹر کو کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی اوپر جانے والا زینہ تھا۔ لاش زینے میں غائب ہو گئی۔ چند لمحوں کے بعد پرویز نے ایسی آواز سنی جیسے بلڈنگ کی دوسری طرف کسی نے اوپر سے آٹے کی بوری نیچے پھینک دی ہو۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ اتنے میں لاش بڑے اطمینان سے زینے میں نمودار ہوئی اور قدم قدم چلتی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر پرویز نے گاڑی آگے بڑھائی اور اسے نکال کر باہر سڑک پر لے آیا۔

سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اس کا رخ آسیبی قلعے کی طرف تھا۔ ریموٹ کنٹرول اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ قلعے میں آتے ہی اس نے زوناش کی لاش کو لیبارٹری کے سٹریچر پر بٹھایا اور ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر لاش سے کہا۔ "سٹریچر پر لیٹ کر گہری نیند سو جاؤ۔"

لاش سٹریچر پر فوراً لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر کے گہری نیند سو گئی۔ جب ڈاکٹر نے دیکھا کہ لاش واقعی سو گئی ہے اور ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی ہے تو لیبارٹری کو تالا لگا کر گاڑی میں بیٹھا اور ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ جب وہ ہسپتال میں پہنچا تو وہاں ایک ہجوم جمع تھا۔ معلوم ڈاکٹر دارا ایک طرف کھڑا ہسپتال کی ہیڈ نرس کو کچھ کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے جاتے ہی پوچھا۔ "کیا ہوا؟ یہاں اتنا ہجوم کیوں ہے؟"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "تمہیں نہیں معلوم؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں دوسرے ہسپتال گیا ہوا تھا' ابھی آیا ہوں۔ خیر تو ہے؟"

ہیڈ نرس نے کہا۔ "سینئر ڈاکٹر صاحب کا چھت سے گر کر انتقال ہو گیا ہے۔"

"او مائی گاڈ! مگر یہ کیسے ہوا؟" پرویز نے پوچھا۔

ڈاکٹر دارا بولا۔ "کچھ نہیں پتہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ میں حیران ہوں کہ اتنی سردی میں ڈاکٹر صاحب کو چھت پر جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

ہیڈ نرس نے کہا۔ "لگتا ہے ڈاکٹر صاحب چھت پر ٹہل رہے تھے کہ اندھیرے میں دیکھ نہ سکے اور ان کا پاؤں پھسلا اور نیچے گر پڑے۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" پرویز نے جھوٹ موٹ غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "لاش کہاں ہے؟"

دارا بولا۔ "سرد خانے میں پڑی ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

سینئر ڈاکٹر کی لاش مردہ خانے کے ساتھ والے سرد خانے میں سٹریچر پر پڑی تھی۔ وہاں پولیس کے دو سپاہی بیٹھے تھے۔ ہسپتال کے تین سینئر ڈاکٹر بھی وہاں موجود

تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے کپڑا ہٹا کر لاش کو دیکھا۔ سینئر ڈاکٹر کی کھوپڑی کھل چکی تھی۔
سوجا ہوا تھا اور آدھے چہرے پر خون جما ہوا تھا۔

ڈاکٹر پرویز نے اپنا چہرہ انتہائی غمگین بنایا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے اپنی آنکھ
میں آنسو لاتے ہوئے بولا۔ "ہم ایک انتہائی قیمتی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر دارا نے گہری نگاہ سے ڈاکٹر پرویز کو دیکھا اور اسے ساتھ لے کر
خانے سے باہر آ کر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ وہاں سینئر ڈاکٹر کے کچھ رشتے دار بھی جمع
اور تھانیدار سے باتیں کر رہے تھے۔ ڈاکٹر دارا اور پرویز بالکل اکیلے تھے۔ دارا
کہا۔ "پرویز! سچ سچ بتانا۔ یہ سب کچھ تم نے زوناش کی لاش سے تو نہیں کروایا؟"

ڈاکٹر پرویز نے دارا کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور غصے کو دبا
ہوئے کہا۔ "تمہیں ایسی بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے تھی۔ تم مجھے اتنا گھٹیا آ
سمجھتے ہو کہ میں ایسی ذلیل حرکت کروں گا۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہارے ذ
میں میرے بارے میں ایسا خیال آیا۔"

اور ڈاکٹر پرویز غصے میں اٹھ کر اوپر اپنے وارڈ کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر پرویز اندر سے وہ خوش تھا کہ کسی کو اس پر یا اس کی لاش پر ذرا
تک نہیں ہوا اور اس نے اپنے راستے سے اپنے سب سے بڑے دشمن کو ہ
ہے۔ دوسرے دن اخباروں میں سینئر ڈاکٹر کی موت کی خبر چھپی تھی۔ کیونکہ اس
قتل کا کوئی ثبوت نہیں تھا اس لئے پولیس نے یہی خیال ظاہر کیا کہ موت اتفاقی
ہے۔ چھت پر سے ڈاکٹر صاحب کا پاؤں پھسل گیا تھا اور وہ نیچے گر پڑے۔

دو دن تک ڈاکٹر پرویز نے دارا سے بات نہ کی۔ وہ اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ
کہ اس نے پرویز پر بہتان لگایا ہے۔ ڈاکٹر دارا کمزور کردار کا آدمی تھا' ڈاکٹر پرویز
ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ اندر سے اسے یقین تھا کہ یہ کام ڈاکٹر پرویز کے
اور کسی کا نہیں ہے لیکن اس نے اپنی زبان بند رکھی اور تیسرے دن ڈاکٹر پرویز
کہا۔ "بھائی مجھے معاف کر دو۔ میں نے یونہی وہ بات کہہ دی تھی۔ مجھے یقین

کٹر کی موت اتفاقیہ ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے تھوڑا دارا کو جھاڑا پھر اس سے صلح کر لی۔ وہ بھی اسے ناراض
ں کرنا چاہتا تھا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے رازداں تھے اور دونوں کے کہنے پر
اش کی لاش نے چند روز پہلے تھانہ صدر کی حوالات میں چار آدمیوں کو قتل کیا
ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "چلو قلعے میں چل کر زوناش کی لاش کی خبر لیتے ہیں۔ میں
دن سے لاش کے پاس نہیں گیا۔"

وہ قلعے کی تہہ خانے والی لیبارٹری میں پہنچ گئے۔ زوناش کی لاش اسی طرح
پر سو رہی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے لاش کی نبض وغیرہ چیک کی اور بولا۔ "میرا خیال
ہمیں کچھ عرصے کے لیے لاش سے کوئی کام نہیں لینا چاہئے۔ شہر میں اوپر تلے
قتل ہو گئے ہیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "چار تو ہماری لاش نے قتل کئے' وہ بدمعاش اور مجرم
یہ پانچواں قتل کون سا ہے؟"

دارا بولا۔ "چلو قتل نہ سہی لیکن سینئر ڈاکٹر کی موت کی واردات تو ہو گئی
بھائی سچ تو یہ ہے کہ مجھے کچھ ڈر لگنے لگا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے دل میں سوچا کہ یہ کمزور دل ڈاکٹر دارا کہیں اپنے ساتھ اسے
نہ مروا دے۔ اس کا کچھ کرنا پڑے گا۔ اس نے کہا۔ "اس قسم کی باتیں کرو گے
نے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبو گے۔ اگر بعد میں پچھتانا تھا تو میرے ساتھ اس
جیکٹ میں شامل کیوں ہوئے تھے۔ اس وقت تو بڑھ چڑھ کر کہہ رہے تھے کہ شہر
سارے غنڈہ عناصر' سارے سمگلر' سارے بدمعاش ختم کر دیں گے۔"

ڈاکٹر دارا بولا۔ "سوچا تو میں نے یہی تھا مگر اب سچ پوچھو تو دل میں ایک خوف
ٹھ گیا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "تو پھر ایسا کرو کہ کچھ دن چھٹی لے کر کراچی ہوا بدلی کے
چلے جاؤ۔"

دارا بولا۔ "میرا خیال ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے۔"

ڈاکٹر پرویز خود بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ بزدل شخص اس کے راستے سے ہٹ جائے تاکہ وہ جلدی جلدی زوناش کی لاش کی مدد سے اپنے دو چار دشمنوں کو ٹھکانے لگا دے۔ ڈاکٹر دارا نے واقعی ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن اس نے ہسپتال سے ا ہفتے کی چھٹی لی اور کراچی اپنے بڑے بھائی کے ہاں چلا گیا۔ اب ڈاکٹر پرویز کے اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے میدان صاف تھا۔ اس کا دشمن نمبر دو سیٹھ تھا۔ سیٹھ کریم شہر کا امیر کبیر صنعت کار تھا۔ اس کے پلاسٹک کے کھلونوں کے کارخانے تھے اور شہر کے فیشن ایبل علاقے میں اپنے بنگلے میں رہتا تھا۔ ڈاکٹر پرو اس سے دشمنی اس وجہ سے تھی کہ شہر کی جس فیشن ایبل پرائیویٹ طوائف مشہور ماڈل گرل سلومی سے وہ محبت کرتا تھا' سیٹھ کریم نے اسے اپنی دولت ذریعے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا اور سلومی نے ڈاکٹر پرویز سے ملنا جلنا چھوڑ دیا جب تک سیٹھ کریم نے اسے دولت کی جھلک نہیں دکھائی تھی سلومی ڈاکٹر پرویز بڑی اچھی طرح ملا کرتی تھی۔ اس کی محبت کا دم بھرتی تھی اور اس کے ساتھ گر میں سوات اور کوہ مری بھی جا کر رہا کرتی تھی' لیکن سیٹھ کریم نے اسے اپنی د کے سنہری جال میں پھنسا لیا تھا۔ وہ اس پر بے پناہ دولت لٹاتا تھا اور سلومی نے پرویز سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ آخری بار ڈاکٹر پرویز ایک شام کو سلومی کی کوٹھی اور اس سے محبت کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگی۔ "پرویز! بہتر یہ ہے کہ اب تم مجھ سے ملا کرو۔"

ڈاکٹر پرویز نے پوچھا۔ "کیوں سلومی؟ ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے"
سلومی نے کھلے الفاظ میں کہا۔ "اس لئے کہ سیٹھ کریم نے مجھے تم سے سے منع کیا ہے اور سیٹھ کریم کی بات میں ٹال نہیں سکتی' کیوں کہ وہ مجھ پر دولت خرچ کرتا ہے۔ اس نے مجھے گاڑی خرید کر دی ہے اور اب میرے مری میں ایک بنگلہ بنوا رہا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز کو بڑا دکھ ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "آخر تم بھی دولت کی پجاری ہیں۔ ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتی ہو تو میں تم سے نہیں ملا کروں گا لیکن میں تمہاری ی کو اپنے دل سے نہیں نکال سکوں گا۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

سلومی نے کوئی پروانہ کی اور ڈرائنگ روم میں پرویز کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے رے میں جا کر سیٹھ کریم کے ساتھ فون پر ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی۔ ڈاکٹر پرویز بھن کر سلومی کی کوٹھی سے واپس آ گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ڑ پرویز اور ڈاکٹر دارا کے دل میں زوناش کی لاش تیار کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ جبکہ ڈاکٹر پرویز کے پاس اس کے حکم کی تعمیل کرنے والی زوناش کی لاش موجود تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سیٹھ کریم کو ٹھکانے لگا کر سلومی سے اپنی محبت کی ن کا بدلہ لے گا۔

اسے معلوم تھا کہ سیٹھ کریم ہفتے کی رات سلومی کی کوٹھی میں آ کر بسر کرتا ۔ اس رات شراب کی بوتل کھل جاتی ہے اور دونوں رات بھر داد عیش دیتے اور سلومی کی سوتیلی ماں یا اس کی نائیکہ دوسرے کمرے میں شراب پی کر بے ں ہو کر سو رہی ہوتی ہے۔ سلومی کا ایک ہی نوکر تھا جو رات کے دس بجے سیٹھ یم کے آنے پر وہاں سے چلا جاتا تھا۔ یہ سیٹھ کریم کا حکم تھا کہ جس رات وہ آئے رات کوٹھی میں کوئی نوکر چاکر نہیں ہونا چاہئے۔ سیٹھ کریم کو ٹھکانے لگانے سے زوناش کی لاش کو سیٹھ کریم کا چہرہ دکھانا ضروری تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے بہت دماغ اگر کوئی مناسب سکیم اس کے دماغ میں نہ آئی۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ روز سیٹھ کریم سلومی کی کوٹھی پر داد عیش دے رہا ہو' وہ زوناش کی لاش کو ساتھ کر وہاں پہنچ جائے اور سیٹھ کریم کے ساتھ بدکار اور بے وفا سلومی کا بھی کام تمام دے۔ دونوں کا قصہ پاک ہو جائے گا اور کسی کو اس پر شک بھی نہیں پڑے گا۔ وہ لاش کو لے کر سیٹھ کریم کے آفس میں لاش کی چہرہ شناسی کے لیے گیا تو دفتر لوگ ڈاکٹر پرویز کو وہاں دیکھ لیں گے اور بعد میں پولیس کو ضرور بیان دیں گے

که دو دن پہلے ایک ڈاکٹر سیٹھ صاحب سے ملنے آئے تھے اور ڈاکٹر پرویز کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ اخباروں میں سیٹھ کریم کے قتل کے سلسلے میں اس کا نام آئے سلومی کی کوٹھی میں لاش دونوں کو بڑے آرام سے موت کی نیند سلا دے گی اور کر کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ کوئی ڈاکٹر پرویز کو وہاں دیکھ بھی نہیں سکے گا۔ ویسے بھی ڈاکٹر پرویز صرف ایک بار ہی سلومی کی کوٹھی پر گیا تھا اور اس روز گھر پر اس کی سوتیلی ماں بھی نہیں تھی۔ وہ سلومی سے اکثر گلبرگ یا ڈیفنس کے ہوٹلوں میں ہی ملاقات کرتا تھا۔

اب وہ ہفتے کی رات کا انتظار کرنے لگا۔ دو دن بعد ہفتے کی رات آ گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ سیٹھ کریم سلومی کی کوٹھی پر موجود ہے یا نہیں سلومی کو رات کے دس بجے فون کیا۔ اس نے فون اٹھایا تو ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "سلومی بول رہی ہو؟"

سلومی نے کہا۔ "کیا بات ہے؟ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "سلومی! میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں مجھے پانچ منٹ دے دو۔ میں تمہارے پاس پانچ منٹ ٹھہروں گا اور تم سے اپنی زندگی کی کچھ آخری باتیں کہہ کر چپ چاپ واپس چلا جاؤں گا۔"

سلومی نے کہا۔ "سوری ڈاکٹر! اس وقت سیٹھ صاحب آئے ہوئے ہیں۔ کل تم سے بات کروں گی۔"

اور سلومی نے فون بند کر دیا۔ ڈاکٹر نے جو معلوم کرنا تھا وہ اسے معلوم ہو گیا تھا۔ سیٹھ کریم سلومی کی کوٹھی پر موجود تھا۔ وہ اسی وقت گاڑی لے کر سیدھا آ قلعے میں گیا۔ لیبارٹری میں زوناش کی لاش گہری نیند سو رہی تھی۔ پرویز نے عینک رکھی تھی۔ اس نے عینک اتار کر دیکھا تو لاش غائب تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز ہمیشہ لاش کے پاس جا کر اس بات کی تصدیق کر لیتا تھا کہ لاش غائب ہے یا نہیں۔ اسے خدشہ تھا کہ کسی اندرونی کیمیاوی عمل سے لاش دوبارہ نظر آنے

شروع ہو گئی ہو۔ اس نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر لاش سے کہا۔ "زوناش! بیدار ہو جاؤ۔"

لاش ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے دوسرا بٹن دبا کر کہا۔ "اب بیڈ سے اتر کر میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔"

لاش نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکٹر پرویز لاش کو لے کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ لاش معمول کے مطابق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز کی گاڑی سلومی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں پہنچتے پہنچتے رات کے پونے گیارہ بج گئے۔ سرد رات دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ کوٹھی کا گیٹ آدھا کھلا تھا۔ اندر پورچ میں سیٹھ کریم اور سلومی کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز نے خاموشی سے اپنی گاڑی کوٹھی کے باہر ہی کھڑی کر دی۔ اس نے زوناش کی طرف منہ کر کے کہا۔ "زوناش! میری آواز سن رہے ہو؟"

زوناش کی مردہ آنکھیں آدھی کھلی تھیں۔ اس کے حلق سے وہی آواز نکلی جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ 'میں سن رہا ہوں۔' ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں تمہیں ابھی کوٹھی کے ایک کمرے میں لے کر جاؤں گا۔ وہاں ایک لڑکی اور ایک ادھیڑ عمر آدمی ہوگا۔ تمہیں جاتے ہی ان دونوں کی گردنیں مروڑ کر ان کے سر تن سے جدا کر دینے ہوں گے۔ تم سمجھ گئے ہو؟"

زوناش کی لاش کے حلق سے ایک بار پھر وہی ہلکی سی آواز نکلی۔ جیسے کہہ رہا ہو "میں سمجھ گیا ہوں۔" ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ اور جہاں میں کہوں وہاں کھڑے ہو جانا۔ جب میں کہوں انہیں پکڑ لو تو تمہیں فوراً لڑکی اور آدمی کو پکڑ کر ان کے سر تن سے جدا کر دینے ہیں۔ آ جاؤ۔"

ڈاکٹر پرویز لاش کو لے کر سلومی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ سلومی کے بیڈروم کا دروازہ عقب کی جانب باغ میں کھلتا ہے اور وہ دونوں بیڈروم ہی میں ہوتے ہیں۔ بیڈروم کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ ڈاکٹر پرویز رک گیا۔ لاش

بھی اس کے پیچھے رک گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے عینک اتار کر لاش کو احتیاطاً دیکھا۔ لا
غائب تھی۔ اس نے دوبارہ عینک لگا لی اور جیب سے باریک پن نکالی اور درواز
کے تالے کے سوراخ میں ڈال کر اسے دو تین بار گھمایا۔ کٹک کی ہلکی سی آواز
تالا کھل گیا۔ بند دروازے کے اندر سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز ا
دم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لاش اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ بیڈ روم
روشنی ہو رہی تھی اور سلومی سیٹھ کریم کے پہلو میں صوفے پر بیٹھی داد عیش د
رہی تھی۔ دونوں نے اچانک ڈاکٹر پرویز کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو آگ بگو
گئے۔ سلومی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ "تمہیں رات کے وقت ہمارے کر
میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

ڈاکٹر پرویز نے لاش سے کہا۔ "زوناش! انہیں پکڑ لو۔"

سلومی اور سیٹھ کریم زوناش کی لاش کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان ک
لاش غائب تھی۔ سیٹھ کریم نے ڈاکٹر پرویز کو گالی دے کر کہا۔ "میں ابھی پولیس
کر تمہیں حوالات میں پہنچاتا ہوں۔"

مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ لاش نے سب سے پہلے سیٹھ کریم کو ہی پکڑا۔
کو گردن سے دبوچ کر اوپر اٹھایا اور اس کی گردن مروڑ کر سر تن سے جدا کر
پھینک دیا۔ سلومی سکتے میں آ گئی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ اپنے آپ سیٹھ کر
گردن کیسے الگ ہو گئی ہے۔ دوسرے لمحے لاش نے سلومی کا سر بھی اس کے
سے جدا کر کے پھینک دیا۔ شور سن کر سلومی کی سوتیلی ماں یعنی اس کی نائیکہ اند
گئی۔ اس نے ڈاکٹر پرویز کو دیکھا۔ پھر دو سر کٹی لاشیں دیکھیں تو چیخ مار کر باہر
ہی لگی تھی کہ ڈاکٹر پرویز نے زوناش کی لاش کو ریموٹ کا بٹن دبا کر حکم
"زوناش! اس عورت کا بھی سر کاٹ ڈالو۔"

لاش دو قدم بھر کر عورت کے پاس پہنچ گئی اور اسے باہر جاتے ہوئے
اور اس کی بھی گردن مروڑ کر سر تن سے جدا کر دیا۔ اس عورت کو ڈاکٹر پرو

ں کروانا چاہتا تھا مگر وہ مجبور ہو گیا۔ کیونکہ اس عورت نے ڈاکٹر پرویز کو موقع
ردات پر دیکھ لیا تھا اور وہ اس قتل کی عینی گواہ بن گئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ڈاکٹر نے لاش کو حکم دیا۔ "جلدی سے
ر آ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

لاش اسی لمحے ڈاکٹر پرویز کے پیچھے پیچھے بیڈ روم سے باہر آ گئی اور ڈاکٹر پرویز
ے لے کر کوٹھی سے باہر آ گیا۔ وہاں سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی انسان
ر نہیں آتا تھا۔ کسی نے ڈاکٹر کو کوٹھی میں جاتے اور باہر آتے نہیں دیکھا تھا۔ لاش
ر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تو ڈاکٹر پرویز نے فوراً گاڑی سٹارٹ کی اور جتنی جلدی
ں علاقے سے نکل سکتا تھا لاش کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گیا۔ رات کے سوا
ہ بج رہے تھے جب وہ زوناش کی لاش کو لے کر قلعے کی لیبارٹری میں داخل ہوا۔
ناش کے کپڑوں پر خون کے چھینٹوں کے دھبے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے فوراً لاش کو
سرا سبز اوور کوٹ پہنایا۔ نئی سفید چادر کی دھوتی باندھی اور خون والے کپڑوں کو
ل میں جلا کر راکھ کر دیا۔

○☆○

اگلے روز کے اخباروں میں ماڈل گرل سلوی، سیٹھ کریم اور سلوی کی سوتیلی ماں کے قتل کی خبر شہ سرخیوں اور تصویروں کے ساتھ چھپی۔ رپورٹر نے لکھا کہ تینوں کے سر دھڑ سے جدا تھے اور یہ اسی قاتل کا کام لگتا ہے جس نے گذشتہ ماہ تھانہ صدر کی حوالات میں چار حوالاتیوں کو قتل کیا تھا کیونکہ ان کے سر دھڑ سے جدا کر دیئے گئے تھے۔

دو تین دن تک اخباروں میں اس تہرے قتل کی خبر چھپتی رہی اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ خبر اخباروں سے غائب ہو گئی، کیونکہ موقع واردات کا کوئی عینی گواہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے سلوی سے اپنی محبت کی توہین کا بدلہ لے لیا تھا۔ یہی لوگ اس کے دشمن تھے جنہیں اس نے ٹھکانے لگا دیا تھا اور اس کا شیطانی ذہن مطمئن ہو گیا تھا۔ اب اس نے زوناش کی لاش کے ذریعے دولت حاصل کرنے کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ شروع میں زیادہ دولت پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ نمونے کے طور پر لاش کے ذریعے تھوڑی بہت دولت حاصل کرنا چاہتا تھا تا کہ اسے اندازہ ہو سکے کہ اس میدان میں لاش کیا کچھ اور کتنا کچھ کر سکتی ہے۔ سب سے پہلے اسے ایک پرائیویٹ بینک کا ہی خیال آیا جہاں اس کا تھوڑا سا اپنا اکاؤنٹ بھی تھا اور وہ وہاں جاتا رہتا تھا۔ یہ بنک شہر کے فیشن ایبل علاقے میں تھا۔ یہ ایک بڑے پرائیویٹ بینک کی چھوٹی سی شاخ تھی۔ ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ خزانچی کہاں بیٹھتا ہے اور

جب وہ کیش دے رہا ہوتا ہے تو نوٹوں سے بھرا ہوا صندوق کھلا ہوتا ہے۔ ایک دن ڈاکٹر پرویز لیبارٹری میں آیا اور زوناش کی لاش کو ریموٹ کے ذریعے گہری نیند سے جگا کر اس کے دماغ میں کچھ باتیں فیڈ کرنے کے خیال سے اسے کہنے لگا۔ "زوناش! تم میری آواز سن رہے ہو؟"

زوناش کی لاش کے حلق سے وہی مخصوص آواز نکلی جس کا مطلب تھا کہ ہاں میں سن رہا ہوں۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے ساتھ ایک بینک میں لے جا رہا ہوں وہاں ایک آدمی جنگلے کے پیچھے ایک صندوق کے پاس بیٹھا نوٹ گن رہا ہو گا۔ صندوق کھلا ہو گا۔ اس میں کاغذ کے نوٹوں کی گڈیاں ہوں گی۔ میں تمہیں ایک تھیلا دوں گا۔ تمہیں جنگلے کے پیچھے جا کر صندوق میں سے دس بارہ گڈیاں اٹھا کر تھیلے میں ڈال کر وہاں سے واپس آ جانا ہو گا۔ تم صرف وہاں ایک منٹ لگاؤ گے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں لگاؤ گے اور تھیلے میں گڈیاں بھر کر بینک کے باہر خاموشی سے جا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ گے۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہارے پاس آؤں گا۔ تم گاڑی میں ہی بیٹھے رہو گے۔ تم میری بات سمجھ گئے ہو؟"

لاش نے حلق سے آواز نکال کر کہا کہ ہاں میں سمجھ گیا ہوں۔ ڈاکٹر پرویز نے پہلی بار محسوس کیا کہ زوناش کی لاش نے انگریزی میں کچھ کہا تھا۔ اس کی سمجھ میں لفظ YES یعنی ہاں ہی آیا۔ وہ خوش ہوا کہ اس کا بنایا ہوا انسان ذہنی طور پر ترقی کر رہا تھا اور اس نے انگریزی کا پہلا لفظ بولا تھا جو یقیناً یس YES ہی تھا۔ ڈاکٹر نے خود عینک لگا رکھی تھی جس میں اسے زوناش کی لاش صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے عینک اتار کر دیکھا۔ لاش غائب تھی۔ اسے اطمینان ہو گیا۔ اس نے آنکھوں پر دوبارہ عینک لگا لی۔ اب اس نے لاش کو تھیلا ہاتھ میں لئے قدم قدم بینک کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ جیسے ہی لاش بینک کے دروازے میں داخل ہوئی وہ بھی گاڑی سے نکل کر بینک کے اندر آ گیا۔ بینک میں رش بالکل نہیں تھا۔ چند ایک آدمی تھے۔ دو آدمی خزانچی والی کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ لاش ایک طرف سے بینک کے اندر

اس طرف چلی گئی جہاں بینک کا سٹاف کام کر رہا تھا۔

وہاں ایک گارڈ بندوق لئے کھڑا تھا' مگر اسے لاش اندر جاتی نظر نہ آئی۔ ڈاکٹر نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکالا اور خزانچی کی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ زوناش کی لاش اس کی نگاہوں میں تھی۔ لاش جنگلے کے اندر داخل ہو کر بڑے غور سے سٹاف کا جائزہ لے رہی تھی۔ ڈاکٹر کا ایک ہاتھ جیب میں تھا اور اس کے ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول تھا۔ جو دو آدمی کھڑکی کے آگے پہلے کھڑے تھے وہ اپنی رقم لے کر پیچھے ہٹ گئے تو ڈاکٹر پرویز نے کھڑکی کے جنگلے میں سے خزانچی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سر! پانچ سو روپے کا چینج چاہئے۔" اور نوٹ خزانچی کے حوالے کر دیا۔ اس دوران لاش خزانچی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ خزانچی کے دائیں جانب ذرا پیچھے کر کے لوہے کا ایک صندوق نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کو خزانچی نے پانچ سو روپے کے نوٹ دیئے تو وہ نوٹ لے کر ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور بظاہر نوٹوں کو غور سے دیکھنے اور گننے لگا۔ لیکن اصل میں اس کی نظریں زوناش پر تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر ریموٹ کنٹرول کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تاکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ لاش کو کوئی حکم دے سکے اور کنٹرول کر سکے۔

زوناش کی لاش کے دماغ نے کافی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت تک وہ اردو سمجھنے لگی تھی اور انگریزی تو اس لاش کی اپنی مادری زبان تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی زبان سے انگریزی کا لفظ YES بولا تھا۔ ڈاکٹر پرویز یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ زوناش کی لاش بڑی عقلمندی سے کام کر رہی تھی۔ اس نے نوٹوں والے صندوق میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی چھ سات گڈیاں اٹھائیں اور اپنے تھیلے میں ڈال دیں۔ ڈاکٹر پرویز نے نوٹ جیب میں ڈال کر آنکھوں پر سے عینک اتاری اور دیوار پر لکھی ہوئی ہدایات پڑھنے لگا۔ وہاں بینک کے بارے میں کچھ ضروری ہدایات لکھی تھیں کہ قطار بنائیں' کاؤنٹر چھوڑنے سے پہلے اپنی رقم چیک کر لیں' وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنے کو تو ڈاکٹر پرویز ہدایات کا بورڈ پڑھ رہا تھا لیکن حقیقت میں اس کی نظریں خزانچی کے پیچھے لگی تھیں جہاں لاش اب اسے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کے دیکھتے دیکھتے صندوق میں لگی ہوئی چھ سات گڈیاں غائب ہو گئیں۔ نوٹوں کی گڈیاں ڈاکٹر کو نظر آ رہی تھیں مگر جیسے ہی وہ زوناش کی لاش کے ہاتھ میں آئیں اس کے ساتھ وہ بھی غائب ہو گئیں۔

ڈاکٹر نے جلدی سے عینک آنکھوں پر لگا لی۔ اسے لاش نظر آنے لگی۔ لاش اس وقت تھیلے میں نوٹوں کی گڈیاں ڈال رہی تھی۔ جب تھیلا آدھا بھر گیا تو لاش اسے لے کر واپس چل پڑی۔ خزانچی کی اس طرف پشت تھی' وہ صندوق سے نوٹوں کی گڈیاں غائب ہوتے نہیں دیکھ سکا تھا۔ ڈاکٹر نے سوچا کہ یہ بھی بڑا اچھا ہوا ورنہ خزانچی شور مچا سکتا تھا کہ صندوق میں سے نوٹوں کی گڈیاں غائب ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر پرویز نے دیکھا کہ زوناش کی لاش بینک کے سٹاف والے جنگلے میں سے مسلح گارڈ کے قریب سے گزر کر باہر آ گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے بینک سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ عینک میں سے اسے زوناش کی لاش قدم قدم چلتی اپنی طرف آتی نظر آ رہی تھی۔ لاش نے قریب آ کر خود ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر بیٹھ گئی۔ لاش نے پوری ذمے داری سے عام زندہ انسانوں کی طرح گاڑی میں بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا۔ لاش کا دماغ تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔

ڈاکٹر نے انجن سٹارٹ کر کے ایک نظر بینک پر ڈالی' وہاں خاموشی تھی۔ ابھی تک صندوق میں سے نوٹوں کے غائب ہونے کا کسی کو علم نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز گاڑی کو تیزی سے نکال کر لے گیا اور بڑی سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی کا رخ آسیبی قلعے کی طرف پھیر دیا۔ آدھ گھنٹے بعد وہ شہر سے باہر آسیبی قلعے پہنچ گیا تھا۔ گاڑی پرانے قلعے کے اندر ایک طرف کھڑی کر کے اس نے زوناش کی لاش کو ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر کہا۔ "زوناش! میرے پیچھے پیچھے لیبارٹری میں آ جاؤ۔"

لاش گاڑی سے باہر آکر ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ لیبارٹری میں آنے کے بعد ڈاکٹر نے لاش سے کہا۔ ”تھیلا میز پر رکھ کر سٹریچر پر لیٹ کر گہری نیند سو جاؤ۔“

لاش نے ایسا ہی کیا۔ اس نے نوٹوں سے آدھا بھرا ہوا تھیلا میز پر رکھا اور خو سٹریچر پر بالکل سیدھی مردوں کی طرح لیٹ گئی۔ دوسرے لمحے اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے بجلی کی روشنی میں عینک اتار کر ایک نظر سٹریچر پر ڈالی۔ لاش اب نظر نہیں آ رہی تھی' لاش غائب تھی اگرچہ وہ سٹریچر پر موجود تھی۔ اس نے نوٹوں کی گڈیاں میز پر الٹ دیں اور ان کو گننے لگا۔ یہ ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی پندرہ گڈیاں تھیں۔ اس نے جیب سے نوٹ بک اور بال پوائنٹ نکال لیا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھ کر نوٹوں کو شمار کر کے لکھتا جا رہا تھا۔

کافی دیر بعد جب اس نے سارے نوٹوں کا ٹوٹل نکالا تو وہ چودہ لاکھ پچھتر ہزار روپے تھے۔ ڈاکٹر پرویز نے اتنے نوٹ زندگی میں کبھی نہیں کمائے تھے۔ اب وہ اس ساری دولت کا اکیلا مالک تھا۔ اس نے نوٹوں کی گڈیوں کو دوبارہ تھیلے میں ڈال کر تھیلے کو بند کیا اور لیبارٹری کی الماری کے پیچھے دیوار کے ایک خفیہ خانے میں بند کر کے تالا لگا دیا اور الماری آگے کر دی۔ اس خفیہ جگہ کا سوائے ڈاکٹر پرویز کے کسی کو علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر دارا کو بھی علم نہیں تھا۔ اس نے لیبارٹری میں سے نکل کر آہنی دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور تہہ خانے سے نکل کر آسیبی قلعے کے احاطے میں آکر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر کے اپنے ہوسٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اب ہسپتال میں سٹاف کے ہوسٹل میں ہی ایک کمرہ لے لیا تھا اور وہیں رہنے لگا۔

ساری رات وہ سوچتا رہا کہ ان چودہ لاکھ روپوں کو وہ کیسے خرچ کرے گا ڈاکٹر پرویز بڑا گہرا آدمی تھا۔ چودہ لاکھ روپے اچانک مل جانے سے اسے خوشی ضرور ہوئی تھی مگر اس کے ناپاک عزائم بہت بلند تھے۔ وہ لاش کی مدد سے دنیا کا سب سے بڑا دولت مند انسان بننا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کیلی فورنیا یا فرانس کے کسی

ے میں اس کا اپنا خوبصورت جدید ترین بنگلہ ہو۔ اسے دنیا کی ہر آسائش میسر ہو وہ عیش و آرام سے اپنی زندگی گزارے۔ یہ چودہ لاکھ روپے ایک معمولی سی رقم ی اور ایک نمونہ تھا اس ڈرامے کا جو اب شروع ہونے والا تھا۔

ڈاکٹر پرویز نے چودہ لاکھ پچھتر ہزار روپے لیبارٹری کی خفیہ جگہ پر ہی رہنے یے۔ ان کو دوبارہ ہاتھ تک نہ لگایا۔ دوسرے تیسرے دن اخبار میں ایک چھوٹی سی ر چھپی کہ فلاں بینک کے خزانچی کو غبن کے جرم میں پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ ے تو پولیس نے گرفتار کرنا ہی تھا کیونکہ رقم نوٹوں سے بھرے ہوئے صندوق میں ے غائب ہوئی تھی اور صندوق اس وقت خزانچی کی تحویل میں تھا۔ اتنی بڑی رقم ائب ہوئی تھی اور خزانچی ثابت نہیں کر سکا تھا کہ رقم ڈاکو لے گئے ہیں کیونکہ بینک یں ڈاکہ بھی نہیں پڑا تھا۔ وہاں کوئی ڈاکو نہیں آیا تھا' بینک میں بالکل امن و امان تھا اور رقم غائب ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے شک خزانچی پر ہی پڑتا تھا۔

ایک شریف اور سفید پوش انسان ڈاکٹر پرویز کی وجہ سے زندگی کے سب سے بڑے عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کو اس کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں تھی۔ وہ شیطانی صفات کا حامل آدمی تھا۔ مگر کسی دوسرے کے ساتھ کیئے ہوئے ظلم کا بدلہ ایسے بدکار انسان کو مل کر رہتا ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔

ڈاکٹر پرویز نے اب یورپ اور امریکہ میں جا کر اپنی بنائی ہوئی تخلیق یعنی زوناش کی غیبی لاش کو آزمانے کا پروگرام بنانا شروع کر دیا۔ پاکستان کا میدان اس کی کارگزاریوں کے لئے اسے بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ پاسپورٹ اس کے پاس موجود تھا۔ اس کے ذہن نے لندن جا کر اپنا مذموم کاروبار شروع کرنے کے بارے میں سکیم بنانی شروع کر دی۔ لندن میں اس کا ایک چچا پہلے ہی رہتا تھا مگر وہ اس کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ کسی رشتے دار کو اپنے کاروبار میں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ساتھی اور قریبی دوست ڈاکٹر دارا کو بھی اپنے پروگرام کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اندر ہی اندر آہستہ آہستہ اس نے اس منصوبے پر غور و فکر کرنا شروع کر

دیا تھا۔

اس دوران ڈاکٹر دارا کراچی سے واپس آگیا۔ اس نے آتے ہی زوناش کی لاش کے بارے میں پوچھا۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "زوناش کی لاش بالکل ٹھیک ہے۔ دوسرے تیسرے دن میں لیبارٹری جا کر اسے دیکھ آتا ہوں، سٹریچر پر بے ہوش پڑی ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے لاش سے جو بینک میں ڈاکہ ڈلوایا تھا اس کے بارے میں دارا کو کچھ نہ بتایا۔ ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "پرویز! میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "کہو، ضرور کہو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

دارا کہنے لگا۔ "میری مانو اور ہم اس لاش کو ضائع کر دیتے ہیں۔"

"وہ کس لئے؟" پرویز نے پوچھا۔

دارا نے کہا۔ "وہ اس لئے یہ ہم نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ہم پر ضرور ایک نہ ایک دن خدا کا عذاب نازل ہو گا۔ مجھے خدا کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز ابھی دارا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر یہ ناراض ہو گیا تو خود ہی کسی روز لیبارٹری میں جا کر لاش کو ضائع کر دے گا۔ وہ ڈاکٹر تھا، ایسا کر سکتا تھا۔

اس نے دارا سے کہا۔ "یار تم خوامخواہ گھبرا رہے ہو، ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ہم نے لاش سے ابھی تک کوئی سماج دشمن کام نہیں لیا۔ ہم نے اس کی مدد سے معاشرے کے چار بدنام ترین اور بدترین سمگلروں اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا ہے۔ ہم نے لاش سے کسی بے گناہ کو قتل نہیں کروایا۔"

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ لیکن بھائی مجھے ایسے لگتا ہے کہ ایک دن اپنی بنائی ہوئی تخلیق کے ہاتھوں ہم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اگر ہم اسے ضائع کر دیتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ہمارا کیا نقصان ہوتا ہے؟"

بے چارے شریف انسان دارا کو کیا خبر تھی کہ زوناش کی لاش کو ضائع کر دینے

اس کا کتنا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ پرویز نے کہا۔ "اتنی محنت اور اس قدر ریسرچ کے بعد ہم نے ایک انوکھی چیز ایجاد کی ہے۔ ایک مردہ انسان کو زندہ کیا ہے۔ ہم اسے ضائع کر دیں؟ میں تو اس کا اعلان کرنے والا ہوں تاکہ ہماری بنائی ہوئی تخلیق کی وجہ سے ہمارا نام نوبل پرائز کے امیدواروں میں شامل ہو سکے۔ چلو ایسا کرتے ہیں کہ ہم زوناش کی لاش کو لے کر لندن کچھ دنوں کے لیے چلتے ہیں۔ ہماری سیر بھی ہو جائے گی اور ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ انگلستان کی فضا کا زوناش کی لاش پر کیا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ آخر اس لاش کو ایک ایسے آدمی کا دماغ لگایا گیا ہے جو انگلستان کا رہنے والا تھا۔"

دارا نے کہا۔ "اور تم یہ بھول گئے ہو کہ وہ آدمی دنیا کا سب سے زیادہ سنگدل قاتل تھا۔"

"اس کا زوناش کی زندہ لاش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ زوناش کے دماغ پر زندہ لاش کے خون کے اپنے پیدا کردہ خلیوں نے اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے اور اس کے دماغ سے قاتلانہ خیالات کے خلیئے غائب ہونا شروع ہو گئے ہیں۔"

"لیکن لندن ہم لاش کو لے جا کر کیا کریں گے؟"

اصل میں ڈاکٹر پرویز لندن جا کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لاش پر انگلستان کی سرد فضا کا کیا اثر ہوتا ہے کیونکہ لاش کا دماغ انگلستان کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ تھا اور اس نے دارا کو جھوٹ کہا تھا کہ اس کے دماغ میں سے قاتلانہ اثرات کے خلیئے غائب ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ زوناش کی لاش کے قاتلانہ اور مجرمانہ رجحانات بڑی تیزی سے ابھر کر سامنے آ رہے تھے اور ہر قتل پر لاش کو ایک لذت سی محسوس ہوتی تھی۔ زوناش کی لاش کے یہ مجرمانہ رجحانات ڈاکٹر پرویز کی مجرمانہ ذہنیت کے عین مطابق تھے۔ وہ لاش کو اسی لائن پر چلانا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ایک دن لاش اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی یا اس کے کنٹرول سے باہر ہو

جائے گی۔ کیونکہ اس نے لاش کی کمر اور گردن میں جو کمپیوٹرائزڈ مائیکرو چپس فِٹ
کیئے ہوئے تھے وہ اتنے طاقتور تھے کہ اُن کے ہوتے ہوئے لاش کا ڈاکٹر پرویز کے
کنٹرول سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور لاش کو کنٹرول کرنے والا
ریموٹ پرویز کے پاس ہی تھا۔

ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ "مَیں لندن نہیں جا سکتا۔ یہاں میری ہاؤس جاب کا بڑا
حرج ہو گا۔ تم لاش کو لے کر جانا چاہتے ہو تو بے شک چلے جاؤ۔ وہاں تمہارے چچا
ریسٹ ہاؤس تو موجود ہی ہے۔ وہاں تو ایک بیس منٹ (تہہ خانہ) بھی ہے' تم لاش کو
وہاں رکھ سکتے ہو اور لاش پر جو تجربہ کرنا چاہتے ہو یا اس پر انگلستان کے سرد موسم
کے اثرات دیکھنا چاہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لینا بلکہ اگر ہو سکے تو لاش کو وہیں
یورپ کے کسی عِجائب گھر کو دے آنا۔ یہ یورپ کی مصیبت یورپ میں ہی واپس چلی
جائے تو اچھا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز خود بھی یہی چاہتا تھا کہ دارا اس کے ساتھ نہ جائے اور وہ اکیلا ہی
لاش کو لے کر جائے۔ مگر وہ خود دارا کو نہیں روکنا چاہتا تھا کہ خوامخواہ اس کے دل
میں شک نہ پڑے کہ پتہ نہیں ڈاکٹر پرویز لاش سے انگلستان جا کر کیا کام لینا چاہتا تھا
اب جبکہ خود ہی دارا نے کہہ دیا کہ وہ اس کے ساتھ لندن نہیں جائے گا تو پرویز نے
کہا۔ "جیسے تمہاری مرضی۔ ویسے تو میں چاہتا تھا کہ تم بھی میرے ساتھ چلتے۔"

"نہیں بھائی میرا جانا بہت مشکل ہے' تم بے شک چلے جاؤ۔ تمہاری اگلی
چھٹیاں بھی شروع ہو رہی ہیں۔ تمہارے پاس پورے گیارہ مہینے خالی ہیں۔ اس کے
بعد تمہارا اگلا سمسٹر شروع ہو گا۔ تم جا سکتے ہو مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ راستے
میں کسی کو پتہ نہ چلے کہ تم ایک ایسی لاش کو ساتھ لے کر جا رہے ہو جو غائب ہے مگر
زندہ ہے۔"

پرویز بولا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر مَیں گیا تو لاش کو پوری ذمے داری اور
احتیاط کے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

دارا نے کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تم لاش کو لے کر کچھ مہینوں کے لئے
ہی چلے ہی جاؤ۔"

حقیقت میں ڈاکٹر دارا چاہتا تھا کہ زندہ لاش کی مصیبت پاکستان سے چلی ہی
جائے تو بہتر ہے۔ اسی لئے وہ پرویز کو لندن بھیجنے کے لئے اصرار کر رہا تھا۔ پرویز نے
کہا "اچھا بھائی تم کہتے ہو تو میں زو ناش کو ساتھ لے کر چلا جاتا ہوں۔ لیکن تم
میرے بعد لیبارٹری کی دیکھ بھال کرتے رہنا کیونکہ آخر مجھے لاش کو لے کر اسی جگہ
واپس آنا ہے۔"

دارا نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ تم ضرور واپس آ جاؤ مگر لاش کو ساتھ نہ لانا۔"

ڈاکٹر پرویز ہنس پڑا۔ "اچھا! اس بارے میں بھی میں ضرور غور کروں گا۔"

ڈاکٹر پرویز نے لندن جانے کا پروگرام بنا لیا۔ ہسپتال میں اس نے کہہ دیا کہ وہ
مہینے کی چھٹیاں لندن میں گزارنا چاہتا ہے۔ پاسپورٹ اس کے پاس موجود تھا'
اس پر ویزا لگوانا تھا۔ اپنے اثر رسوخ سے کام لیتے ہوئے اس نے لندن کا ویزا
لگوا لیا۔ اب اسے زرمبادلہ کی ضرورت تھی۔ ایک خاص رقم کے علاوہ وہ اپنے
فالتو پونڈ نہیں لے جا سکتا تھا لیکن لندن میں اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ وہ
کو ساتھ لے کر پیرس بھی جانا چاہتا تھا کہ وہاں کے موسم کے اثرات کا بھی اسے
ہو جائے اور وہ اس بات کا بھی جائزہ لے سکے کہ دنیا کا سب سے بڑا دولت مند
کے سلسلے میں وہاں لاش سے کیا کیا کام لیے جا سکتے ہیں۔ اس نے بلیک مارکیٹ
ایک واقف کار کی وساطت سے بات چیت شروع کر دی۔ ایک پارٹی بڑی قابل
تھی' اس کا ایجنٹ ڈاکٹر پرویز کا دوست بھی تھا اور دور کا رشتے دار بھی تھا۔ ڈاکٹر
نے اس سے بات کی تو اس نے کہا۔ "آپ کو کتنے پونڈ چاہئیں؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "مجھے کم از کم دس لاکھ پاکستانی روپے کے عوض برٹش
پونڈ چاہئیں۔ کیا آپ اس کا کوئی انتظام کر سکتے ہیں؟"

اس آدمی نے کہا۔ "یہ ہمارے لیے معمولی رقم ہے۔ ہم آپ کو ایک کروڑ

روپے کے عوض زرمبادلہ بھی دلا سکتے ہیں۔ آپ یہاں دس لاکھ روپے ہمارے
اکاؤنٹ میں جمع کرا دیں۔ میں آپ کو ایک خط لکھ کر دے دوں گا۔ وہ خط لندن پر
ہمارے آفس کے آدمی کو جا کر دکھا دینا۔ وہ تمہیں دس لاکھ روپے کا برٹش کرنسی
زرمبادلہ ادا کر دے گا۔ ہمارا کاروبار بڑا صاف اور ایمانداری سے ہوتا ہے۔ اس کے
باوجود اگر آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے تو آپ بے شک روپے اپنے پاس
رکھیں اور کسی اور سے جا کر بات کر لیں۔"

ڈاکٹر پرویز نے اس آدمی کے کاروبار کے بارے میں سن رکھا تھا کہ یہ لوگ
کاروبار کو پوری دیانت داری سے چلاتے ہیں اور آج تک کبھی کسی کو ان سے شکا
پیدا نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "بھائی آپ میرے رشتے دار بھی ہیں اور میر
دوست بھی ہیں' میں آپ پر کیسے شک کر سکتا ہوں۔ میں کل آپ کو دس لاکھ رو
لا کر دے دوں گا۔ آپ خود ہی اسے اکاؤنٹ میں جمع کرا لیجئے گا۔"

اس کے دوسرے ہی دن ڈاکٹر پرویز سیدھا اپنی قلعے والی لیبارٹری میں گیا۔ ا
نے عینک لگا کر سٹریچر کی طرف دیکھا۔ لاش اسی طرح سٹریچر پر گہری نیند سو رہی تھ
اس نے قریب جا کر زوناش کی لاش کو غور سے دیکھا۔ اس پر وقت کا اور نہ کھا
پینے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ لاش فضا کی آکسیجن سے ہی اپنے جسم کو زندہ ر
کے لیے پوری توانائی حاصل کر رہی تھی۔ یہ بھی میڈیکل سائنس کی دنیا میں ا
بہت بڑا انقلاب تھا۔

پرویز نے عینک اتار کر جیب میں رکھ لی۔ دیوار والی الماری کو ذرا سا ہ
دیوار کے خفیہ خانے کا تالا کھول کر نوٹوں کا تھیلا نکال کر میز پر رکھا اور دس
روپے کی گڈیاں اخبار کے کاغذ میں لپیٹ کر رومال میں باندھیں۔ باقی رقم وال
اسی طرح خفیہ خانے میں جا کر رکھ دیا اور تالا لگا کر الماری کو واپس دیوار کے سا
دیا۔ عینک لگا کر لاش کو دوبارہ ایک نظر دیکھا' عینک اتار کر جیب میں رکھ
لیبارٹری سے باہر نکل کر آہنی دروازے کو تالا لگا دیا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

ٹھڑی اس نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھ لی تھی۔

اس نے اپنے رشتے دار کو فون کر دیا تھا کہ وہ کل دن کے وقت رقم لے کر
ئے گا۔ وہ سیدھا اس کے آفس میں پہنچا۔ ان لوگوں نے محض دکھاوے کے لئے
رٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کر رکھا تھا مگر اندر سے وہ بلیک منی کا کاروبار
تے تھے۔ اس کا رشتے دار دفتر میں ہی تھا۔ پرویز نے دس لاکھ کے نوٹوں والا
ال اس کی میز پر رکھ دیا اور کہا۔ "میں رقم لے آیا ہوں۔ پورے دس لاکھ روپے
گن لیجئے۔"

وہ شخص بولا۔ "کوئی بات نہیں۔"

اس نے نوٹ نکال کر گنے۔ پورے دس لاکھ تھے۔ اس نے نوٹوں کی گڈیاں
کے دراز میں بند کر لیں اور پرویز کو اپنے خاص پیڈ پر لندن والے ایک آدمی کے
چار سطریں لکھ دیں کو ان صاحب کو دس لاکھ روپے کے عوض برٹش کرنسی دے
۔ نیچے اپنے دستخط کر کے ایک خاص نشان بنا دیا۔ وہ نشان پرویز کو دکھا کر کہنے
۔ "یہ ہمارا مخصوص نشان ہے۔"

پھر اس نے لفافے کے باہر لندن والے آدمی کا نام لکھا۔ اس شخص کے آفس
پورا ایڈریس اور لندن آفس کا فون نمبر ایک الگ کاغذ پر لکھ کر پرویز کو دیا اور کہا۔
م جاتے ہی اس نمبر پر فون کر لینا۔ ملک صاحب دن کے دس بجے سے چار بجے تک
س میں ہی ہوتے ہیں۔ میں تمہیں ان کا فوٹو دکھائے دیتا ہوں۔"

اس نے اپنے بٹوے میں سے ملک صاحب کی فوٹو نکال کر ڈاکٹر پرویز کو دکھائی
ر کہا۔ "یہ ہمارے لندن آفس کے انچارج ملک صاحب ہیں۔ میرا رقعہ ان کو جا کر
ے دینا۔ وہ تمہیں رقم ادا کر دیں گے۔"

ڈاکٹر پرویز نے ملک صاحب کے نام والا خط لفافے میں ڈالا اور سنبھال کر اپنے
اس رکھ لیا پھر اپنے رشتے دار سے ہاتھ ملا کر وہاں سے چل دیا۔ اس کا سارا کام ہو گیا
۔ اب اس نے برٹش ایئرویز میں کسی پرواز کی سیٹ بک کروانی تھی۔ تین دن بعد

کی فلائٹ پر اسے ایک سیٹ مل گئی۔ اسے زوناش کی لاش کی سیٹ بک کروا
ضرورت ہی نہیں تھی' نہ اس کے لیے پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت تھی کیو
وہ تو غیبی لاش تھی اور کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی اور نہ اسے کوئی ہاتھ لگا کر مح
کر سکتا تھا۔

اس کی فلائٹ لاہور سے لندن کی تھی اور شام کے وقت کی فلائٹ تھی۔ ڈا
دارا کو اس نے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ دونوں جہاز کی فلائٹ سے دو گھنٹے پہلے
قلعے کی لیبارٹری میں زوناش کی لاش کو لینے کے لیے آ گئے۔ لیبارٹری میں دا
ہونے سے پہلے دونوں نے آنکھوں پر عینکیں چڑھالی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ
اسی طرح سٹریچر پر لیٹی ہوئی تھی اور گہری نیند میں تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے اپنی تسلی
لیے عینک کو اتار کر دیکھا۔ لاش غائب تھی اور سٹریچر خالی تھا۔ اس نے دوبارہ عینک
لی۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول نکال کر لاش کو حکم دیا۔ "زوناش! اٹھو اور میر
پیچھے پیچھے آ جاؤ۔"

لاش اسی طرح ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی اور سٹریچر سے اتر کر ڈاکٹر پرویز
پیچھے چل پڑی۔ وہ لاش کو لیبارٹری اور پھر آسیبی قلعے سے باہر لے آئے۔ لیبارٹر
انہوں نے اچھی طرح سے تالا لگا دیا تھا۔ لاش کو گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی ایئرپو
کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھ
تھی۔ سردی کی وجہ سے ہلکی دھند بھی آسمان سے اتر کر شہر کے کھیتوں اور گلی کو
میں پھیل گئی تھی۔ ڈاکٹر دارا پنجابی زبان میں باتیں کرنے لگا۔ اس لئے کہ لاش
سمجھنے لگی تھی۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ زوناش کی لاش کا دماغ نشوونما پا رہا
اور دماغ کا وہ خانہ کھل رہا ہے جس میں دنیا کی تمام زبانوں یہاں تک کہ جنگل
جنگلی لوگوں کی زبان سمجھنے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے اور اس وجہ سے لاش اب
زبان بھی سمجھنے لگی تھی مگر لاش ابھی کسی زبان میں بات کرنے کے قابل نہیں

نی۔

ڈاکٹر دارا نے کہا۔ "پرویز! اگر سفر میں اور خاص طور پر برٹش ایئرویز کے جہاز
ں لاش اچانک دکھائی دینے لگی تو کیا ہو گا؟"

پرویز نے کہا۔ "ایسا ہو گا تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟ دیکھا جائے گا۔ ویسے میرا
ہیں خیال کہ لاش اب دکھائی دینا شروع کر دے گی اگر اس نے دکھائی دینا ہوتا تو
ب تک دکھائی دے جاتی۔ مگر وہ اسی طرح غائب ہے۔"

اسی طرح باتیں کرتے وہ ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔

ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے لاش سے کہا۔
زوناش! تم میری آواز سن رہے ہو؟"

لاش کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی۔ جیسے اس نے یس کہا ہو۔ ڈاکٹر پرویز
نے کہا۔ "تم میری زبان سمجھ رہے ہو؟"

لاش نے حلق سے پھر ویسی ہی آواز نکالی جیسے کہہ رہی ہو کہ میں سمجھ رہا
ں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "تم میرے پیچھے پیچھے رہو گے۔ میں کھڑا ہو گیا تو تم بھی کھڑے
جاؤ گے! میں چل پڑا تو تم بھی چل پڑو گے۔ میں جہاں کہوں گا تم بیٹھ جاؤ گے جہاں
ہوں گا تم کھڑے رہو گے۔ تم سن رہے ہو' سمجھ رہے ہو؟"

زوناش کی لاش کے حلق سے پھر وہی ہلکی سی آواز نکلی۔ یہ آواز غراہٹ کی
واز نہیں تھی بلکہ ایسی آواز تھی جیسے ایک ایسا آدمی جس کا گلا بیٹھ گیا ہو وہ بول کر
کہنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ڈاکٹر دارا کہنے لگا۔ وہ پنجابی میں بات کر رہا تھا۔ "اچھا
ارا! میں چلتا ہوں۔ لندن پہنچ کر مجھے خط لکھ دینا کہ تم پہنچ گئے ہو اور میں تمہیں
ک بار پھر کہوں گا کہ اگر ہو سکے تو لاش کو وہیں یورپ میں کسی عجائب گھر چھوڑ آنا
ے واپس پاکستان نہ لانا۔"

ڈاکٹر پرویز نے پنجابی زبان میں ہی جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گا۔"

اور لاش کو اپنے پیچھے پیچھے چلاتا ایئرپورٹ کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس

کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ بس زوناش کی لاش ہی تھی جو سوائے ڈاکٹر پرویز
اور کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ایک اٹیچی کیس
تھا جس میں اس کے دو گرم سوٹ اور دوسرا ضروری استعمال کا سامان تھا۔ سامان
چیک کروانے کے لیے اس نے اٹیچی کیس سکریننگ کے خانے میں ڈال دیا۔ اس کے
بعد ڈاکٹر کی لباس وغیرہ کی چیکنگ ہوئی۔ لاش اس کے پیچھے کھڑی ادھ کھلی مردہ اور
ساکت آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ صرف ڈاکٹر پرویز ہی اسے دیکھ رہا تھا۔
بھی اس لئے کہ اس نے عینک لگا رکھی تھی۔ عینک اس نے اس لئے لگائی تھی کہ
لاش پر نظر رکھ سکے کہ لاش کہیں ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ کیونکہ لاش کے متعلق
کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ریموٹ کنٹرول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس
بورڈنگ کارڈ لے لیا تھا۔ وہ ٹرانزٹ ہال میں جا کر لندن جانے والے دوسر
مسافروں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر زوناش کی لاش بھی
گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک انگریز عورت آئی اور چونکہ اس قطار میں کوئی
سیٹ خالی نہیں تھی وہ اس سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عورت کو بیٹھتے دیکھ کر ڈاکٹر پرویز ج
سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "میڈم! یہ سیٹ خالی نہیں ہے۔"

انگریز عورت نے حیران ہو کر ڈاکٹر پرویز کی طرف دیکھا۔ کہنے لگی۔ "تم
کہہ رہے ہو کہ سیٹ خالی نہیں ہے؟ سیٹ تو خالی ہے اور میں اس پر بیٹھ
ہوں۔"

تب ڈاکٹر پرویز نے آنکھیں پھاڑ کر اپنی ساتھ والی سیٹ کی طرف دیکھا۔
زوناش کی لاش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ زوناش کی لاش کی گود میں بلکہ
کی سیٹ پر انگریز عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ تب ڈاکٹر پرویز پر یہ انکشاف ہوا کہ
کی لاش ٹرانس پیرنٹ ہے یعنی وہ ایک سائے کی طرح بھی ہے اور سخت پتھر
جسم کے گوشت کی طرح بھی ہے یا پھر ایسا تھا کہ لاش جس وقت چاہے سا
طرح ٹرانس پیرنٹ ہو جاتی تھی اور جس وقت چاہے پتھر کی طرح سخت ہو جا

اور جس وقت چاہے انسانی گوشت کی طرح بن جاتی تھی۔ انگریز عورت کو ایک سیکنڈ
کے لیے بھی محسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک قوی ہیکل بھوت نما انسان کی گود میں
بیٹھی ہے۔ اگر اسے محسوس ہو جاتا تو وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔

ڈاکٹر پرویز اپنی آنکھوں پر عینک ٹھیک کرتے ہوئے بیٹھ گیا اور انگریز عورت
سے معذرت کرنے لگا کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ والی سیٹ خالی ہے۔
"دراصل یہاں ابھی ابھی ایک مسافر بیٹھا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ باتھ روم گیا اور
واپس آ جائے گا۔"

انگریز عورت نے کہا۔ "کوئی بات نہیں مسٹر' ایسی غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔
تم کہاں جا رہے ہو؟"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "میں لندن جا رہا ہوں۔"

"اوہ آئی سی۔" عورت بولی۔ "میں بھی لندن جا رہی ہوں۔"

اس کے بعد عورت بھی خاموش ہو گئی اور ڈاکٹر پرویز نے بھی کوئی بات نہ
ا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بہانے زوناش کی لاش کو ضرور
انی سے دیکھ لیتا تھا کیونکہ لاش کو پہلی بار وہ سائے کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ یعنی
ش کی شکل اور جسم پورے کا پورا دکھائی دے رہا تھا مگر لاش سائے کی طرح نرم اور
فاف ہو گئی تھی اور انگریز عورت اس کے اوپر بیٹھی ہوئی تھی مگر بالکل ایسے بیٹھی
لی جیسے آدمی کسی ایسی کرسی پر بیٹھ جائے جس پر کسی آدمی کا سایہ پڑ رہا ہو۔ ڈاکٹر
یز کو اس انکشاف پر خوشی بھی ہوئی کیونکہ اب جہاز میں وہ لاش کی طرف سے بے
ر ہو کر سفر کر سکتا تھا کیونکہ لاش کھڑی کھڑی اگر تھک جائے تو وہ جہاز میں کسی
افر کی سیٹ بلکہ مسافر کے اوپر بھی بیٹھ سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ
ن جانے والے مسافر برائے مہربانی جہاز پر آ کر بیٹھ جائیں۔ دوسرے مسافروں کے
تھ ڈاکٹر پرویز بھی اٹھا۔ عورت ابھی بیٹھی ہی تھی کہ زوناش کی لاش پرویز کو دیکھ کر
ھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر پرویز کو ایسے لگا جیسے لاش کا سایہ عورت کے جسم کے اندر سے

نکل کر باہر آگیا ہو۔

زوناش کی لاش ڈاکٹر کے پیچھے قطار میں کھڑی تھی۔ اِسی طرح وہ دوسرے مسافروں کے ساتھ برٹش ایئرویز کے جہاز پر سوار ہوگیا۔ اس کی سیٹ جہاز کی بیضوی کھڑکی کے پاس ہی تھی۔ اس نے لاش کے بالکل قریب ہو کر کہا۔ "میری ساتھ والی سیٹ خالی ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤ۔"

زوناش کی لاش اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اپنے وقت پر جہاز لاہور ایئرپورٹ سے پرواز کر گیا۔ جہاز کو کراچی تھوڑی دیر کے لیے رکنا تھا۔ وہاں سے ایک اور انگریز عورت جہاز میں سوار ہوئی تو اس کی سیٹ وہی تھی جس پر زوناش کی لاش بیٹھی ہوئی تھی۔ ایئرہوسٹس نے عورت کو لاش والی سیٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میڈم یہ ہے آپ کی سیٹ۔"

ڈاکٹر پرویز نے عینک لگا رکھی تھی۔ وہ زوناش کی لاش کو سیٹ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا مگر زوناش کی لاش اطمینان سے بیٹھی رہی۔ انگریز عورت بھی بڑے اطمینان سے زوناش کی لاش کی گود میں آکر بیٹھ گئی کیونکہ اسے تو سیٹ خالی ہی نظر رہی تھی۔ اسے تو لاش بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ جہاز کراچی سے پرواز کر گیا۔

ساتھ بیٹھی ہوئی عورت نے ڈاکٹر پرویز سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ عورت فرینکفرٹ جا رہی تھی اور جرمن خاتون تھی۔ وہ انگریزی میں بات کر رہی تھی۔ زوناش کی لاش کا دماغ چونکہ لندن کے رہنے والے دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ تھا اس لئے وہ عورت کی انگریزی زبان سن بھی رہی تھی اور سمجھ بھی رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر پرویز کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے بیٹھے ہوئے گلے سے بولنے کی کوشش کرتے انگریزی میں یس YES کہا ہو۔ اس نے گھبرا کر عورت کی طرف دیکھا۔ عورت نے بھی گھبرا کر ڈاکٹر پرویز کی طرف دیکھا اور بولی۔ "کیا یہ تمہاری آواز تھی؟ تمہارا گلا خراب ہے کیا؟"

ڈاکٹر پرویز گلے کی ٹائی درست کرتے ہوئے بولا۔ "نو میڈم! میرا گلا بالکل ٹھیک ہے۔"

وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ آواز زوناش کی لاش کی آواز تھی۔ اب اسے یہ فکر پڑ گئی کہ اگر لاش نے بولنا شروع کر دیا تو کیا ہوگا۔ جہاز میں تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ جہاز میں کسی کی بدروح داخل ہو گئی ہے۔

مگر لاش نے اس کے بعد بولنے کی بالکل کوشش نہ کی مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد زوناش کی لاش کی گود میں بیٹھی عورت بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ ڈاکٹر پرویز گھبرایا کہ کہیں لاش کوئی شرارت تو نہیں کر رہی۔ اس نے منہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ انگریز عورت تھوڑی دیر بعد بے چین ہو کر پہلو بدلتی۔ آخر تنگ آکر اس نے ایئرہوسٹس کو بلا کر کہا۔ "پلیز! مجھے کسی دوسری سیٹ پر بٹھا دو۔ میں اس سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتی۔"

ایئرہوسٹس نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیوں میڈم! اس سیٹ میں کیا خرابی ہے؟"

عورت نے انگریزی میں کہا۔ "مجھے اس سیٹ پر سے لاشوں کی سی بو آ رہی ہے۔"

ایئرہوسٹس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "میڈم جہاز میں کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ آپ میری والی سیٹ پر آ جائیں۔"

ایئرہوسٹس کی دروازے کے پاس ایک الگ سیٹ تھی۔ عورت جلدی سے اٹھ کر ایئرہوسٹس کے ساتھ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر پرویز نے دھیمی آواز میں زوناش کی لاش سے کہا۔ "ایسا کیوں ہوا ہے؟"

زوناش کی لاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف ذرا سا غرا کر خاموش ہو گئی۔ اس کی غراہٹ کی آواز تیسری سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافر نے بھی سنی۔ اس نے حیرانی سے ڈاکٹر پرویز کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھا کہ ڈاکٹر پرویز نے کوئی آواز نکالی ہے۔ پرویز نے یونہی گلا صاف کرنا شروع کر دیا۔ جہاز کئی ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا اور اس کا پہلا سٹاپ دوبئی تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

جہاز دوبئی تھوڑی دیر رُکا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

فرینکفرٹ پہنچ کر ڈاکٹر پرویز نے زوناش کی لاش سے کہا۔ "مَیں جہاز سے تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ تم اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہنا۔"

لاش خاموش رہی۔ پرویز اتر کر فرینکفرٹ ایئرپورٹ کے لاؤنج میں آ گیا اور ٹہلنے لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا۔ عینک لگائے وہ کبھی کبھی جہاز کے دروازے کی طرف دیکھ لیتا تھا کہ کہیں لاش جہاز سے باہر تو نہیں نکل آئی مگر لاش اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ جب وہ جہاز میں واپس آیا تو لاش اسی طرح ساکت و جامد پتھر کی مورتی کی طرح سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جہاز ٹیک آف کر گیا اور پھر لندن جا کر رکا۔ یہاں آدھا جہاز خالی ہو گیا۔ یہ جہاز آگے پیرس جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے زوناش کی لاش سے کہا۔ "میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔"

لاش اس کے پیچھے پیچھے چلتی جہاز سے باہر آ گئی۔ کسٹم وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر پرویز لندن ایئرپورٹ سے باہر نکلا تو ایک طرف سے اس کا چچا مسکراتا ہوا اسی کی طرف بڑھا۔ "ارے بھئی جہاز کا سفر کیسا رہا پرویز؟"

چچا نے پرویز کو گلے لگا لیا۔ پرویز نے کہا۔ "چچا جان جہاز کا سفر تو آدمی کو تھکا دیتا ہے۔ آٹھ گھنٹوں کا سفر ہوتا ہے۔"

چچا نے کہا۔ "میاں! تمہاری چچی جان تو بچوں کو لے کر ہونولولو گئی ہوئی ہے۔ لندن کی سردی اسے بھی راس نہیں آئی۔ نہیں تو میں تمہیں تمہاری چچی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی گرم گرم کریم کافی پلاتا۔ اب ایسا ہے کہ میں نے ریسٹ ہاؤس بالکل ٹھیک ٹھاک کروا دیا ہے۔ میں دوسری گاڑی ساتھ لایا ہوں میں تو دفتر جا رہا ہوں' تمہیں ڈرائیور ریسٹ ہاؤس لے جائے گا۔ وہاں تمہاری خدمت کو بوڑھی خادمہ موجود ہے۔ اسے پاکستانی کھانے بنانے تمہاری چچی نے سکھا دیئے ہیں' کریم کافی بھی وہ بنا لیتی ہے۔ اس بار اچھا کیا کہ دس گیارہ مہینے کی چھٹی لے کر آئے۔

پرویز نے کہا۔ "چچا جان! میں کچھ ریسرچ کا کام بھی کرنا چاہتا ہوں' اس کے لیے مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔ وہاں پاکستان میں اتنی مصروفیت ہوتی ہے کہ تنہائی کم ہی میسر آتی ہے۔"

چچا نے کہا۔ "ارے میاں! یہاں تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

وہ باتیں کرتے ایئرپورٹ کے پارکنگ کی طرف آ گئے۔ یہاں چچا کی دوسری گاڑی بھی کھڑی تھی۔ چچا نے اس کے بوڑھے انگریز ڈرائیور سے کہا۔ "انکل ولیم! میرے بھتیجے کو ریسٹ ہاؤس پہنچا دو۔ خیال رکھنا' یہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔"

بوڑھے ڈرائیور ولیم نے ڈاکٹر پرویز سے ہاتھ ملایا اور دروازہ کھول دیا۔ زوناش کی لاش اس دوران بڑی سعادت مندی سے ڈاکٹر پرویز کے پیچھے پیچھے رہی تھی۔ جب وہ گاڑی میں بیٹھا تو لاش بھی اس کے ساتھ ہی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گاڑی چچا کے ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی جہاں اس سے پہلے بھی ڈاکٹر پرویز آ کر رہا کرتا تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس' جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں لندن شہر کے جنوب میں کچھ فاصلے پر بڑی پر فضا اور پر سکون جگہ پر واقع تھا۔ ریسٹ ہاؤس میں آ کر ڈاکٹر پرویز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ زوناش کی لاش کو کاٹیج کے بیس منٹ یعنی تہہ خانے کے پلنگ پر لٹا دیا اور اسے کہا کہ وہ گہری نیند سو جائے۔ لاش حکم ملتے ہی گہری نیند سو گئی۔

ڈاکٹر پرویز کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ زوناش کی لاش ابھی تک اس کے کنٹرول میں تھی اور ایک ڈاکٹر سرجن کی حیثیت سے اسے یقین تھا کہ لاش کا دماغ اب اس کے کنٹرول میں ہی رہے گا۔ اس انکشاف نے ڈاکٹر کے لیے جعل سازی اور ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کے امکانات کے کئی دروازے کھول دیئے تھے کہ لاش ٹرانس پیرنٹ تھی یعنی اس کا وجود وقت آنے پر سائے کی طرح ہو جاتا تھا اور سائے کی طرح لوہے کی سلاخوں کے درمیان سے بھی گزر جاتی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں یہ نقطہ آگیا تھا کہ زوناش کی لاش صدر تھانے کی حوالات میں لوہے کی سلاخوں میں سے کس طرح گزر گئی تھی۔ اب ڈاکٹر صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا زوناش کی لاش وقت آنے پر دیوار کے درمیان میں سے بھی گزر سکتی ہے یا نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح سے پتھر اور لوہے کی دیواروں میں سے آواز کی لہریں گزر جاتی ہیں۔ وہ رات کو اس کا تجربہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ لندن کی فضا نم آلود اور دھندلی اور یخ بستہ تھی جیسی کہ اس شہر کی فضا سردیوں کے موسم میں ہوا کرتی ہے۔ ریسٹ ہاؤس کے کمرے سنٹرلی ہیٹڈ یعنی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈے رہا کرتے تھے۔ ڈاکٹر نے جب غسل وغیرہ کرنے کے بعد کپڑے بدلے تو بوڑھی ملازمہ نے اسے کریم والی کافی بنا کر دی۔ کافی پی کر ڈاکٹر پرویز نے ڈاکٹر دارا کے نام خط لکھ کر لفافے میں ڈالا اور بوڑھی ملازمہ کو خط دے کر کہا کہ وہ اسے صبح پوسٹ بکس میں ڈال آئے۔

اس کے بعد اس نے کھانا کھایا۔ فوراً ہی لندن شہر میں رات کا اندھیرا چھا گیا۔ جگہ جگہ لگی ہوئی بجلی کی بتیاں روشن کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ لندن کا اندھیرا گیلا اور بھاری ہوتا ہے اور آدمی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس اندھیرے میں شہر کی آلودگی کا دھواں بھی شامل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر پرویز تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے عینک لگالی اور ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لے کر اس کا بٹن دبایا اور لاش سے کہا۔ "زوناش! اٹھو' جاگنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

لاش ایک ہلکے سے جھٹکے سے آہنی پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے کہا۔
زوناش! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

لاش کے حلق سے گھٹی گھٹی غراہٹ نما آواز نکلی جیسے YES کہنے کی کوشش کر ی ہو۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "زوناش! میں تمہیں جو کچھ اردو زبان میں کہہ رہا ہوں تم ھ رہے ہو؟"

زوناش کی لاش نے حلق سے پھر وہی آواز نکالی۔ اچانک ڈاکٹر کے ذہن میں یہ ال آیا کہ اس لاش کے سر میں جو دماغ کام کر رہا ہے وہ دنیا کے سب سے بڑے ل کا دماغ ہے اور یہ قاتل لندن کا رہنے والا انگریز تھا۔ اگر زوناش کی لاش اردو ان سمجھ لیتی ہے تو وہ انگریزی بھی ضرور سمجھ لیتی ہوگی۔ چنانچہ ڈاکٹر پرویز نے اش کی لاش کو انگریزی میں کہا۔ "زوناش! کیا تم انگریزی زبان سمجھ رہے ہو؟"

زوناش کی لاش کے حلق سے پھر ویسی ہی آواز نکلی کہ ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔ رچہ لاش نے یہ جملہ نہیں بولا تھا مگر اس کے کہنے کا انداز یہی تھا کہ میں انگریزی ھ رہا ہوں۔ یہ بھی ڈاکٹر پرویز کے لیے ایک حوصلہ بخش بات تھی کہ زوناش کا اغ آہستہ آہستہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس کا دماغ اسی رح ترقی کرتا رہا تو اس کے دماغ کے خلئے اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیں گے کہ زمین کے اندر چھپی ہوئی دولت اور مدفون خزانے اور زمین کی تہوں میں چھپا ہوا ل اور گیس دیکھ سکے گی۔ ڈاکٹر پرویز کی جدوجہد کی آخری منزل یہی تھی۔ اس نے ی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ لندن آفس کی لائبریری میں جا کر اس موضوع پر مزید تابوں کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کرے گا کہ انسانی دماغ کے وہ پوشیدہ خلئے جو ساری ندگی خوابیدہ رہتے ہیں اور جن میں اتنی زبردست طاقت ہوتی ہے کہ وہ انسان کو مین کے اندر کے مدفون خزانے دکھا سکتے ہیں' ان کو کیسے بیدار کیا جا سکتا ہے۔ وہ وناش کی لاش کے دماغ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بڑی جلدی بیدار کرنا اور اس کے اغ کے خوابیدہ خلیوں کی ترقی کے عمل کی رفتار کو تیز تر کرنا چاہتا تھا خواہ اس کے

لیے اسے زوناش کے دماغ میں کوئی انجکشن ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ وہ سرجن بھی تھا اور ایم بی بی ایس ڈاکٹر یعنی فزیشن بھی تھا۔ وہ یہ کام کر سکتا تھا۔

اس وقت وہ لاش پر صرف یہ تجربہ کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر لاش سلاخوں میں سے سائے کی طرح گزر سکتی ہے تو کیا لاش کسی ٹھوس دیوار میں سے اس طرح سے نہیں گزر سکتی جس طرح کہ ایسی دیوار میں سے آواز کی لہریں گزر جاتی ہیں۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا وقت آنے پر یا اگر کوئی دیوار لاش کے سامنے آ جائے تو کیا وہ اس کے اندر سے گزر سکے گی؟

اس نے زوناش کی لاش کو کہا۔ "زوناش! پلنگ پر سے اٹھ کر میرے پیچھے پیچھے اوپر آ جاؤ۔"

وہ تہہ خانے کے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ زوناش کی لاش حکم ملتے ہی پلنگ پر سے اٹھ کر ڈاکٹر کے پاس آ گئی۔ ڈاکٹر زینے پر سے ہوتا ہوا لاش کو اپنے ساتھ اوپر کمرے میں لے گیا۔ اس وقت وہ ریسٹ ہاؤس میں اکیلا تھا۔ بوڑھی ملازمہ کھانا وغیرہ دے کر جا چکی تھی۔ اب اس نے صبح آنا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے لاش سے کہا۔ "زوناش! اس صوفے پر بیٹھ جاؤ۔"

لاش آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر آ کر بالکل ساکت ہو کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ جو مضبوط لکڑی کا تھا بند کر دیا۔ پھر لاش کو ریموٹ کا ایک بٹن دبا کر کہا۔ "زوناش! سامنے جو بند دروازہ ہے اس میں سے گزر جاؤ۔ دروازہ کھولنا مت۔ بند دروازے میں سے گزر جاؤ۔ کیا تم میری بات سمجھ گئے ہو؟"

لاش کے حلق سے مخصوص آواز نکلی۔ گویا لاش سب کچھ سمجھ رہی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے اسے حکم دیا۔ "اٹھو اور سامنے والے بند دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف جا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

زوناش کی لاش صوفے پر سے اٹھ کر ایک ایک قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ بند دروازے کے پاس آ کر ایک سیکنڈ کے لیے رک گئی۔ لاش

حلق سے عجیب قسم کی غراہٹ کی ہلکی ہلکی آواز نکلنے لگی۔ پھر لاش بے دھڑک بند دروازے کی طرف بڑھی اور بند دروازے کے لکڑی کے کیواڑ میں سے گزر گئی اور ڈاکٹر کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ڈاکٹر پرویز خوشی سے اچھل پڑا۔ جلدی سے اس نے دروازہ کھولا اور دوسری طرف جا کر دیکھا۔ لاش دوسرے کمرے میں جا کر وہیں کھڑی ہو گئی تھی۔ اب ڈاکٹر اینٹ پتھر کی دیوار پر تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر لاش پتھر کی دیوار میں سے گزر جاتی ہے تو وہ لوہے کی دیوار میں سے بھی گزر سکتی تھی۔ اس نے ریموٹ کنٹرول پر ایک اور بٹن کو دبا کر کہا۔ "زوناش! پیچھے کی طرف مڑ جاؤ۔"

لاش وہیں کھڑی کھڑی آہستہ آہستہ گھوم گئی۔ اب لاش کا منہ دوسرے کمرے کی دیوار کی طرف تھا۔ انگلستان کے مکانوں کی دیواروں میں پتھر کی اینٹیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں کیونکہ بنیادی طور پر یہ سارا علاقہ نیم پہاڑی ہے۔ ڈاکٹر نے زوناش کو حکم دیا۔ "زوناش! اب سامنے والی دیوار میں سے گزر جاؤ۔"

زوناش کی لاش دیوار کی طرف چل پڑی۔

وہ دیوار کے پاس جا کر رک گئی۔

ڈاکٹر نے کہا۔ "زوناش! کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟"

زوناش کی لاش نے حلق سے آواز نکالنے کی بجائے اوپر سے نیچے کی طرف سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ ایک نئی ترقی تھی۔ لاش کی ذہنی نشوونما کا ایک نیا قدم تھا۔ اب وہ اثبات میں سر ہلا کر ہاں کہنے لگی تھی۔ ڈاکٹر پرویز کے لئے یہ خوشی کی بات تھی۔ اس نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔ "تو پھر میرا حکم مانو اور سامنے والی دیوار میں سے گزر جاؤ۔"

لاش بڑے آرام سے آگے بڑھی اور دیکھتے دیکھتے پتھر کی دیوار میں سے گزر گئی۔ ڈاکٹر نے فتح مندی میں سرشار ہو کر زور سے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ میرے خدا! لاش پتھر کی دیوار میں سے نکل گئی ہے۔ اب میں اس کی مدد سے حیرت انگیز کام لوں گا۔ میں ساری دنیا کو حیران کر دوں گا۔ ڈاکٹر پرویز دروازے میں سے گزر کر

دوسری طرف گیا تو لاش دوسرے کمرے میں بڑے سکون کے ساتھ کھڑی تھی۔ ڈاکٹر نے لاش سے کہا۔ "زوناش! میرے ساتھ نیچے تہہ خانے میں آؤ۔"

لاش کھڑی کھڑی گھوم گئی اور وہ ڈاکٹر کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئی۔ ڈاکٹر نے لاش کو واپس لوہے کے پلنگ پر سلا دیا اور ریموٹ کنٹرول جیب میں رکھ کر عینک اپنی آنکھوں پر سے اتار کر لاش کو دیکھا' لاش غائب تھی۔ اس نے عینک لگا کر دیکھا' لاش نظر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے عینک کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی اور تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور گاڑی لے کر لندن کے سب سے بڑے عجائب گھر میں آ گیا۔ یہاں دنیا کے نایاب ترین نوادرات رکھے ہوئے تھے جن میں ایک لعل یمن بھی تھا۔ یہ لعل اس قدر قیمتی تھا کہ آج تک کوئی اس کی قیمت نہ لگا سکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لعل کسی زمانے میں یمن کی ملکہ صبا کے تاج میں لگا ہوا تھا۔ ملکہ صبا کو یہ قیمتی پتھر فرعون مصر نے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ مختلف بادشاہوں سے ہوتا ہوا یہ لعل یمن فرانس کے بادشاہ کے پاس آ گیا۔ جب فرانس میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا تو یہ لعل انگلستان کی ملکہ کے ہاتھ آ گیا جس نے یہ قیمتی نایاب اور تاریخی لعل لندن کے عجائب گھر کے حوالے کر دیا۔

لندن کے عجائب گھر میں یہ سرخ لعل مخمل کی گدی پر رکھا ہوا تھا اور عجائب گھر کے ایک کمرے کے وسط میں شیشے کی ایک میز پر پڑا تھا جس کے اردگرد ایسے مضبوط شیشے کی موٹی چاردیواری بنا دی گئی تھی کہ جس میں سے پستول کی گولی بھی نہیں گزر سکتی تھی۔ ایک مسلح گارڈ اس قیمتی لعل کی حفاظت کے لیے ہر وقت وہاں موجود رہتا تھا۔ لوگ دو قدم پیچھے ہٹ کر لوہے کے سبز جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر شیشے کی دیوار میں سے لعل یمن کا نظارہ کرتے تھے اور آگے گزر جاتے تھے۔ ڈاکٹر پرویز ایک کاپی اور پنسل ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ لعل یمن والے شیشے کے چبوترے کی ایک جانب مسلح گارڈ کے قریب کھڑے ہو کر لعل یمن کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ کاپی پر انگریزی میں کچھ پوائنٹ لکھنے لگتا تھا۔ اس نے مسلح گارڈ

[انگ]ریزی میں کہا۔ "میں ڈاکٹر ہوں۔ میں انگلستان کے عجائب گھر پر ایک تحقیقی [کام کر] رہا ہوں جس کی تیاری کے لیے مجھے عجائب گھر کی سب سے قیمتی شے لعل [یمن پر] خاص طور پر ریسرچ کرنی ہے۔ اس لئے اجازت دیجئے میں یہاں کھڑے ہو کر [...] اس نایاب لعل کو دیکھ کر اس کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ سکوں۔"

انگریز گارڈ نے جو پولیس کا سینئر سارجنٹ تھا ڈاکٹر پرویز کو اجازت دے دی کہ [...] آدھ گھنٹہ وہاں ایک طرف کھڑے ہو کر ریسرچ ورک کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر کا [پہلا م]رحلہ کامیاب ہو گیا تھا۔ دوسرے دن وہ زوناش کی لاش کو ساتھ لے کر عجائب [گھر کی] طرف چل پڑا۔ زوناش کی لاش گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ لاش کو [اس] نے پوری طرح سے سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ عجائب گھر کے باہر گاڑی کھڑی کرنے [کے] بعد ڈاکٹر پرویز نے ایک بار پھر لاش سے مخاطب ہو کر کہا۔ "زوناش! میں نے [جو] کچھ سمجھایا ہے کیا تم اسے پوری طرح سمجھ گئے ہو؟"

زوناش کی لاش نے سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی حلق سے آواز بھی نکالی۔ جس کا [مطلب] تھا کہ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "تم میرے ساتھ عجائب گھر [کے اند]ر جاؤ گے اور جہاں شیشے کا چوکور بکس بنا ہوا ہے اس کے پاس جا کر کھڑے ہو [جاؤ گے]۔ جب میں تمہیں اشارہ کروں گا اور سگنل دوں گا تم شیشے کی دیوار میں سے [گزر کر] اس کے اندر جاؤ گے اور میز پر پڑی ہوئی مخمل کی گدی پر سے سرخ رنگ کا [لعل اٹھا] لو گے اور اس کی جگہ یہ سرخ ہیرا رکھ دو گے۔"

ڈاکٹر نے جیب سے ایک نقلی سرخ لعل نکال کر لاش کی طرف بڑھایا اس لعل [کا رنگ] اور اس کی چمک دمک بالکل اصلی لعل یمن کی سی تھی مگر وہ نقلی تھا۔ زوناش [کی لاش] نے نقلی لعل اپنا ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی میں بند کر لیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ نقلی [لعل اص]لی لعل یمن کی جگہ رکھ کر تم میرے سگنل کے اشارے پر وہاں سے واپس مڑو [گے او]ر شیشے کی دیوار میں سے گزر کر باہر نکل آؤ گے اور باہر کھڑی اسی گاڑی میں آ [کر بیٹھ] جاؤ گے اور میرا انتظار کرو گے۔"

زوناش کی لاش کے حلق سے آواز بھی نکلی اور اس نے سرہلا کر یہ اشارہ
دیا کہ وہ سب کچھ سمجھ گیا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "گاڑی سے نکل کر میرے
جاؤ۔"

ڈاکٹر نے عینک لگا رکھی تھی۔ اس نے دیکھا کہ زوناش کی لاش گاڑی
نکلی اور اس کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور
کو ساتھ لے کر عجائب گھر کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اس نے ایک سیکنڈ کے
عینک کو صاف کرنے کے بہانے آنکھوں پر سے اتارا تو اسے لاش بالکل نظر
وہ یہی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ لاش لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہی ہے نا۔
غائب تھی۔ اس نے عینک لگالی۔ لاش اسے نظر آنے لگی تھی۔ دوسروں کے
غائب تھی۔

وہ لاش کو ساتھ لے کر اس کمرے میں آگیا جہاں شیشے کے چھوٹے
چبوترے کے اندر شیشے کی میز پر لعل یمن مخمل کی گدی پر پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے کاپی
ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس نے مسلح گارڈ کو سلام کیا اور ایک طرف کھڑے ہو
پر نوٹس وغیرہ لکھنے لگا۔ لاش اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ ڈاکٹر نے ایک ہاتھ
میں ڈال لیا۔ اس جیب میں ریموٹ کنٹرول تھا۔ اس نے ایک خاص بٹن دبا کر
سگنل دیا۔ لاش کو اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سگنل ملتے ہی
چبوترے کی طرف چل پڑی۔ وہ لوہے کے سنہری جنگلے کو اٹھائے بغیر اس
گزر گئی۔ سامنے مضبوط شیشے کی دیوار آگئی۔ جس میں سے پستول اور بندوق
بھی نہیں گزر سکتی تھی مگر لاش اس میں سے گزر گئی۔ ڈاکٹر پرویز دھڑکتے
ساتھ ایک طرف کاپی پنسل لئے کھڑا لاش کو دیکھ رہا تھا۔ لاش کی کارکردگی حیر
تھی۔ نقلی لعل زوناش کی مٹھی میں تھا۔

ڈاکٹر نے عینک اتار کر دیکھا۔ لاش اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ
میں کاپی پنسل لئے لعل یمن کو تکتا رہا۔ دوسرے لمحے مخمل کی گدی پر رکھا

سیکنڈ کے لیے غائب ہو گیا اور پھر فوراً ہی اس کی جگہ بالکل اسی سائز اور
صورت کا نقلی لعل یمن مخمل کی گدی پر ظاہر ہو گیا۔ زوناش کی لاش نے
ل یمن اٹھا کر اس کی جگہ نقلی لعل یمن رکھ دیا تھا۔ یہ کام لاش نے اتنی
اتنی سرعت سے کیا تھا کہ اسے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا ہوگا۔ ڈاکٹر
نے عینک جلدی سے اپنی آنکھوں پر لگالی۔ اسے لاش شیشے کی دیوار میں سے باہر
آئی۔ وہ دنیا کا سب سے قیمتی موتی اور پتھر لعل یمن اٹھا کر لے آئی تھی اور
ے ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اصلی لعل یمن کی جگہ نقلی لعل یمن پڑا
ب و تاب سے چمک رہا تھا۔ شیشے کے باکس کے اردگرد جو مقناطیسی لہریں
ئی تھیں انہوں نے بھی لاش کو کمپیوٹر کی سکرین پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ یہ لاش
ے میں ایک نیا اور بڑا حوصلہ افزا انکشاف تھا۔ ورنہ یہ اتنی طاقتور لہریں
کہ اگر شیشے کے باکس کے قریب سے کوئی مکھی یا مچھر بھی گزرتا تھا تو مانیٹر روم
کے ڈیوٹی گارڈ کو سکرین پر وہ مکھی یا مچھر نظر آجاتا تھا۔ مگر لاش دو بار شیشے کے
ا سے گزری تھی اور ایک لمحے کے لیے بھی سکرین پر دکھائی نہیں دی تھی۔
ش ڈاکٹر کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اب ڈاکٹر لاش کے پیچھے پیچھے چل رہا
ی لاش نے ایک اور ترقی کی تھی۔ اب لاش کے قریب جا کر اسے حکم نہیں
تھا۔ اب وہ الگ بیٹھ کر صرف ریموٹ کا بٹن دبا کر اور حکم کے الفاظ آہستہ
ا دہرا کر لاش سے کام لے سکتا تھا۔ لاش کے دماغ میں کئی نئی نئی باتیں پیدا
تھیں۔ ڈاکٹر لاش کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ لاش عجائب گھر کے کمرے میں سے
آہستہ آہستہ قدم بہ قدم چلتی عجائب گھر کے دروازے میں سے گزر کر
ا اتر کر باہر آگئی۔ پھر وہ قدم بہ قدم چل کر پارکنگ کی جگہ پر کھڑے ڈاکٹر کی
کے پاس آئی۔ لاش نے اپنے آپ پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر دروازہ
یا تھا۔

ڈاکٹر پرویز کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ لاش نے اس قدر ترقی کر لی

تھی کہ وہ دور رہ کر بھی لاش کو اپنے حکم کے مطابق چلا سکتا تھا۔ وہ جلدی جلدی
اٹھا تا گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی اس کے چچا کے
ہاؤس کی طرف تیزی سے رواں تھی۔ ریسٹ ہاؤس پر پہنچ کر ڈاکٹر نے زوناش
کہا۔ "زوناش! جو پتھر تم عجائب گھر سے اٹھا کر لائے ہو' وہ مجھے دے دو۔"

لاش نے لعل یمن والا ہاتھ ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا اور مٹھی کھول دی۔
کی مٹھی میں سرخ لعل بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ڈاکٹر نے لعل یمن
کی ہتھیلی سے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ریموٹ کا بٹن دبا کر لاش سے
"زوناش! اب تم نیچے تہہ خانے میں جا کر پلنگ پر سو جاؤ۔"

لاش آہستہ آہستہ چلتی زینہ اتر کر نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ ڈاکٹر بو
اس کے پیچھے گیا تو اس نے دیکھا کہ لاش پلنگ پر بے حس و حرکت ہو کر لیٹ
ہے۔ ڈاکٹر نے تہہ خانے کو بند کر کے دروازے پر تالا لگا دیا اور اوپر ڈرائنگ
میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے لعل یمن نکال کر سامنے میز پر رکھ دیا اور
حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ
دن وہ دنیا کے اس سب سے قیمتی لعل کا مالک بن جائے گا۔ اس نے لعل
سٹیل کی ڈبی میں بند کیا اور ڈبی کو الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں
فائلوں اور ڈبوں کے پیچھے چھپا کر رکھ دیا اور الماری کو تالا لگا کر چابی اپنے پاس
کر رکھ لی۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ عجائب گھر جب بند ہونے کا وقت
عجائب گھر کے ماہرین کی پارٹی چیکنگ کے لیے آئی۔ یہ پارٹی ہر روز جب شام کو
گھر بند ہونے لگتا تھا تو آ کر عجائب گھر کی بعض نایاب اور بے حد قیمتی اور
چیزوں کو چیک کرتی تھی کہ وہ اپنی جگہ پر اصلی حالت میں موجود ہیں یا کسی
کی جگہ اٹھا کر نقلی چیز رکھ دی ہے۔ کیونکہ انگلستان اور سارے یورپ میں نوا
کی اس قسم کی چوریاں عام تھیں۔ عجائب گھر کی پارٹی ہیروں کے تین انتہائی تج
اور بوڑھے جوہریوں پر مشتمل تھی۔ پولیس ان کے ساتھ تھی۔ ان کی آمد پر

ی ایک دیوار ہٹا دی گئی۔ تینوں جوہری مخمل کی گدی پر پڑے ہوئے لعل یمن
پاس گئے اور اسے اٹھا کر باری باری دیکھنے لگے۔ تینوں جوہریوں نے عینکیں لگا
تھیں اور ہاتھوں پر باریک سفید دستانے چڑھائے ہوئے تھے۔ جیسے ہی پہلے
ی نے محدب شیشے میں سے لعل یمن کو دیکھا تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں
منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ لعل یمن کے سرخ پتھر کے اندر بے شمار لہریں نظر آ
تھیں۔ یہ اصلی نہیں تھا۔ یہ نقلی لعل یمن تھا جس کی قیمت دس پندرہ روپے
زیادہ نہیں تھی۔ اس نے لعل یمن دوسرے جوہری کو دکھایا۔ لعل یمن کو
ب شیشے میں دیکھتے ہی اس پر بھی جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ کیونکہ اسے فوراً پتہ
گیا تھا کہ اصلی لعل یمن نہیں ہے بلکہ نقلی دو ٹکے کا سرخ پتھر ہے۔ اسی وقت
ب گھر کا خطرے کا الارم بجا دیا گیا اور پولیس نے سارے عجائب گھر کی عمارت کو
رے میں لے لیا۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ لعل یمن چوری ہو گیا ہے۔ لعل یمن
باکس کے پاس جو گارڈ ڈیوٹی دیتا تھا اسے پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا۔

اس وقت ڈاکٹر پرویز ریسٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں کافی کی پیالی ہاتھ میں
ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا تھا اور ٹی وی پر برٹش کولمبیا کے بارے میں کوئی
اوری فلم دکھائی جا رہی تھی' اچانک روک کر انگریزی میں بریکنگ نیوز لکھا ہوا آ
۔ دوسرے ہی لمحے اناؤنسر نے اعلان کیا کہ ابھی ابھی ہمیں خبر ملی ہے کہ لندن
عجائب گھر میں سے لعل یمن کا تاریخی ہیرا چرا لیا گیا ہے جس نے ہیرا چرایا ہے
اس نے اصلی کی جگہ نقلی ہیرا رکھ دیا ہے۔ اس کے فوراً بعد عجائب گھر کا منظر دکھایا
نے لگا۔ عجائب گھر میں پولیس ہی پولیس تھی۔ سارے عجائب گھر کو سیکیورٹی گارڈز
گھیرے میں لے لیا تھا اور ایک ایک شخص کی تلاشی لی جا رہی تھی اور ساتھ ہی
ارت بھی کی جا رہی تھی کہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ پولیس کو یقین ہے کہ
ایمن کا چور ابھی تک عجائب گھر کی عمارت میں ہی موجود ہے۔ یہ پروگرام ایک
ٹے تک جاری رہا۔ عجائب گھر میں موجود تمام لوگوں کی تلاشی لی گئی' مگر کسی کے

پاس سے لعل یمن برآمد نہ ہوا۔ اناؤنسر نے سکرین پر آکر کہا۔

"لندن کی پولیس سکاٹ لینڈ یارڈ اس بات پر حیران ہے اور ابھی تک اس کا کوئی جواز مہیا نہیں کر سکتی کہ یہ کیسے ہو گیا کہ چور شیشے کے مضبوط ترین باکس میں داخل ہوا۔ داخل ہونے کے بعد اس نے اصلی لعل اٹھا کر اس کی جگہ نقلی لعل رکھا اور کسی گارڈ نے اسے نہ دیکھا۔ کسی گارڈ کو وہ دکھائی نہ دے سکا۔ اور کمپیوٹرائز روم میں کنٹرول پینل پر بیٹھے گارڈ کو بھی سکرین پر کچھ دکھائی نہ دیا۔ اناؤنسر نے کہا کہ لعل یمن کا چور یا تو کوئی انتہائی عیار سائنس دان ہے اور یا پھر کوئی بھوت ہے جو جدید سائنس کے آلات کو بھی دھوکا دے کر سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انگلستان کا سب سے قیمتی اور تاریخی ہیرا چرا کر لے گیا اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ پولیس مصروف تفتیش ہے اور اس سلسلے میں بوگیر سدھائے ہوئے کتوں سے بھی مدد لی جا رہی ہے۔ اب اس بارے میں لندن کے لارڈ میئر اپنے تاثرات بیان کریں گے۔"

لندن کے لارڈ میئر نے ٹیلی ویژن پر آکر اپنے تاثرات بیان کرنے شروع کر دیئے۔ ڈاکٹر پرویز نے ٹی وی کی آواز بہت مدھم کر دی اور کافی کا گھونٹ نگل کر فاتحانہ انداز میں اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا دیا۔

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر کا لندن والا انکل بول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "پرویز! تم نے ٹیلی ویژن پر خبر سنی ہے؟ عجائب گھر کا سب سے قیمتی ہیرا لعل یمن چوری ہو گیا ہے۔"

پرویز نے کہا۔ "جی ہاں انکل! میں نے ابھی ابھی یہ خبر سنی ہے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی زبردست سیکیورٹی کے باوجود لعل یمن چرا لیا گیا ہے۔"

انکل بولے۔ "اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ چور کسی گارڈ کو نظر نہیں آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام کسی بھوت کا ہی ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر پرویز نے کہا۔ "انکل آج کل کے زمانے میں بھوت نہیں ہوتے۔"

انکل نے کہا۔ "بھائی! تمہیں معلوم نہیں، انگلستان میں اس وقت سب سے زیادہ بھوت پائے جاتے ہیں۔ جتنی یہ قوم بھوت پریت کی قائل اور توہم پرست ہے اتنے ہم بھی نہیں ہیں۔ تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہاں انکل میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرا آدھا دن لندن کی بڑی لائبریری میں گزر جاتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی پر بھی ریسرچ کر رہا ہوں۔"

انکل نے کہا۔ "شاباش! میاں محنت کرو گے تو کچھ حاصل ہو گا۔ یہ تمہاری عمر محنت کرنے کی ہے۔ یہاں لندن میں ایک ہی آرام ہے کہ تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ اچھا بھئی خدا حافظ۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے فون پر بتا دینا۔ شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوکے۔"

"تھینک یو انکل۔ خدا حافظ!"

ڈاکٹر پرویز نے فون بند کر دیا۔

اب جو اہم مرحلہ ڈاکٹر پرویز کے سامنے تھا وہ لعل یمن کو فروخت کرنے کا مرحلہ تھا۔ ظاہر ہے اس نے یہ قیمتی لعل اپنے پاس رکھنے کے لیے نہیں چرایا تھا۔ لندن میں لعل یمن کو فروخت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کے لئے یورپ کوئی نیا براعظم نہیں تھا۔ اس سے پہلے وہ لندن پیرس اور جرمنی کے شہروں کے کافی چکر لگا چکا تھا اور چونکہ ڈاکٹر پرویز کا مزاج شروع ہی سے مجرمانہ ذہنیت کا حامل تھا اس لئے وہ اکثر جرم و سزا کے ناول اور ڈرگ ٹریف کنگ مافیا کے بارے میں لکھی گئی کتابیں اور فلمیں دیکھنے کا بہت شوقین تھا اور دو سال پہلے اس نے پیرس کے زیر زمین کام کرنے والے بڑے پڑھے لکھے مگر انتہائی خطرناک جرائم پیشہ لوگوں کے ایک گروپ کے ساتھ تھوڑے سے تعلقات بھی پیدا کر لئے تھے۔ ان میں پیری نام کا ایک دوائیوں کا ایجنٹ تھا جو بظاہر تو دوائیوں کی ایک کمپنی کے لئے کام کرتا تھا مگر درپردہ وہ زیر زمین مافیا گروپ کا ممبر تھا اور منشیات کی سمگلنگ بھی کرتا تھا۔ پیری تیس پینتیس سال کا ایک جوان آدمی تھا جو فرانسیسی زبان میں شاعری بھی کر لیتا

تھا اور ڈاکٹر پرویز کا دوست بن گیا تھا۔

چنانچہ ڈاکٹر پرویز نے سوچا کہ پیرس جا کر پیری سے ملنا چاہئے اور ذرا اندازہ لگانا چاہئے کہ وہ آج کل کیا کر رہا ہے اور یہ کہ کیا لعل یمن کی فروخت کے سلسلے میں اس کی مدد لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ پیری کے فرانس اور جرمنی کے بڑے بڑے ناجائز کاروبار کرنے والے مگرمچھوں کے ساتھ بھی تعلقات تھے اور وہ ان کے لیے بھی کام کرتا تھا۔ پیرس لندن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پیری کا ٹیلی فون نمبر اور اس کے فلیٹ کا ایڈریس اس کی ڈائری میں لکھا ہوا تھا۔ اس نے سب سے پہلے فون پر نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے آپریٹر نے کہا کہ جس نام سے یہ نمبر ایشو کیا گیا تھا اس کا نمبر بدل گیا ہے۔ دوسرا نمبر نوٹ کر لیں۔ ڈاکٹر پرویز نے فوراً دوسرا نمبر لکھ لیا اور پھر اس پر فون کر دیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کچھ دیر بعد کسی نے ریسیور اٹھا کر فرانسیسی میں پوچھا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

ڈاکٹر پرویز کو تھوڑی بہت فرانسیسی زبان آتی تھی۔ اس نے کہا۔ "کیا میں مسٹر پیری فرانویل سے بات کر سکتا ہوں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہولڈ کرو۔ میں پیری کو فون دیتا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے ڈاکٹر پرویز کے کانوں میں ایک مانوس آواز آئی۔ "ہیلو! میں پیری فرانویل بول رہا ہوں۔"

ڈاکٹر پرویز نے فرانسیسی میں ہی کہا۔ "پیری! میں ڈاکٹر پرویز بول رہا ہوں مجھے پہچانا۔ ڈاکٹر پرویز فرام لاہور۔"

پیری کے قہقہے کی آواز آئی۔ "ہیلو ڈاکٹر! تم کیسے ہو؟ اتنے دن کہاں رہے، کہاں سے بول رہے ہو؟"

پرویز نے کہا۔ "میں لندن سے بول رہا ہوں۔ یہاں ریسرچ ورک کے سلسلے میں آیا ہوا ہوں، تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم پیرس میں ہی ہوتے ہو؟"

پیری نے کہا۔ "بھائی میں کہاں جاؤں گا۔ پیرس مجھے نہیں چھوڑ سکتا، میں

ں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تم آ جاؤ۔ آنے سے پہلے مجھے فون کر دینا، کب آ رہے ؟"

ڈاکٹر پرویز کو اچانک زوناش کی لاش کا خیال آ گیا۔ وہ اسے ریسٹ ہاؤس میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پیری سے کہا۔ "پیری ڈیئر! کیا ایسا ہو سکتا کہ تم ایک دن کے لیے لندن میری پاس آ جاؤ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔ تم ایک بڑی ضروری بات کرنی ہے۔"

پیری نے پوچھا۔ "کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

پرویز نے کہا۔ "بس تم سے ایک چھوٹا سا کاروباری مشورہ لینا ہے۔ تمہارے یں کسی اور سے اس قسم کا مشورہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ میں تمہارے سوا کسی کو لائق نہیں سمجھتا۔"

ڈاکٹر پرویز دوسروں سے کام نکالنا خوب جانتا تھا۔ پیری اس خوشامد سے بڑا ں ہوا۔ کہنے لگا۔ "میں کل دس بجے آ سکتا ہوں۔ تم کہاں پر ہوتے ہو؟"

ڈاکٹر پرویز نے اسے اپنا فون نمبر اور ریسٹ ہاؤس کا پورا ایڈریس لکھوا دیا۔
ے دن گیارہ بجے کے قریب پیری فرانویل ریسٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں رویز کے ساتھ بیٹھا کافی پیتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے باتیں کر رہا تھا۔ دونوں ٹھے لنچ کیا۔ بوڑھی انگریز ملازمہ نے بڑا عمدہ لنچ بنایا تھا جس میں دو فرنچ ڈشیں رکی تھیں۔ لنچ کے بعد انہوں نے ایک ایک پیگ برانڈی کا پیا اور پھر ملازمہ لے کر آئی اور دونوں کافی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے۔ پیری نے سگریٹ سلگانے کے ہا۔ "ڈاکٹر! اب بتاؤ تم کس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے والے تھے؟"

ڈاکٹر پرویز نے پہلے ہی سے سوچ لیا تھا کہ پیری کے ساتھ مطلب کی بات کس سے کرنی ہے۔ ڈاکٹر پرویز اندر سے بڑا کائیاں آدمی تھا۔ اس نے پیری سے "پیری بات یہ ہے کہ میرا ایک دوست انڈیا کے عجائب گھر سے چرائی ہوئی ایک مورتی لا رہا ہے، کیا تمہارا کوئی ایسا جاننے والا ہے کہ اس مورتی کو فروخت

بھی کیا جائے اور بات باہر بھی نہ نکلے؟"

پیری بولا۔ "تم تو جانتے ہی ہو کہ ہمارا سارا کاروبار رازداری سے ہوتا ہے۔ اگر رازداری نہ برتی جائے تو ہم پر اعتبار کون کرے گا۔ تمہارا دوست یہ تاریخی مورتی کب لا رہا ہے؟"

پرویز نے کہا۔ "بس ایک دو دن میں آ جائے گی۔"

پیری بولا۔ "ٹھیک ہے۔ جس وقت وہ آئے۔ تم مجھے پیرس فون کر دینا' میں اپنے آدمی کو لے کر آ جاؤں گا' اسی جگہ پر بیٹھ کر سودا ہو جائے گا۔"

اس کے بعد پیری واپس پیرس چلا گیا۔

ڈاکٹر پرویز اس آدمی کو دیکھنا چاہتا تھا جس کو پیری اپنے ساتھ لانے والا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر وہ تیسرا آدمی قابل اعتبار دکھائی دیا تو وہ پیری کو درمیان میں سے نکال دے گا اور اس تیسرے آدمی سے ہی بزنس کرے گا۔

اس روز لندن کا موسم ابر آلود تھا۔ شام کو ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی سردی بھی بڑھ گئی اور دھند نے سارے لندن شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈاکٹر پرویز بیڈ روم میں گرم ہو کر بیٹھا تھا کہ اس کے انکل کا فون آ گیا۔ انکل نے کہا۔ "پرویز بیٹا! تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے آ جاؤ۔ گاڑی بھیج رہا ہوں۔"

ڈاکٹر کا باہر نکلنے کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا لیکن انکل کے اس پر بڑے احسان تھے۔ وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی آ گئی۔ ڈاکٹر پرویز گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ پیچھے بوڑھی ملازمہ تھی جو رات کا کھانا بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ لندن میں بارش ہو رہی تھی۔ بارش اور دھند نے سردی میں اضافہ کر دیا تھا۔ بادل دھند کی وجہ سے شام کا اندھیرا بڑی جلدی پھیل گیا۔ بارش میں بھیگتی سڑکیں خالی ہو گئیں۔ کسی کسی وقت کوئی گاڑی تیزی سے گزر جاتی تھی۔

ڈاکٹر پرویز کو انکل کے ہاں زیادہ وقت لگ گیا۔ انکل نے کہا۔ "کھانا یہ

ساتھ ہی کھا کر جانا۔ میں ملازمہ کو ریسٹ ہاؤس فون کر دیتا ہوں۔"

اس نے ریسٹ ہاؤس کا نمبر ملا کر بوڑھی انگریز ملازمہ سے کہا کہ ڈاکٹر رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھائے گا۔ تم نے اگر کھانا تیار کر لیا ہے تو اسے ریفریجریٹر میں رکھ دینا اور تالا لگا کر چلی جانا۔ ڈاکٹر پرویز کے پاس ڈپلیکیٹ چابی ہے۔

بوڑھی انگریزی خادمہ نے کھانا تیار کر لیا ہوا تھا اور ڈاکٹر پرویز کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ جب انکل کا فون آ گیا تو اس نے کھانا ریفریجریٹر میں رکھا اور ریسٹ ہاؤس کو تالا لگا کر چلی گئی۔ شام کا اندھیرا رات کی تاریکی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر کپکپا دینے والی سرد دھند کی چادر سی پھیل گئی تھی۔ ریسٹ ہاؤس کے سب کمروں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ صرف کچن کی اور ریسٹ ہاؤس کے باہر دروازے والی بتی روشن تھی۔ تہہ خانے میں زوناش کی لاش سٹریچر پر بالکل سیدھی پڑی سو رہی تھی۔ ریموٹ کنٹرول جاتی دفعہ ڈاکٹر پرویز اسی الماری میں رکھ گیا تھا جس کے اوپر والے خانے میں اس نے فائلوں کے پیچھے لندن کے عجائب گھر سے چرایا ہوا قیمتی لعل ڈبی میں بند کر کے چھپایا ہوا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے تاریکی میں ڈوبے ہوئے کمروں پر سرد اور گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر سڑک پر بھی سناٹا تھا۔ سخت سردی' بارش اور دھند کی وجہ سے کاؤنٹی کے علاقے میں پراسرار سکوت چھایا ہوا تھا۔ ریسٹ ہاؤس لندن سے دور ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔ تہہ خانے میں زوناش کی لاش کو ڈاکٹر پرویز ریموٹ کنٹرول کے ذریعے سو جانے کا حکم دے گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لاش کا دماغ جو لندن کے نامی گرامی قاتل والڈروف کا دماغ تھا اور اسے کسی دوسرے مردے کی کھوپڑی میں لگا دیا گیا تھا اب آہستہ آہستہ بہت کچھ سوچنے لگا تھا۔ اس کے دماغ نے زوناش کی لاش کو بتا دیا تھا کہ اس میں ایک ایسے آدمی کا دماغ فٹ کر دیا گیا ہے جو کسی زمانے میں اپنی محبوبہ مارگریٹ کی بے وفائی کی وجہ سے قاتل بن گیا تھا۔ اس نے مارگریٹ کو بھی قتل کر دیا تھا اور اس کے سارے خاندان کو بھی ہلاک کر ڈالا

تھا اور اس کے بعد اس نے سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آ
پولیس نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ اس پر مقدمہ چلا تھا اور اسے عدالت نے پھانسی
سزا سنا دی تھی۔ پھانسی دینے کے بعد حکومت نے اس کے دماغ کو واٹر پروف
کھوپڑی میں سے نکال کر لندن کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر پرویز اور اس کے دوست ڈاکٹر دارا نے یہ دماغ چرا لیا تھا اور چرا کر ا
ملک میں لے گئے تھے اور اسے اپنی بنائی ہوئی لاش کی کھوپڑی میں اس طرح سے
دیا تھا کہ دماغ کی ساری رگیں جسم کی دوسری رگوں سے جوڑ دی تھیں۔ اصل
وہ لندن کے عجائب گھر سے دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان کا دماغ چرانے
تھے لیکن غلطی سے دنیا کے سب سے بڑے قاتل کا دماغ چرا کر لے آئے تھے
رگوں کے ایک دوسرے سے منسلک ہو جانے کی وجہ سے اندر ہی اندر زوناش
لاش کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے اپنا سارا ماضی یاد آ گیا تھا۔ اسے ا
محبوبہ مارگریٹ بھی یاد آ گئی تھی۔ لاش کو یہ بھی احساس ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر پرویز اس
اپنا غلام بنا کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں کو قتل کروانا اور ڈاکے ڈلوانا چاہتا
ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے زوناش کی لاش کی مدد سے کچھ لوگوں کو قتل بھی کروایا تھا اور
بینکوں میں ڈاکے بھی ڈلوائے تھے۔

اس وقت بھی نیم روشن تہہ خانے کے سٹریچر پر لیٹی ہوئی لاش یہی سوچ رہی
تھی۔ لاش کا دماغ کسی شریف آدمی کا دماغ نہیں تھا۔ وہ ایک خوفناک قاتل کا دماغ
تھا۔ چنانچہ لاش کے دماغ نے ڈاکٹر پرویز کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اپنی
محبوبہ مارگریٹ کی قبر کو تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے اتنا یاد تھا کہ اس کی محبوبہ
مارگریٹ کو لندن کے جنوب میں ایک پرانے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا۔ لاش نے دو
ایک بار دیکھا تھا کہ ڈاکٹر پرویز ریموٹ کنٹرول ڈرائنگ روم والی الماری میں چھپا کر
رکھتا ہے۔ زوناش کی لاش کا دماغ سوچنے لگا کہ وہ اپنی محبوبہ کی قبر پر جائے تو اس کے
لیے کیا تحفہ لے کر جائے۔ وہ کوئی بڑا قیمتی تحفہ لے کر جانا چاہتا تھا۔ اچانک اسے

خیال آگیا کہ وہ لندن کے عجائب گھر سے جو قیمتی لعل چرا کر لایا ہے اور جو اس نے
ڈاکٹر پرویز کو دے دیا تھا کیوں نہ وہی لعل اپنی محبوبہ کو پیش کرنے کے لیے لے
جائے۔ یہ بات ہم بتا دیں کہ زوناش کی لاش پر ریموٹ کنٹرول کی گرفت وقت کے
ساتھ ساتھ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ چونکہ لاش کا دماغ بیدار ہو رہا تھا اس وجہ سے
اس کی اپنی قوت ارادی نے بھی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے باوجود زوناش کی
لاش ریموٹ کنٹرول کو اپنے قبضے میں کر لینا چاہتی تھی۔ زوناش کی لاش یہ سب کچھ
تے میں سوچ رہی تھی۔

پھر اچانک لاش نے اپنی بے نور مردہ آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر پرویز اب لاش کو سٹریچر پر چمڑے کی بیلٹ سے باندھا نہیں کرتا تھا۔ اس
وقت لاش بالکل کھلی حالت میں سٹریچر پر پڑی تھی۔ اگر اسے چمڑے کی بیلٹ یا
زنجیروں سے باندھا بھی ہوتا تو لاش میں اتنی زبردست طاقت آ گئی تھی کہ وہ ایک ہی
جھٹکے سے آہنی زنجیروں کو توڑ سکتی تھی۔ زوناش کی لاش کی آنکھیں نیم وا تھیں اور
اس کا دماغ تیزی سے اپنے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ زوناش کو پتہ چل گیا تھا کہ اس
پر ریموٹ کنٹرول کا اثر کمزور پڑ چکا ہے اور اس نے اپنی قوت ارادی سے آنکھیں
کھولی ہیں۔ وگرنہ پہلے اسے ڈاکٹر پرویز ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر حکم دیتا تھا کہ
آنکھیں کھول کر بیدار ہو جاؤ اور لاش بیدار ہو جاتی تھی۔ اب ایسا نہیں ہوا تھا۔ پھر
بھی لاش ڈاکٹر پرویز کے ریموٹ کنٹرول کو اپنے قبضے میں لے لینا چاہتی تھی۔ لاش
آہستہ آہستہ سٹریچر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لاش کے سانس کی آواز ایسی آ رہی تھی جیسے
کسی سٹیم انجن میں سے دھیمی آواز میں بھاپ خارج ہو رہی ہو۔ لاش سٹریچر سے اتر
کر آہستہ آہستہ چلتی تہہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ ڈاکٹر پرویز نے تہہ
خانے کے دروازے پر باہر سے تالا لگایا ہوا تھا۔ مگر لاش کو دروازہ توڑنے کی ضرورت
نہیں تھی۔ اس کے اندر جو کیمیاوی انقلاب برپا ہو چکا تھا اس نے لاش کو اس قابل
بنا دیا تھا کہ وہ پتھر کی دیوار میں سے بھی اسی طرح سے گزر سکتی تھی جس طرح آواز

کی لہریں بغیر کسی رکاوٹ کے گزر جاتی ہیں۔ چنانچہ لاش بڑے آرام سے بند دروازے میں سے گزر گئی۔

لاش اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی پہلی منزل میں آ گئی۔

لاش کو معلوم تھا کہ وہ الماری کہاں ہے جہاں ڈاکٹر پرویز ریموٹ کنٹرول اور اپنی دوسری قیمتی چیزیں رکھتا ہے۔ اس نے انمول لعل بھی وہیں رکھا تھا۔ یہ ڈرائنگ روم کی الماری تھی۔ لاش تاریک ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ لاش اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ وہ سیدھی الماری کے پاس گئی۔ اس نے اپنا سر بند الماری کے اوپر والے خانے میں ڈال دیا۔ خانے میں اسے ایک طرف ریموٹ کنٹرول پڑا نظر آ گیا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول اٹھا لیا۔ اس کے بعد لاش نے فائلوں کو ایک طرف ہٹایا تو اسے ڈبی میں بند عجائب گھر سے چرایا ہوا قیمتی لعل یمن بھی مل گیا۔ لاش نے یہ دونوں چیزیں اپنے بوسیدہ لمبے کرتے میں چھپا کر رکھ لیں اور راہ داری میں سے ہوتی ہوئی ریسٹ ہاؤس کے بند دروازے پر آ گئی۔ یہ دروازہ بھی باہر سے مقفل تھا۔ لاش بڑے آرام سے بند دروازے میں سے گزر کر باہر دھند میں ڈوبی سڑک پر آ گئی۔ لاش کے دماغ کو سارا علاقہ یاد آ گیا تھا۔ وہ والڈروف قاتل کا دماغ تھا اور والڈروف قاتل انگلستان کا رہنے والا تھا۔ وہ لندن اور اس کے دیہات کی ایک ایک جگہ سے واقف تھا۔ وہاں سے اسے لندن شہر کے جنوب میں پرانے قبرستان جانا تھا۔

لاش غیبی حالت میں تھی اور کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ لاش نے لندن کے جنوب کی طرف رخ کر لیا اور سڑک کے کنارے کنارے چل پڑی۔ اس وقت اگر لاش کسی کو نظر آ جاتی تو وہ اسے دیکھتے ہی دہشت کے مارے بے ہوش ہو جاتا۔ سات سوا سات فٹ کی دراز قد' لمبے بوسیدہ کوٹ نما کرتے اور کٹے پھٹے سینے ہوئے مردہ سپاٹ چہرے والی لاش کو اندھیری سرد دھند میں ڈوبی سڑک پر جاتے دیکھ کر کوا بے ہوش سیں ہو گا۔

زوناش کی لاش کو احساس ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ چل رہا ہے اور اس رفتار سے

چلتے ہوئے وہ صبح کے وقت ہی لندن پہنچے گا۔ جبکہ وہ اپنی محبوبہ کی قبر پر بڑی جلدی پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے پیچھے موٹر کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ لاش نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ دھند میں دور سے آنے والی موٹر کار کی بتیوں کی روشنی پڑ رہی تھی۔ کوئی گاڑی آ رہی تھی۔ لاش سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں ایک ٹرک دھند کی وجہ سے بڑی دھیمی رفتار سے آتا نظر آیا۔ جب ٹرک زوناش کی لاش کے قریب سے گزرنے لگا تو لاش بڑے آرام سے ٹرک پر چڑھ گئی۔ وہ کھلے ٹرک کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ چونکہ لاش کو علم تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا اس لئے وہ بڑی بے نیازی کے ساتھ ٹرک میں کھڑی تھی۔

یہ ٹرک لندن جا رہا تھا۔ اندھیرے اور دھند میں بھی لاش نے ٹرک پر لکھا ہوا لندن کا نمبر پڑھ لیا تھا۔ زوناش کی لاش کا دماغ بڑی تیزی سے اپنے ماضی کو یاد کر رہا تھا۔ پچاس سال پہلے زوناش یعنی والڈروف کو سینکڑوں انسانوں کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ پچاس سال میں انگلستان کا ماحول بہت بدل گیا تھا۔ ٹرک لندن شہر میں داخل ہو گیا تھا۔ لندن بارش اور دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہر کی بے شمار روشنیاں ستاروں کی طرح اس دھند میں جھلملا رہی تھیں۔ پچاس برس پہلے لندن میں اتنی روشنیاں نہیں تھیں۔ والڈروف کو سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔ سڑکیں' پارک' باغ وہی تھے۔ کہیں کہیں بڑی اونچی اونچی بلڈنگیں کھڑی ہو گئی تھیں۔

ٹرک شہر کے گنجان علاقے میں ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ لاش بڑے آرام سے نیچے اتر گئی۔ بہت جلد اس نے علاقے کو پہچان لیا۔ یہ جنوبی لندن کا علاقہ تھا۔ وہاں سے پرانا قبرستان کوئی ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ دھند میں ڈوبی ہوئی سڑک پر گاڑیاں آ جا رہی تھیں مگر ان کی رفتار بہت دھیمی تھی اور ان کی پوری بتیاں روشن تھیں تاکہ دھند کی وجہ سے کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

زوناش کی لاش سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک طرف کو چل دی تھی۔ ایک بلی سردی میں دیوار کے ساتھ لگ کر سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے زوناش کی

لاش کو دیکھ لیا تھا۔ بلی نے ایک ڈراؤنی چیخ ماری اور ایک طرف کو بھاگ گئی۔ لاش
نے گردن موڑ کر بلی کو دیکھا بلی سڑک کی دوسری طرف دھند میں غائب ہو چکی تھی۔
لاش دوبارہ آہستہ آہستہ چل پڑی۔ لاش آبادی سے باہر آ گئی تھی۔ اس کی ایک
جانب ایک اجڑا ہوا سیب کا باغ تھا جس کے بے برگ و بار ننگی ٹہنیاں سرد کہرے
میں ٹھٹھر رہی تھیں' دوسری طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ جس کچی سڑک پر لاش چل
جا رہی تھی وہ سیدھی قبرستان کے گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ قبرستان کے گیٹ کو
زوناش یعنی والڈروف کی لاش نے پہچان لیا۔ گذشتہ پچاس سالوں میں قبرستان کا
گیٹ اور زیادہ بوسیدہ ہو گیا تھا۔ اس کی ایک دیوار جنگلی بیل کی شاخوں میں چھپ
گئی تھی۔ گیٹ کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ ایک جانب گورکن کی کوٹھڑی تھی جس کی
کھڑکی کے شیشے میں سے دھیمی دھیمی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ شاید گورکن رات کا
کھانا پکا رہا تھا۔ قبرستان گہری خاموشی میں غرق تھا۔ کہرے کی ایک ٹیڑھی میڑھی
چادر پتلے بادل کی طرح قبروں کے اوپر پھیلی ہوئی تھی۔

خاموشی اس قدر تھی کہ زوناش کی لاش کو بھی اپنے کان سنسناتے محسوس
ہونے لگے تھے لیکن لاش کو ڈر خوف بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ڈر خوف اسے
کیسے لگ سکتا تھا۔ اس لاش کا جسم مختلف مردوں کے اعضا جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ لاش کا
کوئی بھی عضو اپنا نہیں تھا' اپنا صرف اس کا دماغ ہی تھا۔ یہ دماغ ہی تھا جو لاش کو
زندہ حالت میں چلا پھرا رہا تھا' اور اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے رہا تھا
لاش کو اپنی محبوبہ مارگریٹ کی قبر کی تلاش تھی۔ اس نے مارگریٹ کی قبر نہیں دیکھی
تھی۔ جب لاش یعنی والڈروف نے مارگریٹ اور اس کے سارے گھر والوں کو قتل
کیا تھا تو وہ لندن میں روپوش ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اسے مارگریٹ کے جنازے میں
شرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو اسے بے وفا سمجھ رہا تھا حالانکہ وہ لڑکی اَیـ
نہیں تھی۔ وہ اپنے چچا کی وجہ سے مجبور تھی۔ اس کے بعد لاش یعنی والڈروف نے
قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اس نے لندن میں پچاس ساٹھ خون کیے اور پیر

گیا۔ وہاں بھی اس نے سو کے قریب فاحشہ عورتوں یعنی طوائفوں کو قتل کیا اور
پ کے دوسرے ملکوں میں بھاگتا پھرتا رہا اور قتل و غارت گری جاری رکھی۔ آخر
پڑ لیا گیا۔ چنانچہ اسے مارگریٹ کی قبر دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔
وہ جانتا تھا کہ مارگریٹ کی قبر پر اس کے نام کا کتبہ ضرور لگا ہوا ہو گا۔ ہمارا
ل ہے کہ اب ہم لاش کی جگہ اس کا لاش والا نام زوناش ہی لکھیں گے۔ لاش بار
لکھنا اچھا نہیں لگتا کیونکہ لاش مونث ہوتی ہے اور والڈروف جس کی لاش کے
ے میں ہم آپ کو یہ دہشتناک کہانی سنا رہے ہیں مرد تھا۔ چنانچہ اب جہاں زوناش
ا ہوا آپ پڑھیں تو سمجھ جائیں کہ اس سے ہماری مراد لاش ہے یعنی وہ لاش جس
ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا نے قبرستانوں میں سے مختلف مردے نکلوا کر ان کے
وں کے صحت مند اعضا کاٹ کر انہیں دوبارہ جوڑ کر تیار کیا تھا۔
زوناش ٹوٹی پھوٹی قبروں کے درمیان شبنم اور بارش میں بھیگی ہوئی لمبی لمبی
اس پر چلتا ایک ایک قبر کو جھک کر دیکھ رہا تھا۔ آخر اسے ایک کتبہ نظر آیا جو ایک
ف کو جھکا ہوا تھا۔ زوناش نے کتبے کو سیدھا کر کے پڑھا تو اس پر لکھا تھا۔

"مس مارگریٹ ڈنکن"

اس کے نیچے مارگریٹ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات لکھی ہوئی تھی۔
ا کچھ دیر قبر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ مارگریٹ کے سارے خاندان کو زوناش
ل کر ڈالا تھا۔ وہیں ساتھ ہی مارگریٹ کے خاندان کے دوسرے افراد کی قبریں
۔ قبروں پر گھاس اگ آئی تھی۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں بچا تھا۔
ئی زوناش کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی جیسے مارگریٹ سے اپنے گناہوں کی
مانگ رہا ہو۔

O☆O

اچانک لاش یعنی زوناش کو کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس
آہستہ آہستہ گھوم کر پیچھے دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کو اس طرح محسوس
جیسے کوئی آہیں بھرتا اس کے قریب سے گزر گیا ہو۔ زوناش قبرستان کی تاریک
دھند میں دیکھ رہا تھا۔ اسے قبرستان کے جھکی ہوئی شاخوں والے درخت ایسے
رہے تھے جیسے وہ قبروں پر جھک کر مرنے والوں کا ماتم کر رہے ہوں۔ اس کے د
نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کے قریب سے کوئی آہیں بھرتا گزر گیا ہے۔ زوناش
یہ خیال بھی آیا کہ کہیں یہ مارگریٹ کی روح تو نہیں تھی۔ مارگریٹ اس سے
محبت کرتی تھی مگر اس نے اتنی پیاری محبت کرنے والی نوجوان لڑکی کو قتل کر دیا
زوناش کا دماغ اپنے اس گناہ پر بہت پچھتا رہا تھا۔ اسے مارگریٹ کے رشتہ دارو
قتل کا ذرا سا بھی پچھتاوا نہیں تھا مگر مارگریٹ کے قتل کا اسے افسوس تھا۔ وہ خو
مارگریٹ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ یہ اس کی محبت ہی تھی جو اسے کھینچ کر قبر
لے آئی تھی۔

زوناش کچھ دیر مارگریٹ کی قبر پر بالکل خاموش اور ساکت کھڑا رہا۔ پھر وا
کی طرف چل پڑا۔ وہ قبرستان کے گورکن کی کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا۔ ب
گورکن سٹول پر بیٹھا پیالے میں سوپ پی رہا تھا۔ کوٹھڑی کی بتی روشن تھی۔ زو

ہٹا تو اس کا ہاتھ کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا گیا۔ اس آواز پر گورکن نے کھڑکی کی
ی دیکھا۔ وہ اٹھ کر آیا اور اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانک کر دیکھا اور
ریزی میں کہا۔ "کون ہے؟"

زوناش چند قدم کے فاصلے پر خاموش کھڑا تھا اور گورکن کو دیکھ رہا تھا۔
رکن نے کھڑکی بند کر دی اور پیچھے ہٹ کر سٹول پر بیٹھ گیا اور سوپ پینے لگا۔
اش کی لاش قبروں کی طرف مڑ گئی۔ ایک جگہ بہت سی قبریں بنی ہوئی تھیں۔
ں اچانک زوناش کو مارگریٹ کے لباس کی دھیمی سی خوشبو آئی۔ یہ خوشبو
ریٹ کے کپڑوں سے اکثر آیا کرتی تھی۔ زوناش نے چونک کر دائیں بائیں
ھیرے میں دیکھا، مارگریٹ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر اس کے دماغ کو یقین تھا
مارگریٹ کی روح وہیں کہیں موجود ہے اور اسے دیکھ رہی ہے۔ زوناش اپنے
ں سے مارگریٹ کا نام نہیں پکار سکتا تھا۔ اس نے حلق میں سے عجیب سی ڈراؤنی
واز نکالی۔ وہ مارگریٹ کو آواز دے رہا تھا۔ اس نے دو تین بار اس قسم کی آوازیں
لیں مگر مارگریٹ کی روح نے کوئی جواب نہ دیا۔ خوشبو آہستہ آہستہ اس سے دور
نے لگی۔ زوناش کی لاش اس خوشبو کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

خوشبو قبرستان سے نکل کر ایک ویران علاقے کی طرف جا رہی تھی۔ کسی
ت خوشبو تیز ہو جاتی اور پھر اچانک دھیمی ہو جاتی۔ جیسے مارگریٹ کی روح کبھی
زوناش کے قریب آ جاتی ہو اور کبھی اس سے دور ہو جاتی ہو۔ زوناش اپنے حلق سے
وڑی تھوڑی دیر بعد سمجھ میں نہ آنے والی آواز میں مارگریٹ کو آواز دے رہا تھا
ر چلتا بھی جا رہا تھا۔ مارگریٹ کی خوشبو جیسے اس کی رہ نمائی کر رہی تھی۔ زوناش
یران علاقے میں سے گزر گیا۔ سرد رات مہیب خاموشی کی دھند میں ڈوبی ہوئی
ی۔ آگے ایک بہت بڑے تاریخی قلعے کے کھنڈر آ گئے۔ زوناش کا دماغ اب اس
لعے کی تاریخ سے واقف تھا۔ یہ ہنری ہشتم کے زمانے سے بھی پہلے کا قلعہ تھا اور
رومنوں نے تعمیر کرایا تھا۔ اب یہ بالکل کھنڈر بن چکا تھا اور وہاں چھپکلیاں، خرگوش

اور چوہے رہتے تھے۔ مارگریٹ کی خوشبو اسی قلعے کی طرف جا رہی تھی۔ زوناش
خوشبو کا پیچھا کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں
دیتا تھا مگر ایک جنگلی بلی نے اسے دیکھ لیا تھا اور اسے دیکھتے ہی بلی نے خوف زدہ ہو کر
ایک چیخ ماری اور وہاں سے دیوانہ وار بھاگ گئی۔ زوناش کے ایک ہاتھ میں ڈاکٹر
پرویز کا ریموٹ کنٹرول اور دوسرے ہاتھ میں لندن کے عجائب گھر سے چرایا ہوا قیمتی
لعل تھا۔

مارگریٹ کی روح کی خوشبو اچانک غائب ہو گئی۔

زوناش ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے حلق سے عجیب ڈراؤنی آوازیں نکال کر
مارگریٹ کو آوازیں دیں مگر مارگریٹ کی روح ظاہر نہ ہوئی۔ پھر زوناش نے آسمان کی
طرف منہ کر کے ایک ڈراؤنی چیخ ماری اور اس کے ساتھ ہی مارگریٹ کی روح کی
خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ یہ خوشبو قلعے کے کھنڈر کی سیڑھیوں میں سے آ رہی تھی جو
اوپر قلعے کی دوسری منزل کو جاتی تھیں۔ زوناش دوسری منزل پر آ گیا۔ دوسری منزل
پہلی منزل سے زیادہ ویران اور ڈراؤنی تھی۔ زمین پر انسانی جسموں کی ہڈیاں بکھری
پڑی تھیں۔

اچانک زوناش کو مارگریٹ کی آواز سنائی دی۔ زوناش نے چونک کر جدھر سے
آواز آئی تھی اس طرف دیکھا۔ آواز ایک بند کوٹھڑی میں سے آ رہی تھی۔ زوناش
کوٹھڑی کے بند دروازے میں سے گزر گیا۔ دوسری جانب ایک کھلا کمرہ تھا جس کے
فرش پر مٹی جمی ہوئی تھی۔ بالکونی پر پھول دار بیل چڑھی ہوئی تھی۔ بالکونی باہر کی
جانب تھی۔ زوناش کو اندھیرے میں بالکونی میں ایک انسانی سفید سایہ نظر آیا۔
زوناش کی لاش بالکونی کے قریب آ گئی۔ زوناش نے حلق سے آواز نکال کر کچھ کہا۔
وہ مارگریٹ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ اچانک اسے مارگریٹ کی دھیمی
آواز سنائی دی۔ مارگریٹ کہہ رہی تھی۔

"تم نے صرف مجھے قتل کیا ہوتا تو میں تمہیں معاف کر دیتی، مگر تم نے میرے

ے خاندان اور معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ مَیں تمہیں معاف
ں کروں گی۔"

زوناش کے دماغ نے ایک مدت کے بعد مارگریٹ یعنی اپنی محبوبہ کی آواز سنی
، وہ بے تاب ہو گیا۔ اس کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔
یٹ کی روح کی دھیمی آواز آئی۔ "والڈروف! مَیں جانتی ہوں تمہارا جسم مختلف
جسموں کے اعضا جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ تمہارا جسم تمہارا اپنا نہیں ہے، اس جسم
رف تمہارا دماغ تمہارا اپنا ہے۔ مَیں تمہارے دماغ سے مخاطب ہوں۔ تم اپنی
ں بند رکھو، بولنے کی کوشش نہ کرو۔ تم بول نہیں سکتے۔ جو کچھ تمہارا دماغ مجھے
چاہتا ہے وہ مَیں سن سکتی ہوں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے وہ تم اپنے دماغ میں سوچو۔
اسے سن لوں گی۔"

زوناش کے دماغ نے سوچا۔ "مارگریٹ! مجھ سے بڑا ظلم ہو گیا ہے۔ مجھے
ف کر دو۔"

مارگریٹ نے جواب دیا۔ "مَیں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ مَیں تمہیں معاف
کروں گی۔ خدا سے معافی مانگو۔"

زوناش کے دماغ نے سوچا۔ "پتہ نہیں خدا مجھے معاف کرے گا یا نہیں، لیکن
ے معاف کر دو۔ دیکھو، میں تمہارے لیے قیمتی لعل کا تحفہ لایا ہوں۔"

اور زوناش کی لاش نے مٹھی کھول کر اسے آگے کر دیا۔ اس کی مٹھی میں
لعل رات کے اندھیرے میں چمک رہا تھا۔ مارگریٹ کی آواز آئی۔ "یہ چوری
ا تحفہ ہے۔ مَیں چوری کیا ہوا تحفہ ہرگز قبول نہیں کروں گی۔ اس کو واپس
ب گھر میں جا کر رکھ دو۔"

زوناش کے دماغ نے کہا۔ "مَیں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے
ؤ کہ یہ کفارہ کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ مارگریٹ! میری پیاری مارگریٹ! میں تم سے
رتا ہوں۔"

مارگریٹ کی روح نے کہا۔ "محبت کے پاکیزہ نام پر تم نے سیاہی مل دی ہے۔ اس کے نام کو دھبہ لگایا ہے۔ تمہارا میرا حساب قیامت کے روز میدانِ حشر میں ہو گا۔"

اس کے فوراً بعد مارگریٹ کی روح کی خوشبو آنی بند ہو گئی۔ زوناش کی لاش نے چیخ چیخ کر مارگریٹ کی روح کو پکارا مگر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

زوناش کی لاش پر غیض و غضب کا عالم طاری ہو گیا۔ اس نے دھکا دے کر قلعے کی ایک بوسیدہ دیوار کو نیچے گرا دیا۔ دیوار دھڑام کی آواز کے ساتھ نیچے گر پڑی۔

زوناش کے دیکھتے دیکھتے گری ہوئی دیوار کے کھنڈر میں سے ایک باریش سفید پوش نمودار ہُوا اور زوناش کی لاش سے مخاطب ہو کر بولا۔ "زوناش! تم نے بڑے گناہ کئے ہیں۔ تم نے سینکڑوں انسانوں کو قتل کیا ہے۔ تمہیں معافی نہیں مل سکتی۔ تمہیں اپنے گناہوں کی سزا اس دنیا میں بھگتنی پڑے گی۔ یہ سزا تمہارے دماغ کو مل رہی ہے کیونکہ تمہارا دماغ زندہ ہے۔ اسی نے تمہیں اذیت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔"

زوناش کے دماغ نے کہا۔ "اے نیک روح! مَیں اپنے گناہوں پر سخت پچھتا رہا ہوں۔ مجھے کوئی ایسا ذریعہ بتائیں کہ جس پر عمل کرنے سے میرے گناہ بخشے جا سکیں اور میرے دماغ کو، میری روح کو سکون نصیب ہو۔"

بزرگ نے کہا۔ "یہاں سے ملک ہندوستان میں جاؤ۔ وہاں ایک شہر ہے جس کا نام بھوپال ہے۔ بھوپال شہر سے پچاس میل جنوب میں ایک جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک ٹیلہ ہے جس کا نام اندھا کھائی کا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے پر ایک سادھو کی مڑھی ہے۔ اس مڑھی میں سادھو کی ہڈیاں دفن ہیں۔ وہاں جا کر تین بار سادھو کو آواز دو۔ اسے کہو اے جسپال کی آتما! مَیں قاتل ہوں، میری مدد کرو۔ اگر سادھو کی آتما ظاہر ہو گئی تو صرف وہی تمہاری کچھ مدد کر سکتی ہے، یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں تم قیامت تک بھی بھٹکتے رہے تو تمہاری نجات نہیں ہو گی کیونکہ تم گناہ گار ہو۔ جن لوگوں کو

قتل کر چکے ہو، ان کی بد دعائیں تمہارا پیچھا کر رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر بزرگ کی روح غائب ہو گئی۔

زوناش کی لاش کے دماغ نے سب کچھ سن لیا تھا۔ اب اس کا دماغ پوری طرح سے بیدار تھا اور اس کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اس کے دماغ نے اسے بتایا کہ وہ فوراً ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائے۔ زوناش کو ایک بڑا فائدہ حاصل تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں سے نکل کر سیدھا لندن کے عجائب گھر میں پہنچا اور جس جگہ سے اس نے قیمتی لعل چرایا تھا، وہاں جا کر لعل اسی جگہ واپس رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے ڈاکٹر پرویز کا ریموٹ کنٹرول توڑ کر ایک کھائی میں پھینک دیا اور لندن کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

زوناش کے دماغ کو اچھی طرح سے علم تھا کہ لندن سے دوسرے ملکوں کی طرف ہوائی جہاز جاتے ہیں۔ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے ہی انڈیا پہنچ سکتا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ زوناش کی لاش لندن کے ہیتھرو ائرپورٹ پر آ گئی۔

ائرپورٹ پر بڑی رونق تھی۔ چونکہ زوناش کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑی بے فکری سے ائرپورٹ پر چل پھر رہی تھی۔ زوناش کا دماغ ایک انگریزی پڑھے لکھے آدمی والڈروف کا دماغ تھا۔ وہ انگریزی پڑھ سکتا تھا۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ لندن سے ایک پرواز انڈیا کے شہر دلی رات کے دو بجے جانے والی ہے۔ زوناش کو ٹکٹ خریدنے اور سیٹ وغیرہ بک کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ٹرانزٹ روم میں آ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور رات کے دو بجنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات کا ڈیڑھ بجا تو انڈیا جانے والے مسافر وہاں آنے شروع ہو گئے۔ زوناش خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر اعلان ہوا کہ دلی جانے والا جہاز پرواز کے لیے تیار ہے، مسافروں سے گزارش ہے کہ وہ جہاز پر سوار ہو جائیں۔

دوسرے مسافروں کے پیچھے پیچھے زوناش بھی گیٹ میں سے گزر کر بس میں

سوار ہو گیا۔ بس رن وے پر جہاں جہاز کھڑا تھا ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ بی او اے سی کا جہاز تھا۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ زوناش بھی جہاز میں سوار ہو گیا۔ جہاز میں تمام سیٹوں پر مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ زوناش کی لاش کو بیٹھنے کی حاجت نہیں تھی۔ وہ سارا دن ساری رات کھڑی رہ سکتی تھی۔ جہاز ٹیک آف کر گیا۔ زوناش کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جہاز کے کونے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جہاز ایک خاص بلندی پر جا کر انڈیا کی طرف روانہ ہو گیا۔

لندن سے پرواز کرنے کے بعد جہاز دوبئ آ کر رکا تو وہاں کئی مسافر اتر گئے۔ نشستیں خالی ہو گئیں۔ تب زوناش بھی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس طرح ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے زوناش دلی پہنچ گیا۔ دلی سے زوناش نے بھوپال کے شہر جانا تھا۔ اس سے پہلے وہ انڈیا کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ ائرپورٹ پر ہی بیٹھا رہا اور جہاں جہازوں کی آمدورفت کا بورڈ لگا تھا اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں شہروں کے نام اور ان کے آگے وہاں جانے والے جہازوں کے نمبر اور ٹائم لکھا ہوا بار بار آ رہا تھا۔ زوناش نے بھوپال شہر کے آگے لکھا ہوا جہاز کا نمبر اور اس کا وقت نوٹ کر لیا۔ یہ جہاز سہ پہر کے چار بجے جانے والا تھا۔ زوناش وہیں ائرپورٹ پر ایک طرف ہو کر بیٹھا رہا۔ جب بھوپال جانے والا جہاز رن وے پر آ کر رکا اور اس کا اعلان ہوا تو زوناش بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ اس جہاز پر سوار ہو گیا اور پھر جہاز بھوپال کی طرف ٹیک آف کر گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے لندن واپس چلتے ہیں جہاں صبح کے وقت جب ڈاکٹر پرویز بیدار ہوا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زوناش کی لاش جس کے ذریعے وہ دنیا کا سب سے دولت مند شخص بننا چاہتا تھا اور جس کی مدد سے اس نے دنیا کا سب سے قیمتی لعل چرایا تھا' وہ دونوں اس کے مکان سے غائب ہو چکے ہیں۔ اس نے معمول کے مطابق ناشتہ کیا اور اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک ایک خبر نے اسے چونکا دیا۔ خبر میں لکھا تھا کہ لندن کے عجائب گھر سے جس چور نے دنیا کا سب سے قیمتی پتھر یعنی لعل یمن چوری کیا تھا وہ چور اس لعل کو عجائب گھر میں واپس رکھ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تصویر بھی چھپی ہوئی تھی جس میں شیشے کی چاردیواری کے اندر میز کی مخملیں گدی پر لعل رکھا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

ڈاکٹر پرویز کے تو ایک لمحے کے لیے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ اس نے اخبار ایک طرف پھینکا اور دوڑ کر ڈرائنگ روم کی اس الماری کے پاس آ گیا جس کے اندر اس نے لعل ایک ڈبی میں بند کر کے چھپایا ہوا تھا۔ جلدی جلدی اس نے الماری کا تالا کھولا اور الماری کے اوپر والے خانے کی فائلوں کو نیچے گرا دیا۔ وہاں ڈبی موجود تھی مگر ڈبی میں جو لعل اس نے رکھا تھا وہ غائب تھا۔ ڈاکٹر پرویز چکرا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈبی میں سے لعل کون نکال کر عجائب گھر میں رکھ آیا

ہے۔ اچانک اسے زوناش کا خیال آیا۔ وہ تیز تیز دوڑتا نیچے تہہ خانے میں آگیا۔ اس نے جیب سے عینک نکال کر لگالی۔ جیسے ہی اُس کی نظر سٹریچر پر پڑی اُس کا دل بیٹھ گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ سٹریچر خالی تھا۔ لاش فرار ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر پرویز تیز تیز چلتا واپس اوپر الماری کے پاس آگیا۔ اس نے اوپر والے خانے میں دیکھا۔ ساری فائلیں اس نے پہلے ہی خانے میں سے نیچے گرا دی تھیں۔ الماری کے خانے میں وہ ریموٹ کنٹرول بھی غائب تھا جس کے ذریعے سے وہ زوناش کی لاش کو کنٹرول کرتا تھا۔ وہ نیچے فرش پر گری ہوئی فائلوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر دیوانوں کی طرح ریموٹ کو تلاش کرنے لگا مگر وہاں ریموٹ ہوتا تو اسے ملتا۔ ریموٹ تو زوناش نے توڑ مروڑ کر لندن کی ایک کھائی میں پھینک دیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز وہیں فرش پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ناجائز دولت حاصل کرنے کا جو محل بنایا تھا وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا تھا۔ اس نے لاش کی مدد سے بینکوں میں ڈاکے بھی ڈلوائے تھے اور اپنے دشمنوں کو قتل بھی کروایا تھا۔ اس کا ضمیر اب اسے ملامت کرنے لگا۔ اس کے گناہ اس کے سامنے آگئے اور اس کی روح کو پچھتاوے کے نیزوں کے کچوکے لگانے لگے۔ ڈاکٹر پرویز کا حلق خشک ہو گیا' چہرے پر مردنی چھا گئی۔ جس لاش کو اس نے دوسرے مُردوں کے اعضا جوڑ جوڑ کر خود بنایا تھا اور دوسری میتوں کو قبروں سے نکال کر اُن کے اعضا کاٹ کر اُن کی بے حرمتی کی تھی اور سخت گناہ کیا تھا وہ لاش اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس کے پاس اب سوائے گناہوں کے پچھتاووں اور ضمیر میں چھپے ہوئے نوکیلے کانٹوں کے اور کچھ نہیں رہا تھا۔

لیکن ڈاکٹر پرویز ایک سنگدل انسان تھا۔ وہ اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں تھا۔ دوسرے کمرے میں جا کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے کافی کے دو گھونٹ پیے۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو وہ سوچنے لگا کہ لاش کیسے اٹھ کر نکل گئی؟ اس کو کیسے خیال آگیا کہ چرایا ہُوا لعل عجائب گھر میں واپس رکھ دینا چاہئے اور پھر لاش نے ریموٹ کنٹرول بھی اپنے قبضے میں کر لیا تاکہ ڈاکٹر پرویز اس پر اپنا حکم نہ چلا سکے۔ اس کا مطلب تھا کہ

ش نے ڈاکٹر پرویز کے قبضے سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ لاش کا ماغ جو ایک بے رحم قاتل کا دماغ تھا پوری طرح سے بیدار ہو گیا تھا اور وہ اپنے ناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کو لاش کے دماغ کی اس انقلابی تبدیلی ے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اس بات پر غور کرنے لگا کہ لاش تہہ خانے سے نکل کر س طرف گئی ہو گی اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہئے۔ اس بات کا اسے احساس تھا کہ ب لاش کو اتنے بڑے لندن شہر میں تلاش کرنا بھوسے کے بہت بڑے ڈھیر میں سے وئی تلاش کرنے کے برابر ہے۔ لیکن زوناش کی لاش ہی ڈاکٹر پرویز کی زندگی کی آخری امید تھی۔ اس کے ذریعے اس نے اپنے دشمنوں کو قتل بھی کروایا تھا اور اسی کے ذریعے اس نے ارب پتی بننا تھا۔ لاش کے بغیر ڈاکٹر پرویز دو کوڑی کا آدمی بھی نہیں تھا۔ اس نے زوناش کی تلاش شروع کر دی۔

وہ گاڑی لے کر سڑکوں پر نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ لاش ہو سکتا ہے کسی قریبی قبرستان میں جا کر چھپ گئی ہو۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے قصبے کے قبرستان میں آگیا۔ اس نے وہ عینک آنکھوں پر لگا رکھی تھی جس کی مدد سے وہ لاش کو دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ لاش غائب تھی۔ قصبے کا قبرستان چھوٹا سا تھا' چند ایک قبریں تھیں۔ تقریباً سبھی قبریں پکی تھیں۔ لاش کسی قبر کے اندر گھس کر نہیں چھپ سکتی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے زمین پر بھی دیکھا۔ اسے کسی جگہ لاش کے پاؤں کے نشان دکھائی نہ دیئے۔ قبرستان میں ویسے بھی گھاس اگی ہوئی تھی جس پر پاؤں کے نشان نظر نہیں آ سکتے تھے۔ دوپہر تک ڈاکٹر پرویز نے سارا علاقہ چھان مارا' کھیت دیکھے' گھاس کے میدان دیکھے' پارک دیکھے' ایک دو اونچے ٹیلوں پر بھی چڑھ کر دیکھا۔ اسے زوناش کی لاش کی جگہ نظر نہ آئی۔

دوپہر کو اس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور گاڑی لے کر لندن کی طرف نکل گیا۔ اس نے سوچا۔ لاش نے قیمتی لعل لندن کے عجائب گھر میں لے جا کر واپس رکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ لاش خود لندن شہر یا اس کے گرد و نواح میں ہی ہو گی۔

سب سے پہلے اس نے لندن کے عجائب گھر کے اردگرد کا علاقہ چھان مارا۔ وہاں اُ
کسی جگہ بھی لاش کے آثار نہ ملے تو وہ عجائب گھر کے قریب جو دو قبرستان تھے اِ
قبرستانوں میں جا کر لاش کا سراغ لگانے کی کوشش کی مگر لاش کہیں نہ ملی۔ لاش
جیسے غائب ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر پرویز تھک ہار کر قصبے کے ریسٹ ہاؤس میں واپس
گیا۔ شام کے قریب پیرس سے پیری کا فون آ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں ایک بھروسے
والے اور مالدار ایجنٹ کو لے کر آ رہا ہوں۔"

مگر اب اس کے آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جو لعل ڈاکٹر پرویز نے پیری کے
ذریعے فروخت کروا کر کروڑوں پاؤنڈ حاصل کرنے تھے وہ تو عجائب گھر والوں کو واپس
مل چکا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے ٹیلی فون پر پیری سے کہا کہ مجھے ایک ضروری کام سے اچا
جانا پڑ گیا ہے' تم کچھ روز ٹھہر جاؤ۔ دوسرے دن بھی ڈاکٹر پرویز لاش کی تلاش میں
عینک چڑھائے لندن کی سڑکوں' باغوں' پارکوں اور قبرستانوں میں دربدری کرتا پھرا مگر
لاش کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اب وہ یہ انتظار کرنے لگا کہ شاید لاش کوئی واردات
کرے۔ کسی کو قتل کرے یا کسی گھر میں یا کسی کلب میں گھس کر کوئی افراتفری
مچائے اور اس کی خبر ٹی وی اور اخباروں میں آئے تو وہ وہیں جا کر لاش کو قابو کرنے
کی کوشش کرے گا۔ ڈاکٹر کو یہ خیال بلکہ فکر بھی لگی ہوئی تھی کہ لاش اب اس کے
کنٹرول سے باہر ہو گئی ہے۔ ایک تو اس کو دوبارہ قابو کرنا بہت مشکل ہو گا اور
دوسرے عین ممکن ہے کہ لاش اس سے بدلہ لینے کے لئے اس پر قاتلانہ حملہ بھی کر
دے۔ اگر لاش نے اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ اس سے بچ نہیں سکے گا
کیونکہ لاش تو بند دروازوں سے بھی گزر کر اس کے بیڈ روم میں آ جائے گی۔ ڈاکٹر
پرویز عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ زوناش کی لاش کو قابو میں بھی نہیں کر سکتا
تھا اور اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا اور اس سے اپنی جان بھی بچانا چاہتا تھا۔

رات کو وہ دروازے بند کر کے پلنگ پر لیٹ گیا۔ اس نے بیڈ روم کی بتی بالکل
نہ بجھائی۔ آنکھوں پر لاش کو دیکھنے والی عینک بھی لگائے رکھی اور ایک کھڑکی کو جنگ

بھی نہ لگائی۔ اس خیال سے کہ اگر رات کو کسی وقت لاش اس کو قتل کرنے کے
ارادے سے بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا
کر بھاگ جائے گا۔ ساری رات وہ سو نہ سکا۔ کسی وقت تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں
بند کر لیتا اور پھر جلدی سے کھول دیتا کہ کہیں لاش بیڈ روم میں داخل نہ ہو گئی ہو۔
صبح اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر پرویز نے سوچا کہ ایک تو اتنے بڑے شہر میں لاش کو تلاش کرنا ناممکن
ہے۔ دوسرے لاش سے اسے جان کا بھی خطرہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ واپس پاکستان
اپنے شہر چلا جائے اور لاش کو بھول جائے۔ وہاں کم از کم لاش اسے ہلاک تو نہیں کر
سکے گی۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہاں دو ایک دن رہ کر اخبار اور ٹی وی کی
خبریں سنتا رہے۔ اگر اس دوران لاش نے کسی جگہ کوئی واردات نہ کی تو وہ سب کچھ
چھوڑ چھاڑ کر پاکستان واپس چلا جائے گا۔ یہ بات تو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ
لاش ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اس سے پہلے انڈیا پہنچ چکی ہے۔

اب ہم واپس زوناش کی طرف چلتے ہیں۔ زوناش کی لاش بھوپال پہنچ گئی
تھی۔ بھوپال پہنچنے کے فوراً بعد اس نے بھوپال سے پچاس میل دور اندھا کھائی
والے ٹیلے کی طرف جانے کا ارادہ کیا جس پر جسپال نامی سادھو کی مڑھی تھی اور جس
کی مدد سے لاش کے دماغ نے اپنے گناہوں کی اذیت سے نجات حاصل کرنی تھی۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ لاش کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ کسی سے بات بھی
نہیں کر سکتی تھی کیونکہ لاش نے ابھی بولنا شروع نہیں کیا تھا۔ تیسری مشکل یہ تھی
کہ لاش ایک اجنبی شہر میں تھی۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اندھا کھائی کا ٹیلہ کون
سے جنگل میں ہے؟ اور اس جنگل کو کون سا راستہ جاتا ہے؟

لیکن زوناش کی لاش کی کھوپڑی میں ایک پڑھے لکھے اور ماڈرن ملک انگلستان
کے نامی گرامی قاتل کا دماغ فٹ تھا اور یہ دماغ وقت کے ساتھ ساتھ پوری طرح سے
بیدار ہو چکا تھا۔ اب لاش سوچ ہی سکتی تھی اور غور و فکر سے کسی مشکل مسئلے کو

حل کرنے کی کوشش بھی کر سکتی تھی۔ بھوپال کے ائرپورٹ پر ایک طرف بنچ پر زوناش کی لاش اکیلی بیٹھی ان باتوں پر غور و فکر کر رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ ہر شہر میں سیاحوں کے لیے محکمے کی جانب سے گائیڈ بک شائع کی جاتی ہے جس میں علاقے کے نقشے بھی ہوتے ہیں۔ انڈیا میں بے شمار سیاح آتے رہتے ہیں اور بھوپال کے جنگل شیر اور دوسرے جانوروں کے شکار کے واسطے بڑے مشہور ہیں اور دور دور کے ملکوں سے شکاری یہاں شکار کھیلنے آتے ہیں۔ چنانچہ انڈیا کے محکمہ ٹورازم نے ضرور اس علاقے کی گائیڈ بکس چھاپی ہوں گی۔ اگر ایسی گائیڈ بک مل جائے تو اس میں سے بھوپال کے جنگل کا اندھا کھائی کا ٹیلہ دریافت کیا جا سکتا ہے۔

یہ سوچ کر زوناش کی لاش ایک بک سٹال پر آ گئی۔ وہاں دو ایک سیاح پہلے سے کھڑے کتابیں رسالے دیکھ رہے تھے۔ لاش نے کاؤنٹر پر پڑے ہوئے رسالوں اور کتابوں کا جائزہ لیا۔ ایک طرف اسے شیلف کے اوپر چھوٹی سی چٹ لگی ہوئی دکھائی دی جس پر گائیڈ بکس لکھا ہوا تھا۔ لاش ذرا آگے بڑھ کر شیلف میں لگی کتابوں کو دیکھنے لگی۔ ایک گائیڈ بک پر شیر کی تصویر تھی اور اوپر بھوپال لکھا ہوا تھا۔ لاش نے وہ کتاب شیلف میں سے نکال لی۔ چونکہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی اس لئے بک سٹال والے کو پتہ بھی نہ چلا کہ اس کے شیلف میں سے ایک کتاب غائب ہو گئی ہے۔

زوناش کی لاش کتاب لے کر ایک الگ جگہ پر بیٹھ کر اس کو پڑھنے لگی۔ کتاب میں بھوپال سے جنگل کی طرف جانے والی محفوظ سڑکوں کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ کافی تلاش کے بعد زوناش کی لاش نے کتاب کے ایک صفحے پر ٹیلہ اندھا کھائی لکھا ہوا دیکھ لیا۔ نیچے انگریزی میں لکھا تھا کہ یہ ٹیلہ بھوپال سے پچاس میل جنوب کی طرف جنگل کے پہلے حصے میں واقع ہے اور اس کے اوپر ایک بڑے رشی منی سادھو کی مڑھی بھی ہے۔ زوناش کی لاش کو اس کا گوہر مراد مل گیا تھا۔ نقشے پر اس نے بڑے غور سے وہ سڑک دیکھی جو ائرپورٹ سے اندھا کھائی کے ٹیلے کی طرف جاتی

رجسے ایک سیاہ لکیر کے ذریعے واضح کیا گیا تھا۔ زوناش کی لاش نے گائیڈ بک کا
ہ پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا اور کتاب پھینک دی۔

اس کے بعد لاش ائرپورٹ سے نکل کر اس سڑک پر آ گئی جس کا نام نقشے پر
تھا اور جو سیدھی پچاس میل کی دوری پر جا کر اندھا کھائی کے جنگل کی طرف
تھی۔ چلتے چلتے زوناش جنگل میں پہنچ گیا۔ لاش کو تھکان کا سوال ہی پیدا نہیں
تھا۔ جنگل کے درمیان چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس کے اوپر ایک کوٹھڑی بنی ہوئی تھی۔
ٹیلے پر چڑھ گئی۔ کوٹھڑی جھونپڑی نما تھی' اس کے باہر ایک ہٹا کٹا سادھو آلتی
مارے بیٹھا چلم پی رہا تھا۔ لاش سادھو کے سامنے کھڑی تھی۔ والڈروف کے
نے سن رکھا تھا کہ انڈیا کے جوگی اور سپیرے اپنے جادو ٹونے سے نظر نہ آنے
چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ شاید سادھو نے بھی اسے دیکھ لیا
۔ وہ سادھو کے بالکل سامنے کھڑا تھا مگر سادھو کو اس کی موجودگی کا بالکل علم نہیں
اور وہ بڑے مزے سے چلم پی رہا تھا۔ زوناش کی لاش ابھی سادھو کے ساتھ اپنے
ہوں کا کفارہ ادا کرنے کی بابت بات کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے
ٹ سنائی دی۔ لاش نے پلٹ کر دیکھا' ایک خوبصورت عورت بڑی بنی سنوری
ر میں پیتل کی تھالی لئے چلی آ رہی تھی۔ سادھو نے سلفے کی چلم اپنے منہ سے
تے ہوئے کہا۔ "آؤ آؤ درگیانی آؤ۔ ہم تمہاری ہی راہ دیکھ رہے تھے۔ کہو'
مارے پتی دیو کا کیا حال ہے؟؟"

درگیانی اس بنی سنوری جوان ہندو عورت کا نام تھا۔ اس نے پیتل کی تھال
ں مٹھائی اور پھل رکھے ہوئے تھے۔ درگیانی نے تھالی سادھو کے سامنے رکھتے
وئے سادھو کے قدموں کو چھوا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ "مہاراج! آپ کی کرپا
ے میرے پتی دیو (خاوند) کی حالت پہلے سے اچھی ہے۔ اب وہ مجھ سے بات کرنے
لگا ہے مگر وہ چل پھر نہیں سکتا۔"

سادھو نے کہا۔ "بالکے! تو گھبراتی کیوں ہے۔ ہم بڑا جی لگا کر اس کا علاج کر

رہے ہیں۔"

وہ ہندو عورت کہنے لگی۔ "مہاراج! اس سنسار میں میرے لئے میرا خاو
میرا سب کچھ ہے۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں
نہیں رہ سکوں گی۔"

زوناش کی لاش کا دماغ سوچ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت بڑی پاکبا
اپنے خاوند کی وفادار ہے۔ سادھو نے کہا۔ "درگیانی! اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اچھا ہو جائے اور ایک بار پھر چلنا پھرنا دوڑنا شروع کر دے تو
ایک کام کرنا ہو گا۔ ایک شرط پوری کرنی ہو گی۔"

عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مہاراج! آپ حکم کریں۔ آپ جو کہیں گے
کروں گی۔ میں اپنے خاوند کو صحت مند دیکھنے کے لیے اس ٹیلے سے بھی
چھلانگ لگا سکتی ہوں۔"

سادھو نے کہا۔ "نہیں' اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ شرط یہ ہے
تمہیں صرف ایک رات میری کٹیا میں میرے ساتھ گزارنی ہو گی۔ میں تمہیں
بٹھا کر ایک چلہ کاٹوں گا۔"

پاکباز اور اپنے خاوند کی وفادار ہندو عورت نے کہا۔ "مہاراج! میرا بیاہ
خاوند کے ساتھ ہوا ہے۔ میں اپنے خاوند کے علاوہ اور کسی کے ساتھ رات گزا
کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے معاف کر دیجئے گا مہاراج! میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

سادھو کو غصہ آ گیا۔ ایک ہاتھ اٹھا کر آواز میں رعب پیدا کرتے ہوئے
"تو پھر یاد رکھ درگیانی! تیرا خاوند کبھی اچھا نہیں ہو گا۔ وہ بہت جلد مر جائے گا۔"

ہندو عورت درگیانی رونے لگی۔ "مہاراج! مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔ آپ
کریں۔ میں اپنے تمام برتن کپڑے بیچ کر آپ کو سارے پیسے لا کر دے دوں گی
جو کام میں نہیں کر سکتی اس کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔"

زوناش کی لاش ایک طرف کھڑی ان دونوں کے مکالمے بڑی دلچسپی سے

تھی۔ سادھو کا موڈ بگڑتا جا رہا تھا۔ عورت نے اس بدمعاش سادھو کی ہوس کا
ہونے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ زوناش کی لاش اس عورت کو عزت و احترام
نظروں سے دیکھ رہی تھی اور بدمعاش شیطان صفت سادھو کو نفرت سے دیکھ رہی

جب درگیانی نے صاف انکار کر دیا تو ہٹے کٹے سادھو نے عورت کو بازو سے پکڑ
اپنی طرف کھینچا۔ عورت نے گھبرا کر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی تو ہٹے
سادھو نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اسے لے کر کٹیا کی طرف چلا۔

اب ناممکن تھا کہ زوناش کی لاش تماشا دیکھتی رہتی۔ لاش کے دماغ میں پہلے
اس نیک کردار والی عورت کے لیے بڑی عزت اور احترام پیدا ہو گیا تھا۔ سادھو
اش اور بدمعاش تھا' اسے اس کی سزا ملنی چاہئے تھی۔ چنانچہ زوناش کی لاش نے
ے بڑھ کر سادھو کی گردن کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر اوپر اٹھا لیا۔
ت اس کے بازوؤں سے نیچے گر پڑی اور ایک طرف ہو کر حیرانی سے دیکھنے لگی
سادھو کو کس نے زمین سے دو تین فٹ اوپر اٹھا لیا ہے۔ لاش کے آہنی پنجے کی
فت سے سادھو کی گردن کا نکل جانا ناممکن تھا۔ دیکھتے دیکھتے لاش نے ایک ہی جھٹکے
، سادھو کی گردن اس کے جسم سے الگ کر دی۔ درگیانی نے سادھو کا سر اس کے
م سے الگ ہو کر زمین پر اس کے دھڑ کے ساتھ ہی گرتے دیکھا تو دہشت کے
ے اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔ وہ سب کچھ وہیں چھوڑ
اڑ کر جس طرف سے آئی تھی اسی طرف بھاگ گئی۔

زوناش کی لاش کو ایک قسم کا سکون نصیب ہوا تھا۔ اس کو یوں محسوس ہونے
کہ جیسے اس نے عرصہ دراز کے بعد کوئی نیک کام کیا ہے۔ اس نے سوچا کہ جو
دھو خود بدکردار اور گناہ گار ہے وہ اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے میں اس کی کیا
ک مدد کر سکتا ہے۔ زوناش نے اپنے دل سے کسی سادھو کی مدد سے گناہوں کا کفارہ
ا کرنے کا خیال نکال کر پھینک دیا اور پہاڑی سے نیچے اتر آیا۔ اسے محسوس ہو رہا

تھا کہ صرف ایک بدمعاش کو مار دینے سے' صرف ایک بھلائی کا کام کرنے سے
ایک پاکباز عورت کی عزت بچانے سے اسے اتنا ذہنی سکون ملا تھا تو اسے اس قسم
اور بھی کام کرنے چاہئیں۔ شاید اسی طرح سے اس کے گناہوں کا اپنے آپ کفارہ
ہو جائے۔ اس خیال کے آتے ہی زوناش کی لاش نے گناہ کرنے کا خیال اپنے
سے نکال دیا اور اسی قسم کے کچھ بھلائی کے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے یقین
ایسے نیک کام کرنے سے اس نے جتنے قتل کئے ہیں' جتنے گناہ کئے ہیں ان کا کفارہ
ہو جائے گا اور اس کی محبوبہ مارگریٹ کی روح اس کے پاس آ جائے گی۔

زوناش کی لاش اندھا کھائی کے ٹیلے سے اتر کر بھوپال شہر میں آ کر سڑک
پھرنے لگی۔ وہ سب کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بھوپال شہر بڑا
شہر تھا اور اس زمانے میں زیادہ تر آبادی شہر کی چاردیواری کے اندر ہی رہتی
زوناش شہر کے گلی کوچوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ وہ بھوک پیاس' کھانے پینے اور
کی حاجت سے بے نیاز تھا۔ ابھی دن کا وقت ہی تھا۔ زوناش شہر سے نکل کر جنگل
طرف آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا جنگل میں کافی دور نکل گیا۔ یہاں اسے ایک
سے کچھ آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ زوناش کی لاش یعنی زوناش وہیں رک
وہ گھنے درختوں کے درمیان ایک پگڈنڈی پر کھڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ
رہے ہیں۔ دو آدمیوں نے ایک ڈولی اٹھا رکھی ہے۔ وہ چلتے ہوئے کچھ گا بھی
تھے۔ ڈولی کے پیچھے پانچ چھ آدمی پیدل ہی چلے آ رہے تھے۔ ان میں ایک دلہا
گھوڑے پر سوار تھا اور ڈولی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

زوناش کی لاش یعنی زوناش ایک طرف ہٹ گیا۔ ڈولی اس کے قریب
گزری تو اس نے دیکھا کہ ڈولی کے اندر سونے کے زیورات سے لدی پھندی
دلہن بیٹھی ہوئی تھی۔ زوناش سمجھ گیا کہ یہ لوگ دلہن کو بیاہ کر لے جا رہے
زوناش نے جب وہ زندہ تھا تو انگلستان میں گرجا گھروں میں شادیاں ہوتے
تھیں۔ اس قسم کی شادی وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا کہ دلہا گھوڑے پر سوار ہے

میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ڈولی کہاروں نے اٹھا رکھی ہے اور وہ گیت گاتے چلے جا
رہے ہیں۔ زوناش کی لاش یعنی زوناش خالی اور سپاٹ آنکھوں سے دلہن کی ڈولی کو
پگڈنڈی پر سے گزرتے دیکھتا رہا۔ دلہا نے بڑے اجلے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ
گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے گاؤں کے چند ایک آدمی تھے جنہوں نے برتن'
صندوق اور ایک پلنگ اٹھا رکھا تھا۔

یہ دیہاتی برات ذرا آگے گئی ہوگی کہ جنگل بندوق کے فائر کی آواز سے گونج
اٹھا۔ زوناش نے چونک کر جدھر سے فائر کی آواز آئی تھی اس طرف دیکھا۔ اسے چار
گھڑ سوار نظر آئے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں بندوق تھی اور باقی تین گھوڑ
سواروں نے ننگی تلواریں تھام رکھی تھیں۔ انہوں نے ڈولی کو گھیر لیا۔ وہ گھوڑوں
سے اتر آئے اور بندوق والے ڈاکو نے بڑے رعب سے کہا۔ "ڈولی نیچے رکھ دو اور
پیچھے ہٹ جاؤ۔ جو آگے آیا اس کو گولی سے اڑا دوں گا۔"

زوناش فوراً سمجھ گیا کہ یہ لوگ ڈاکو ہیں اور دلہن کو زیورات سمیت اٹھانے
آئے ہیں۔ کہاروں نے ڈولی نیچے رکھ دی اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ خوف
کے مارے کانپ رہے تھے۔ باقی براتی برتن صندوق پلنگ وغیرہ وہیں پھینک کر بھاگ
گئے۔ دلہا نے ذرا بہادری دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے ڈاکوؤں سے کہا۔ "خبردار
دلہن کو ہاتھ لگایا۔"

بندوق والے ڈاکو نے بندوق کی نالی کا رخ دلہا کی طرف کر دیا جو گھوڑے پر
بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکو فائر کر کے دلہا کو ہلاک کرنے ہی لگا تھا کہ اتنی دیر میں زوناش
اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے بندوق اچھل کر دور جھاڑیوں میں جا
گری۔ ڈاکو نے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا کہ اس کی بندوق کو کس نے اس کے
ہاتھ سے اچھال دیا ہے۔ زوناش کی لاش بول تو سکتی نہیں تھی۔ اس کے حلق سے
انتہائی غصیلی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ زوناش نے ایک ڈاکو کے ہاتھ سے تلوار چھین
کر ایک ہی وار سے پہلے اس کی گردن اڑا دی اور اس کے بعد بندوق والے ڈاکو کی

گردن اڑا دی۔ زوناش کی کھوپڑی میں ایک ایسے سنگدل قاتل کا دماغ ڈال دیا
جو سینکڑوں لوگوں کو بے دردی سے قتل کر چکا تھا۔

باقی دونوں ڈاکو یہ خوفناک منظر دیکھ کر فرار ہونے لگے مگر زوناش کی لاش
انہیں اتنی مہلت نہ دی۔ دوسرے لمحے ان دونوں ڈاکوؤں کی سرکٹی لاشیں ز
پڑی تڑپ رہی تھیں۔ کہار سہم کر وہیں ڈولی کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ دلہا گھو
سے اتر کر ڈولی میں دلہن کے پاس دبک گیا تھا جو پہلے ہی خوف کے مارے کانپ
تھی۔ انہیں یقین تھا کہ دیوتا ان کی مدد کو پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے ڈاکو
ہلاک کر ڈالا ہے۔

زوناش کی لاش بول نہیں سکتی تھی۔ خون آلود تلوار اپنے ہاتھ میں
زوناش کی لاش یعنی زوناش ایک طرف چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے حلق
دھیمی دھیمی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے ڈاکوؤں سے د
عزت اور اس کی جان بچالی ہے۔ اب تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ زوناش
میں سے خرخراہٹ کی آوازیں سہمے ہوئے کہاروں اور دلہا دلہن نے بھی
تھیں۔ اتنے میں جو براتی بھاگ گئے تھے وہ بھی آ گئے۔ سامنے چار ڈاکوؤں کی
لاشیں پڑی دیکھ کر انہوں نے نعرہ لگایا۔ "جے بھونیشوری دیوی کی جے۔"

اس علاقے کے دیہاتی ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ شادی کے بعد جب
ڈولی میں بیٹھ کر اپنے سسرال جاتی ہے تو بھونیشوری دیوی اس کی حفاظت کرتی
زوناش کی جانے بلا کہ یہ بھونیشوری دیوی کون تھی۔ وہ تو صرف اسی بات پر خو
کہ اس نے ایک نوبیاہتا دلہن کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچالیا
اس کی وجہ سے زوناش کے دماغ کو بڑا سکون ملا تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ
کے ضمیر پر سے مزید کچھ گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اب اسے وہاں ٹھہرنے کی
ضرورت نہیں تھی چنانچہ زوناش ایک گرانڈیل لاش وہاں سے واپس چل پڑا
چلتے وہ جنگل کے دوسرے کنارے سے باہر نکل آیا۔ یہاں آتے ہی اسے

کی آواز سنائی دی جو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے باہر
بھگوان کے لیے مجھے باہر نکالو۔ نہیں تو رات کو آدم خور آ کر مجھے کھا جائیں
"

زوناش جو نیک کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا چونک کر ادھر ادھر
لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ چند قدموں کے فاصلے پر
ں کے پیچھے ایک کوٹھڑی تھی۔ آواز اس کوٹھڑی کی طرف سے آ رہی تھی۔
ں کوٹھڑی کے پاس آ گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا اور اس پر موٹا سا تالا پڑا ہوا
وئی لڑکی اندر سے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "بھگوان کے لیے مجھے باہر نکالو۔ وہ
آئیں گے اور مجھے کھا جائیں گے۔ وہ بھوت ہیں۔"

زوناش کے لیے دروازہ کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ زبان سے بول کر
کو یہ کہہ کر تسلی نہیں دے سکتا تھا کہ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے آ گیا
۔ زوناش نے تالے کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ تالا کنڈے سمیت ٹوٹ کر اس کے
میں آ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر سے پندرہ سولہ برس کی ایک سانولے
ک کی دیہاتی لڑکی گھبرائی ہوئی باہر نکلی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ کس نے دروازہ
ول کر اسے بچایا ہے۔ زوناش اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کو جب وہاں
ن کہیں دکھائی نہ دیا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور بولی۔
بھگوان تیری کرپا ہو گئی ہے۔ تو نے اپنے دیوتا کو میری مدد کے لیے بھیجا' نہیں
ل کے آدم خور مجھے ہڑپ کر جاتے۔"

زوناش کوٹھڑی کے باہر ایک طرف چپ چاپ کھڑا لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی
آسمان کی طرف ہی منہ اٹھائے اٹھائے کہا۔ "ہے بھگوان اگر تیرا بھیجا ہوا دیوتا
ا کھڑا ہے۔ تو اسے کہو کہ مجھے میرے گورو جی کی کٹیا میں پہنچا دے۔ مجھے ڈر لگتا
کہ جنگل میں اکیلی گئی تو آدم خور جنگلی مجھے اٹھا کر لے جائیں گے۔"

زوناش اسے بول کر تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ میں یہاں پر موجود ہوں۔ چلو' میں

تمہیں تمہارے گورو کی کٹیا تک چھوڑ آتا ہوں۔ اگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں
سے گھبرانا ہرگز مت........ لیکن اس نے حلق سے تین چار آوازیں ضرور
لڑکی نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ "بھگوان میں نے تیرے دیوتا کی آواز
ہے۔"

پھر سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اے آکاش کے دیوتا! میں نے تمہاری آ
لی ہے۔ میں جان گئی ہوں کہ تم یہاں موجود ہو۔ تم نے مجھے کوٹھڑی سے نکا
پر بڑی مہربانی کی ہے۔ اب مجھے میرے گورو دیو کی کٹیا تک بھی پہنچا دو۔ میر
ساتھ رہنا' میں تمہارے آگے آگے چلتی ہوں۔"

اور لڑکی نے جنگل میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ زوناش اس
پیچھے چلنے لگا۔ کوئی ایک فرلانگ کی دوری پر اس نے دیکھا کہ درختوں کے
ایک جھونپڑی ہے جس کے باہر ایک بھاری بدن والا جٹا دھاری سادھو آنکھ
کئے بیٹھا ہے۔ لڑکی نے قریب جا کر کہا۔ "گورو دیو! میں آگئی ہوں۔"

گورو دیو نے آنکھیں کھول کر لڑکی کو دیکھا اور پوچھا۔ "ساوتری بیٹی
گم ہو گئی تھی؟"

لڑکی نے کہا۔ "بابا! مجھے جنگلی لوگ اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں
کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا۔ بھگوان نے آکاش کا دیوتا میری مدد کو بھیجا جس
کوٹھڑی میں سے نکالا۔ بابا! بھگوان کا بھیجا ہوا دیوتا تمہیں دکھائی نہیں دے
نے اس کی آواز سن لی تھی۔ وہ میرے ساتھ ہی آیا ہے۔"

اس وقت بھاری بدن والے جٹا دھاری سادھو نے اُس طرف نگا
دیکھا جس طرف زوناش کی لاش یعنی خود زوناش کھڑا تھا۔ زوناش اس وقت
جب موٹے جٹا دھاری سادھو نے کہا۔ "ہاں بیٹی! میں آکاش کے دیوتا
ہوں۔"

زوناش کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ اس نے اس نیم ڈراؤنی

جٹا دھاری سادھو سے پوچھا تھا کہ وہ کیسے اسے دیکھ سکا ہے؟ جٹا دھاری سادھو نے
زوناش کی آواز بھی سن لی تھی اور وہ حقیقت میں اسے دیکھ بھی رہا تھا۔ اس نے
زوناش سے کہا۔ "اے نیک دل دیوتا! میں نے بارہ سال اس جنگل میں بیٹھ کر چلہ کاٹا
ہے۔ اس کی بدولت میرے اندر اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ میں غیبی چیز کو دیکھ
سکتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ بھگوان کے بھیجے ہوئے نیک
دیوتا میں غیبی چیز کو تو دیکھ سکتا ہوں لیکن ابھی میرے اندر اتنی شکتی پیدا نہیں ہوئی
کہ جس کی مدد سے میں گم شدہ انسانوں اور گم شدہ چیزوں کا بھی سراغ لگا سکوں۔
ورنہ میں ساوتری کو خود جا کر کوٹھڑی میں سے نکال کر لا سکتا تھا۔"

زوناش خاموشی سے جٹا دھاری سادھو کی باتیں سن رہا تھا اور دل میں بڑا خوش
ہو رہا تھا کہ اس نے ایک اور نیک کام کیا ہے۔ اس کے دماغ پر سے اس کے گناہوں
کا تھوڑا سا اور بوجھ اٹھ گیا تھا۔ وہ وہاں سے چلنے لگا تو جٹا دھاری سادھو نے کہا۔
"اے آکاش کے نیک اور پوتر دیوتا! جانے سے پہلے میرا ایک اور کام کرتے جاؤ۔ یہ
وہ کام ہے جو سوائے تمہارے دنیا کا کوئی انسان نہیں کر سکتا۔"

زوناش چلتے چلتے وہیں رک گیا۔ اب اس کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ جٹا دھاری
سادھو اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ سادھو سے یہ تو نہیں پوچھ سکتا تھا کہ اس کا کام کیا ہے
لیکن وہ اس کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا اور سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔ جٹا دھاری سادھو
نے کہا۔ "اے پوتر دیوتا! اے شکتی کے ساگر ہنومان جی کے اوتار! میری بیوی' یعنی
میری ساوتری کی ماں کو ایک مجھ سے زیادہ طاقتور اور میرے دشمن راکھشس نے
سامنے والے ٹیلے کے غار میں قید میں ڈال رکھا ہے۔ میری مدد کر اور میری بیوی اور
میری بیٹی کی ماں کو راکھشس کی قید سے نکال کر ہمیں پھر سے ملا دے۔ میری اتنی شکتی
نہیں ہے کہ میں اپنے سے دس گنا زیادہ شکتی والے راکھشس کا مقابلہ کر سکوں۔
بھگوان کے لیے ہم پر کرپا کرو۔"

زوناش جٹا دھاری سادھو کو یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چلو مجھے دکھاؤ وہ غار کہاں

ہے جہاں تمہاری بیوی قید ہے' مگر اس نے حلق سے آوازیں ضرور نکالیں
جٹادھاری سادھو نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "ساوتری بیٹی! تو یہاں میری کٹیا میں بیٹھ م
ہنومان جی کے اوتار کے ساتھ جاتا ہوں اور تمہاری ماتا جی کو ساتھ لے کر آ
ہوں۔"

جٹا دھاری سادھو اٹھ کر زوناش کے قریب آیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ا
پرنام کیا اور کہا۔ "مہاراج! آیئے۔"

اس وقت زوناش کے دماغ کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ جٹا دھاری سادھو ا
دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس نے زوناش کی نیم وا نیم مردہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال
اسے پرنام کیا تھا۔ جٹا دھاری سادھو آگے آگے چل پڑا' زوناش اس کے پیچھے چ
لگا۔ وہ ایک ندی کے پل پر سے گزر کر جھاڑیوں اور اونچی گھاس کے ایک میدا
میں سے گزرتے ہوئے ایک ٹیلے کے پاس آ گئے۔ ٹیلے کے اوپر ایک چھتری دا
کھنڈر تھا۔ جٹادھاری سادھو نے زوناش کو جھک کر' ہاتھ جوڑ کر ایک بار پھر پرنام
اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ "مہاراج! میری بچی کو اس کی ماتا جی سے ملا دیں
مجھے میری دھرم پتنی واپس دلا دیں۔ میں جنم جنم میں آپ کا داس رہوں گا۔"

زوناش اس غم زدہ سادھو کی بیوی کو راکھشس کی قید سے رہائی دینے کو ۔
تاب تھا۔ وہ اپنے ضمیر پر پڑے ہوئے گناہوں کے کچھ اور بوجھ ہلکے کرنا چاہتا تھا
اس نے حلق سے آواز نکالی۔ گویا اسے کہا کہ فکر نہ کرو۔ جس راکھشس نے تمہار
بیٹی کی ماں کو قید میں ڈال رکھا ہے میں اس کی گردن اڑا کر تیری بیوی اور تیری
کی ماں کو واپس لے آؤں گا۔ جٹا دھاری سادھو ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ زوناش
اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

ٹیلہ زیادہ بلند نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹیلے کی چوٹی پر چھتری دار قلعہ
کھنڈر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ زوناش رک گیا۔ جٹا دھاری سادھو بولا
"مہاراج! میرے ساتھ آ جائیں۔ اس قلعے کے اندر وہ غار ہے جہاں راکھشس ۔

ہری بچی کی ماتا کو قید میں ڈال رکھا ہے۔"

زوناش نے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ چلو' مجھے
ہاں لے چلو۔ چھتری دار قلعے کا کھنڈر بھوتوں کا مسکن لگتا تھا۔ اتنی ڈراؤنی خاموشی
جائی ہوئی تھی کہ کسی پرندے تک کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جٹا دھاری سادھو
لنڈر کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک تنگ ڈیوڑھی میں سے نکل کر ایک چھوٹے
ے صحن میں سے ہوتے ہوئے سامنے والے دوسرے دروازے کے قریب آ گئے۔
ہاں ایک ٹوٹا پھوٹا زینہ تھا۔ زوناش کو لے کر جٹا دھاری سادھو زینہ چڑھ کر دوسری
نزل کے ایک بوسیدہ کمرے میں آ گیا جس کی دیواروں اور چھت پر جالے لگے
ہوئے تھے۔ یہاں پہنچ کر جٹا دھاری سادھو ایک طرف کھڑا ہو گیا اور دھیمی آواز میں
ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! اس فرش کے نیچے وہ غار ہے جہاں راکھشس نے میری
پتنی کو قید میں ڈال رکھا ہے۔"

زوناش نے غور سے دیکھا تو اسے فرش کے درمیان لوہے کا ایک گول ڈھکنا
دکھائی دیا۔ جٹا دھاری سادھو نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مہاراج!
اس کے نیچے غار ہے۔ مہاراج! مجھے وہاں تک جاتے ڈر لگتا ہے۔ راکھشس کو میرا پتہ
چل گیا تو وہ مجھے اسی جگہ اپنے منتروں سے بھسم کر ڈالے گا۔ مہاراج! آپ خود ہی جا
کر دیکھ لیں۔"

زوناش کو اپنی طاقت پر ناز تھا۔ اس نے حلق سے دو بار ایک عجیب سی آواز
نکالی اور فرش کے وسط میں جا کر جھک کر لوہے کے وزنی ڈھکن کو اٹھا لیا۔ نیچے
اندھیرا تھا۔ جیسے ہی زوناش اندھیرے میں جھانکنے کے واسطے جھکا جٹا دھاری سادھو
اسی گھڑی کے انتظار میں تھا۔ وہ دوڑ کر آیا اور اس سے پہلے کہ زوناش پیچھے مڑ کر
دیکھ سکے۔ جٹا دھاری سادھو نے اپنی پوری طاقت سے زوناش کو دھکا دیا اور وہ
اندھیرے کنوئیں میں گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی جٹا دھاری سادھو نے گڑھے کے
دہانے پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا۔ "سن او شیطان کے چیلے! اندھا کھائی کے ٹیلے

پر جس سادھو کا سر کاٹ کر تم نے درگیانی کی عزت بچائی تھی وہ میرا چیلا تھا۔ میں نے اسی وقت قسم کھائی تھی کہ میں اپنے چیلے کے قاتل سے بدلہ لوں گا۔ میں نے بدلہ لے لیا ہے۔ اب تو ایک ہزار سال تک بھی اگر کوشش کرتا رہے' اپنی ساری طاقت کا زور بھی لگالے تو بھی اس اندھے کنوئیں سے باہر نہ نکل سکے گا۔"

اور جٹا دھاری سادھو نے گڑھے کے اوپر لوہے کا ڈھکنا ڈال کر اس کا دہانہ بند کر دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

زوناش ایک اندھیرے کنوئیں میں جا گرا تھا۔ اس کنوئیں میں زوناش کی کمر تک پانی تھا۔ پانی سخت گندا اور بدبودار تھا۔ زوناش نے گرنے کے فوراً بعد اپنے آپ کو سنبھالا اور اوپر دیکھا۔ اوپر اسے سوائے اندھیرے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ کنواں کافی گہرا تھا۔ اس نے جٹا دھاری سادھو کا جملہ سن لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ سارا کھیل اس سادھو نے اسے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے کھیلا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اس طرف آ رہا ہوں' اپنی شکتی سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ زوناش اس طرف چلا آ رہا ہے۔ اس نے ایک لڑکی کو جان بوجھ کر ایک کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا اور لڑکی کو سمجھا دیا کہ جب زوناش اسے باہر نکالے تو وہ اسے کسی بہانے میرے پاس لے آئے۔ جٹادھاری سادھو اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے زوناش سے اپنے چیلے کی موت کا بدلہ لے لیا تھا مگر زوناش کے دماغ میں انتقام کی ایسی آگ بھر دی تھی کہ جو ایک بار پھر سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو قتل کرنے کے بعد بھی بجھنے والی نہیں تھی۔

جٹادھاری سادھو کی اس حرکت سے زوناش کا انسانوں پر سے ایک بار پھر اعتماد اٹھ گیا تھا اور کسی بھی سادھو کو زندہ نہ چھوڑنے کا عزم کر چکا تھا۔

اب صرف اسے کسی طرح اس کنوئیں سے باہر نکلنا تھا۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ زوناش کی لاش اندھیرے میں بہت حد تک دیکھ سکتی تھی۔ لیکن جس کنوئیں میں اسے جٹا دھاری سادھو نے دھوکے سے پھینک دیا

تھا اس میں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ زوناش بھی ایک لاش ہی تھا۔ وہ کمر تک کنوئیں کے پانی میں ڈوبا کھڑا رہا۔ اس میں اور ایک عام نارمل انسان میں بڑا فرق تھا۔ عام انسان کو اندھیرے کنوئیں میں گرا دیا جائے تو ویسے ہی دہشت زدہ ہو کر چیخنا شروع کر دے لیکن زوناش ایک سرد بے حس لاش کی طرح تھا۔ اس کا دماغ ضرور پوری طرح سے کام کر رہا تھا لیکن باقی جسم کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے باوجود وہ اس اندھے کنوئیں سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس کے دماغ نے وہاں سے نکلنے کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔ کنوئیں میں گھپ اندھیرا تھا۔ زوناش کو اس اندھیرے میں بہت کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کو کنوئیں کی دیوار کی اینٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔ جن پر کائی جمی ہوئی تھی اور یہ کہیں سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور کہیں سے اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

زوناش کی لاش نے ہاتھ لگا کر کنوئیں کی دیوار کی اینٹوں کو ٹٹولا۔ ہر اینٹ اپنی جگہ پر پختگی سے لگی ہوئی تھی۔ اچانک اسے ایک باریک سیٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز تھوڑی دیر بلند ہو کر خاموش ہو گئی۔ زوناش اپنی نیم وا نیم مردہ آنکھوں سے کنوئیں کی دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے اس کے خیال میں سیٹی کی آواز آئی تھی۔ تیسری بار سیٹی کی آواز آئی تو لاش نے اس جگہ نگاہیں مرکوز کر دیں جہاں سے اس کے اندازے کے مطابق سیٹی کی آواز آئی تھی۔ اسے اندھیرے میں دو چھوٹی چھوٹی گول انار کے دانوں ایسی آنکھیں چمکتی دکھائی دیں۔ زوناش نے اس طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک زبردست پھنکار کے ساتھ ایک سانپ نے اینٹوں کے سوراخ میں سے سر باہر نکال کر زوناش کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ زوناش پر سانپ کے زہر کا اثر بالکل نہ ہوا۔ اسے صرف سانپ کے دو دانتوں کی چبھن ہی محسوس ہوئی۔ اس نے دوسری بار سانپ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو سانپ نے دوبارہ اسے ڈس دیا' لیکن اب زوناش نے سانپ کو پکڑ لیا تھا۔ اس نے سانپ کو آنکھوں کے سامنے لا کر غور سے دیکھا۔ یہ سبز اور سرخ رنگ کا سانپ تھا۔ جو بار بار اپنی پتلی زبان باہر نکال کر لہرا

رہا تھا۔

زوناش کی لاش کے دل نے سانپ کو کچلنا پسند نہ کیا۔ اس نے سانپ کو دیوار کی اینٹوں کے سوراخ میں بٹھا دیا۔ سانپ نے فوراً اپنا پھن کھول لیا اور ایسی نظروں سے زوناش کو تکنے لگا جیسے اس کا شکریہ ادا کر رہا ہو کہ اس نے اسے ہلاک نہیں کیا۔ زوناش بھی ٹکٹکی باندھے سانپ کو تک رہا تھا۔ سانپ جلدی سے سوراخ کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاں سے سانپ دیوار کے اندر گھسا تھا وہاں سے دیوار کی ایک اینٹ آہستہ آہستہ باہر کی طرف نکلنے لگی۔ زوناش بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اینٹ ایسے آگے آ رہی تھی جیسے اسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔ پھر اینٹ دیوار سے نکل کر کنوئیں کے پانی میں گر پڑی۔ اس کے بعد دوسری اینٹ نے بھی اپنی جگہ سے کھسکنا شروع کر دیا۔ زوناش دوسری اینٹ کو غور سے دیکھنے لگا۔ دوسری اینٹ بھی پیچھے سے دھکیلی جا رہی تھی اور وہ دیوار سے نکل کر کنوئیں میں گر گئی۔ اس وقت زوناش کو سوراخ کے اندر سانپ دکھائی دیا۔ ان اینٹوں کو سانپ نے اندر سے دھکیل کر نیچے گرایا تھا۔ زوناش ساکت ہو کر کمر تک کنوئیں کے پانی میں کھڑا تھا اور ٹکٹکی باندھ کر سانپ کو دیکھ رہا تھا جو سوراخ کے اندر ایک اور اینٹ کو باہر کی طرف دھکیل رہا تھا۔

زوناش کے دماغ میں خیال آیا کہ یہ سانپ کیا کر رہا ہے؟ وہ دیوار کی اینٹیں کیوں نیچے گرا رہا ہے۔ سانپ نے تیسری کے بعد چوتھی اینٹ کو بھی نیچے گرایا تو زوناش نے دیکھا کہ وہاں ایک چوکور شگاف نمودار ہو گیا ہے جس کی دوسری جانب سے پانی کے بہنے کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا ہے۔ زوناش نے شگاف میں جھانک کر دیکھا۔ سانپ غائب ہو چکا تھا۔ شگاف کے اندر پتھروں کے درمیان ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ زوناش نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے دیوار کی دس بارہ اینٹیں گرا دیں۔ شگاف چوڑا ہو گیا۔ اب دیوار میں ایک راستہ بن گیا تھا۔ زوناش شگاف کے اندر داخل ہو کر دوسری طرف نالے میں آ گیا۔ نالے میں پانی اس کی پنڈلیوں تک تھا۔ یہ ایک

سی سرنگ تھی۔ نالے کا پانی سرنگ میں آگے کی طرف جا رہا تھا۔ زوناش بھی آگے کی طرف چلنے لگا۔ سرنگ کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ زوناش کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ سرنگ کبھی دائیں طرف مڑ جاتی، کبھی بائیں طرف مڑ جاتی تھی۔ زوناش آہستہ آہستہ پانی میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ سرنگ چوڑی ہونے لگی۔ اس کی چھت بھی اونچی ہونے لگی۔ پھر سرنگ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں کافی کشادہ دالان سا تھا۔ نالہ اس دالان کے کنارے کنارے دیوار کے ساتھ بہتا ہوا آگے دیوار کی تنگ سرنگ میں داخل ہو رہا تھا۔ زوناش نالے سے باہر نکل آیا۔

اس نے کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ اپنا سر اوپر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ چھت کافی اونچی تھی۔ اس کا دماغ سوچ رہا تھا کہ یہ سرنگ کس نے بنائی ہے اور یہ کون سی پراسرار جگہ ہے۔ دالان میں پتھر کے ناتراشیدہ ستون تھے جو زمین سے لے کر چھت تک چلے گئے تھے۔ فضا میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں زوناش بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دالان کی پتھریلی دیواروں کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ دیوار میں گزرنے کے لیے خالی جگہ تھی۔ زوناش اس کی طرف بڑھا۔ یہ بغیر کیواڑوں کے دیوار میں ایک تنگ سا دروازہ بنا ہوا تھا۔ اس کی دوسری جانب ایک اور سرنگ تھی۔ زوناش اس سرنگ میں داخل ہو گیا۔ وہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا۔ یہ سرنگ ایک تنگ و تاریک گلی کی طرح تھی۔ زوناش قدم قدم بیماروں کی طرح چلتا سرنگ کا ایک اور موڑ گھوم گیا۔ آگے سرنگ بند تھی۔ سامنے دیوار آ گئی۔ زوناش رک گیا اور سرنگ کی دیوار کو تکنے لگا۔ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔

زوناش نے آواز پر کان لگا دیئے۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی جو آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔ زوناش نے دیوار کے ساتھ کان لگایا۔ عورت کے رونے کی آواز دیوار کی دوسری جانب سے آ رہی تھی۔ زوناش حیران ہوا کہ یہ کون عورت ہے جو دیوار کی دوسری طرف رو رہی ہے۔ عورت کے رونے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ سخت بے بسی اور سخت اذیت کی حالت میں ہو۔ اس کے ساتھ ہی زوناش کو ٹھک ٹھک کی ہلکی

سی آواز بھی سنائی دی۔ زوناش کی لاش نے دونوں ہاتھوں سے دیوار کو ٹٹول کر دیکھا
کہ شاید وہاں دوسری طرف جانے کے لیے کوئی خفیہ راستہ بنا ہوا ہو مگر اسے کہ
جگہ کوئی سوراخ' کوئی ہلکا سا شگاف بھی نہ ملا۔ زوناش نے دونوں ہاتھ دیوار کے ساتھ
لگا کر دیوار کو دوسری طرف دھکا دیا۔ دیوار اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ زوناش کے
دماغ کو یقین ہو گیا تھا کہ دوسری طرف باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ موجود ہے۔ اس
کے اندر دس بارہ آدمیوں کی طاقت تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دیوار کو پوری
طاقت سے دھکا دیا۔ دیوار درمیان میں سے ٹوٹ کر گر پڑی۔ وہاں ایک کافی بڑا
شگاف نمودار ہو گیا۔

زوناش کی لاش نے شگاف میں سے دوسری طرف دیکھا۔

دوسری جانب ایک وسیع دالان تھا جس کے وسط میں ایک چھوٹا سا تالاب تھا
اندھیرے میں زوناش کو تالاب کی سطح پر ایک عورت کی لاش دکھائی دی۔ رونے کی
آواز اسی لاش کی تھی۔ دیوار کے گرنے سے عورت کے رونے کی آواز ایک لمحے
کے لیے رک گئی۔ زوناش شگاف میں سے دوسری طرف آ گیا۔ تالاب کے کنارے
کنارے پتھروں کی بڑی بڑی سلوں کے اوپر بڑے بھیانک چہروں والے بت رکھے
ہوئے تھے۔ عورت کے رونے اور بین کرنے کی آواز ایک بار پھر شروع ہو گئی
روتے روتے عورت نے کہا۔ "زوناش! میری مدد کرو' مجھے بچا لو' مجھے بچا لو۔"

زوناش نے تالاب کے کنارے آ کر غور سے عورت کی طرف دیکھا۔
عورت ایک بے حس و حرکت لاش کی طرح پانی کی سطح پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے
سر پر ایک کالا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور عورت کے ماتھے پر بار بار ڈس رہا تھا
اس کے ڈسنے سے ہلکی ٹھک ٹھک کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ عورت کی لاش نے
زوناش کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "زوناش! مجھے اس سانپ سے
نجات دلاؤ۔ میں سخت تکلیف میں ہوں۔"

زوناش نے اپنا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا تو سانپ نے پھنکار مار کر زوناش

کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ مگر اس کے زہر کا زوناش کی لاش پر کوئی اثر نہ ہوا۔ زوناش نے
سانپ کو گردن سے پکڑ کر عورت کے سر کے اوپر سے اٹھا لیا اور دونوں ہاتھوں میں
مسل کر اسے کچل کر تالاب سے باہر پھینک دیا۔ عورت نے ایسے سانس لیا جیسے ایک
مدت کے بعد اسے سکون اور راحت نصیب ہوئی ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆

زوناش بول نہیں سکتا تھا۔

صرف حلق سے عجیب و غریب ڈراؤنی آواز ہی نکال سکتا تھا' مگر ان آوازوں
ایک مفہوم ہوتا تھا۔ اس نے غور سے عورت کے چہرے کو دیکھا۔ عورت خو
شکل تھی مگر سانپ کے زہر سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ چکا تھا۔ سانپ کے ہلاک ہونے
بعد عورت کی لاش میں جان پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے زوناش سے کہا۔ "زوناش! میرا
ہاتھ پکڑ کر مجھے تالاب سے باہر نکالو۔"

زوناش نے اپنا لمبا بازو عورت کی طرف بڑھایا۔ عورت نے اس کے ہاتھ
پکڑ لیا۔ زوناش نے عورت کو تالاب سے باہر نکال دیا۔ عورت تالاب کے کنار
لیٹ گئی۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی جو اس کے جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی
عورت کے بال بھی گیلے اور الجھے ہوئے تھے۔ زوناش نے حلق سے آواز نکال کر
عورت سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ یہ جملہ
زوناش کی لاش کی زبان سے ادا نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے دماغ نے یہ جملہ سوچا تھا
زوناش کی لاش زبان سے کوئی جملہ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ عورت نے کمزور آواز میں
کہا۔ "زوناش! تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ میں نے سن لیا ہے۔ فکر نہ کرو' تم نے
میری جان بچائی ہے اور مجھے ایک بہت بڑے عذاب سے نجات دلائی ہے۔ اس لئے

نہیں یہاں سے ضرور باہر نکال کر لے جاؤں گی۔"

اب جب زوناش کے دماغ پر یہ انکشاف ہوا کہ یہ عورت اس کے دماغ میں
ہوئے خیالات اور جملوں کو پڑھ لیتی ہے تو زوناش نے اپنے دماغ میں دہرایا۔
ون ہو؟ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ یہاں سے باہر جانے کا راستہ کس طرف
"

یہ جملے بھی عورت نے سن لئے تھے۔ عورت آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے
"مَیں کون ہوں؟ یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ مجھے تمہارا نام کیسے معلوم ہوا؟ یہ بھی
نہیں نہیں بتا سکتی لیکن میں تمہیں یہاں سے باہر ضرور نکال دوں گی۔"

اس پُراسرار عورت نے دیوار کے ایک طاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
ن سے کہا۔ "اس طاق میں ایک پیالہ رکھا ہے۔ وہ مجھے لا کر دے دو۔"

زوناش طاق کے پاس گیا۔ طاق میں سیاہ رنگ کا ایک پیالہ پڑا تھا۔ پیالے میں
ا جس میں ایک بچھو تیر رہا تھا۔ زوناش نے پیالے کو نیچے سے پکڑا اور عورت کو
ے دیا۔ عورت پیالے کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئی جیسے اسے آبِ حیات کا پیالہ
ا ہو۔ اس نے پیالے کے پانی میں ہاتھ ڈال کر بچھو کو پکڑا اور اسے اپنے منہ میں
کر چبانا شروع کر دیا۔ زوناش نیم وا ساکت آنکھوں سے عورت کو دیکھ رہا تھا۔
ت بچھو کو کھا گئی۔ کھانے کے بعد وہ پیالے کا سارا پانی بھی پی گئی۔ اس نے پیالہ
ہ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد عورت کے جسم میں ایک دم سے توانائی آ گئی۔
ھ کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ "زوناش! تم نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔
یرے ساتھ' مَیں تمہیں اس اذیت خانے سے باہر لے جاتی ہوں۔"

عورت دیوار کے پاس ایک جگہ جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیوار میں سے
اینٹ اکھاڑ کر باہر نکالی اور ہاتھ اندر ڈال کر کسی سلاخ کو زور سے اپنی طرف
یا۔ سلاخ کے کھینچتے ہی دیوار زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک طرف کو ہٹ
۔ وہاں ایک زینہ نمودار ہو گیا جو اوپر کی طرف جاتا تھا۔ عورت نے زوناش سے

کہا۔ "میرے پیچھے آ جاؤ۔"

زینہ اوپر ایک ایسی کوٹھڑی میں نکل آیا جس میں گھپ اندھیرا تھا۔ کے علاوہ شاید وہ پُراسرار عورت بھی اندھیرے میں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اندھیر بڑی آسانی سے چل کر کوٹھڑی کی سامنے والی دیوار کے پاس جا کر رک گئی۔ یہا اس نے ایک جگہ سے دیوار کی اینٹ باہر نکالی اور ہاتھ ڈال کر ایک سلاخ کو دیوار میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک شگاف نمودار ہو گیا۔ دوسری طرف سے دن کی روشنی اندر آنے لگی۔ عورت زوناش کو لے کر دوسری طرف آ گئ پتھروں کے درمیان سرنگ میں پانی بہہ رہا تھا۔ عورت نے کہا۔ "یہ نالہ ہمی سرنگ سے باہر نکال دے گا۔"

وہ نالے میں پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کے درمیان چلتے سرنگ آگے بڑھے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے سرنگ میں دن کی روشنی زیادہ رہی تھی۔ آخر ایک جگہ سرنگ کا دہانہ آ گیا۔ یہاں سے وہ سرنگ سے با آئے۔

باہر جنگل کے درمیان ایک کھلی جگہ تھی۔ نالہ ایک طرف کو گھوم گ جہاں وہ کھڑے تھے وہاں ان کی تین جانب اونچے اونچے درخت خاموش کھڑے چوتھی جانب ان کے بالکل سامنے ایک قبرستان تھا۔ قبرستان میں بے شمار قبریں جن میں سے کسی پر بھی کوئی کتبہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کسی کسی قبر کے سرہانے شکل والی مورت دکھائی دے رہی تھی۔ قبرستان کے عقب میں ایک دو منزل عمارت تھی جس کی دیواروں کو جنگلی بیلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

پُراسرار عورت نے کہا۔ "زوناش! یہ بُت پرست جادوگروں کا قبرستان یہ مرے ہوئے جادوگر مردوں اور عورتوں کی قبریں ہیں۔ ان میں ایک میری ہے۔ آؤ، میں تمہیں اپنی قبر دکھاتی ہوں۔"

اس وقت دن ڈوب رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے آسمان پر کالے سیاہ بادل چھا گ

چمکنے لگی اور بادل گرجنے لگے۔ عورت زوناش کو ایک قبر پر لے گئی جو کھلی ہوئی قبر کے اندر لکڑی کا ایک تابوت تھا جو خالی تھا۔ عورت نے تابوت کی طرف ہ کر کے کہا۔ "یہ میرا تابوت ہے۔"

بجلی بار بار چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی بارش ع ہو گئی۔ پُراسرار عورت نے زوناش سے کہا۔ "بارش آ گئی ہے۔ میرے ساتھ نے والے مکان میں آ جاؤ۔ میں تمہیں وہاں سب کچھ بتا دوں گی کہ یہاں کیا کچھ ا ہے۔ میں کون ہوں اور ہم یہاں سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں؟"

سیاہ بادلوں میں کڑکتی چمکتی بجلی اور بادلوں کی گرج اور بارش میں بھیگتے زوناش پُراسرار عورت سامنے والے مکان میں آ گئے جو کوئی آسیب زدہ مکان لگتا تھا۔ ن اکھڑا ہوا تھا، دیواروں کا چونا گر رہا تھا۔ پُراسرار عورت زوناش کے ساتھ آسیب ہ مکان کی ڈیوڑھی میں بیٹھ گئی۔

زوناش کے دماغ نے پُراسرار عورت سے پوچھا۔ "کیا ابھی ہم اس جگہ قید ا؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "ہاں، اس قبرستان کے اِردگرد جٹادھاری سادھو نے بردست کالا جادو کر رکھا ہے۔ یہ وہی جٹادھاری سادھو ہے جس نے اپنے چیلے کے ل کا بدلہ لینے کے لیے تمہیں اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ تمہیں یاد ہے ھے کنوئیں میں جب تم دیوار کو ٹٹول رہے تھے تو تمہیں ایک سانپ نے دیوار کے سوراخ میں سے نکل کر دو بار ڈس دیا تھا۔ اگر تم اس سانپ کو وہیں مار ڈالتے تو اس اندھے کنوئیں میں سے کبھی باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ وہیں پانی میں پڑے ے تمہارا جسم گل سڑ جاتا لیکن نہ جانے تمہارے دماغ میں کیا بات آ گئی تھی کہ تم نے سانپ کو معاف کر دیا اور اسے ہلاک نہیں کیا۔ اس کے جواب میں سانپ نے تم سے یہ سلوک کیا کہ تمہیں وہاں سے نکلنے کا راستہ بتا دیا۔"

زوناش کے دماغ نے پوچھا۔ "تم فضول باتیں مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ میں یہاں

سے باہر کس طرح نکل سکتا ہوں؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "تم اکیلے یہاں سے قیامت تک نہیں نکل سکے اگر نکلو گے تو میرے ساتھ ہی نکلو گے۔ جٹادھاری سادھو بڑا خطرناک کالا جادو ہے۔ اس کے پاس اتنی شکتی ہے کہ وہ کھڑے کھڑے ہم دونوں کو آگ لگا کر بھسم سکتا ہے۔ میں اس کی دیوداسی ہوں۔ اس نے اپنے جادو کے ذریعے مجھے یہاں قید رکھا تھا۔ مگر ایک بار میں نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو جٹادھاری سادھو مجھے ایک قبر میں زندہ دفن کر دیا لیکن چونکہ مجھے بھی اس نے اپنے کالے جادو آدھی شکتی دے رکھی تھی اس لئے میں قبر کے اندر بھی زندہ تھی۔ جٹادھا سادھو ہر روز رات کو اِس بھوت محل میں آتا' مجھے قبر سے نکالتا اور میرا ر دیکھتا۔ میں نرتکی بھی ہوں۔ وہ میرے رقص سے خوش ہوتا۔ اس کے بعد د مجھے قبر میں بند کر دیتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اپنی طلسمی شکتی سے کام لیتے ہوئے میں سے نکل کر فرار ہونے کی ایک اور کوشش کی مگر اس قبرستان کے اردگرد سادھو نے جادو کی زبردست لہریں چھوڑ رکھی ہیں ان کی وجہ سے قبرستان دروازے پاس ہی مجھے زبردست جھٹکا لگا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ جٹادھاری س مجھے وہاں سے اٹھا کر بھوت محل لے آیا۔ اس نے کہا' میں تمہیں ایسی سزا دوں جسے تم جنم جنم یاد رکھو گی۔ اس نے میرے سارے جسم کو ایک لاش میں تبدیل دیا اور مجھے سرنگ کے اندر والے تالاب میں پھینک دیا۔ اس کے بعد میرے ایک سانپ بٹھا دیا جو مجھے ڈستا رہتا تھا۔ میں نے اپنے جادو کی شکتی سے معلوم تھا کہ تالاب کے کنارے دیوار میں ایک طاق ہے جس میں ایک پیالے میں پانی ہے اور اس میں ایک بچھو ہے اور اگر وہ بچھو میں کھا جاؤں تو مجھے اس عذاب نجات مل سکتی ہے لیکن میرا جسم بے حس تھا۔ مَیں نہ ہاتھ ہلا سکتی تھی' نہ پاؤ سکتی تھی۔ جب تم وہاں آئے تو مجھے اتنی طاقت مل گئی کہ مَیں اٹھ سکتی تھی کے بعد جو کچھ ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔"

زوناش کی لاش کے دماغ نے پُراسرار عورت سے سوال کیا۔ "یہ بتاؤ کہ اب یہاں سے کس طرح نکل سکیں گے؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "مجھے اپنی جادو کی شکتی سے پتہ چل گیا ہے کہ ابھی ں جٹادھاری سادھو کو معلوم نہیں ہوا کہ میں تالاب سے باہر نکل آئی ہوں اور ں نے طاق والا بچھو کھا لیا ہے اور میرے اندر پھر سے طاقت پیدا ہو گئی ہے۔ اب ری بات غور سے سنو۔ جس روز رات کو بادل چھا جاتے ہیں۔ بجلیاں کڑکتی ہیں' ل گرجتے ہیں اور بارش ہوتی ہے تو اس قبرستان میں چار سادھو ایک مردے کا پان (جنازہ) لے کر آتے ہیں۔ وہ مردے کے بھوپان کو ایک تازہ کھدی ہوئی قبر پاس رکھ دیتے ہیں اور خود ہاتھ باندھ کر ایک طرف ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ے کے بعد چمکتی بجلی اور گرجتے بادلوں اور موسلادھار بارش میں جٹادھاری سادھو طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ وہ ایک تخت پر بیٹھا ہوتا ہے جس کو چار جادوگروں اٹھایا ہوتا ہے۔ تخت مردے کے بھوپان (جنازے) کے پاس رکھ دیا جاتا ہے۔ جٹا اری سادھو تخت سے اتر کر مردے کے بھوپان کے گرد چھ چکر لگاتا ہے۔ پھر تخت رکھے تھیلے میں سے دو چھریاں نکال کر مردے کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور مردے کا شت کاٹ کاٹ کر کھانا شروع کر دیتا ہے۔ وہ دیکھتے دیکھتے سارے کا سارا مردہ کھا ہے۔ اس کے بعد مردے کی ہڈیاں اور کھوپڑی قبر میں دفن کر دیتا ہے اور تخت یٹھ جاتا ہے۔ اس کے غلام جادوگر تخت اٹھاتے ہیں اور اسے واپس اس کی کٹیا میں جاتے ہیں۔"

زوناش کے دماغ نے کہا۔ "مجھے تمہاری اس کتھا کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں مجھے یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے کیسے فرار ہو سکتے ہیں؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "یہی میں تمہیں بتانے لگی تھی کہ تم بیچ میں بول ے۔ سنو' یہاں سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ جب جٹادھاری سادھو مردے کا شت کھا کر اس کی ہڈیاں اور کھوپڑی قبر میں دبا کر چلا جائے تو ہم دوبارہ قبر کو کھود

کر مردے کی کھوپڑی نکال کر لے آئیں۔ اس کھوپڑی میں ایک خاص منتر پڑھ پھونکوں گی جس کے بعد مردے کی کھوپڑی پھٹ جائے گی اور اس کے دو ٹکڑے جائیں گے۔ کھوپڑی کا ایک ٹکڑا میں اپنے پاس رکھ لوں گی اور کھوپڑی کا دوسرا تم اپنے پاس رکھ لو گے۔ جب تک کھوپڑی کے ٹکڑے ہمارے پاس رہیں گے جٹادھاری سادھو کا بڑے سے بڑا جادو بھی کوئی اثر نہیں کر سکے گا اور اس طرح قبرستان کے اردگرد کھنچے ہوئے جٹا دھاری سادھو کے طلسمی دائرے سے آسانی ساتھ نکل جائیں گے۔ اب ہم یہاں بیٹھ کر مردے کے بھوپان کا انتظار کریں۔ کیونکہ آکاش پر سیاہ بادل ہیں' بجلی کڑک رہی ہے' بادل گرج رہے ہیں اور بارش رہی ہے۔ ایسی ہی رات کو جٹادھاری سادھو مردہ کھانے کے لیے قبرستان میں ہے۔"

زوناش اس پُراسرار عورت کی بات سمجھ گیا تھا۔ اس کے آگے اس کی کام بھی نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ آدھا مردہ اور آدھا زندہ تھا۔ یہ صرف اس کا تھا جو پوری طرح سے بیدار ہو کر اسے چلا پھرا رہا تھا اور وہ سوچ بھی سکتا تھا دوسرا اس کے دماغ میں پیدا ہونے والی باتوں اور خیالات کو سمجھ جائے تو وہ اسے بات سمجھا بھی سکتا تھا۔ زوناش کے دماغ میں ایک سوال بار بار آ رہا تھا۔ اس سوال اپنے دماغ میں دہرایا۔ پراسرار عورت کے دماغ تک زوناش کے دماغ کی آواز بن کر پہنچ گئیں۔ زوناش نے پوچھا تھا۔ "یہ بتاؤ کہ میں غائب ہوں۔ مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر تم نے مجھے کیسے دیکھ لیا تھا؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "میں نے تمہیں اس جادو کی طاقت کی وجہ سے لیا تھا جو جٹا دھاری سادھو نے مجھے دے رکھی ہے۔ اس جادو کے ذریعے مجھے نام بھی معلوم ہو گیا تھا اور مجھے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ تمہیں کئی مردہ آدمیوں جسم کے ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔"

زوناش نے اپنے دماغ میں ایک خیال کے ذریعے پوچھا۔ "کیا تمہیں

ہے کہ میری کھوپڑی میں کس کا دماغ ڈالا گیا تھا؟"

پُراسرار عورت نے کہا۔ "نہیں' یہ میں نہیں جانتی۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے تمہیں مردوں کے ٹکڑے کاٹ کر اور جوڑ کر بنایا ہے۔ انہوں نے تمہارے دماغ میں بھی کسی مردے کا دماغ ڈالا ہو گا۔ میں تم سے یہ بالکل نہیں پوچھوں گی کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے تمہیں بنایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی بہت بڑے جادوگر ہیں۔"

زوناش نے اپنے دماغ کے ذریعے پُراسرار عورت کے اس گمان کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسے بلکہ کسی کو بھی یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ اس کی کھوپڑی میں دنیا کے سب سے زیادہ سنگ دل قاتل کا دماغ ڈالا گیا ہے۔

پُراسرار عورت نے کہا۔ "یہ بتاؤ زوناش! جٹادھاری سادھو یعنی میرے دشمن نے تو تمہیں دیکھ لیا ہو گا' جس طرح میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں۔"

زوناش نے اپنے دماغ کی لہروں سے اسے بتایا کہ جٹادھاری سادھو نے پہلی نظر میں ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ پُراسرار عورت بولی۔ "تو پھر ہمیں یہاں بیٹھنا نہیں چاہئے۔ اوپر آ جاؤ۔ ہم بھوت محل کی بالکونی میں بیٹھ کر مردے کے جنازے کا انتظار کریں گے۔"

وہ زوناش کو اُوپر لے گئی۔ دوسری منزل پہلی منزل سے زیادہ بوسیدہ اور آسیب زدہ تھی۔ اس منزل کی ایک ٹوٹی پھوٹی بالکونی تھی جس کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔ بارش ہو رہی تھی' بادل اسی طرح گرج رہے تھے۔ بجلی رہ رہ کر کڑک رہی تھی۔ وہ دونوں بالکونی میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں قبرستان کے شکستہ گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شاید رات کے دس ساڑھے دس بجے کا وقت ہو گا کہ قبرستان کے گیٹ کی طرف سے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کچھ لوگ بین کرتے آ رہے ہوں۔

پُراسرار عورت نے زوناش سے کہا۔ "ہوشیار ہو جاؤ۔ کسی مردے کا جنازہ آ

رہا ہے۔"

زوناش کی نگاہیں پہلے ہی قبرستان کے گیٹ پر لگی ہوئی تھیں۔ اس طرف بڑا گہرا اندھیرا تھا۔ اچانک بجلی زور دار کڑک کے ساتھ چمکی۔ زوناش نے دیکھا کہ قبرستان کے دروازے سے چار آدمی ایک جنازہ اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ ان کے لباس سیاہ تھے۔ وہ جنازہ اٹھائے قبروں کے درمیان میں سے ہوتے چلے آ رہے تھے اور ساتھ ساتھ بڑی دردناک اور دہشت ناک آوازوں سے بین بھی کر رہے تھے۔ زوناش اپنی نیم وا آدھی زندہ آدھی مردہ آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بارش میں ان کے لباس بھیگ رہے تھے۔ جنازہ بھی بھیگ رہا تھا۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی جس کی روشنی میں جنازہ لانے والوں کے بھیگے ہوئے سیاہ لبادے اور بھیگے ہوئے چہرے تھوڑی تھوڑی دیر بعد بالکل صاف نظر آ جاتے تھے۔ انہوں نے آسیب زدہ کھنڈر سے تھوڑے فاصلے پر مردے کا جنازہ قبروں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ کافر اور بت پرست لوگ تھے۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے نہیں تھے بلکہ زمین میں دبا دیتے تھے۔ مردے کے جنازے کو قبروں کے درمیان ایک کھدی ہوئی قبر کے پاس رکھنے کے بعد چاروں آدمی ایک طرف ہاتھ باندھ کر بارش میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بین کرنا بند کر دیا تھا۔

اتنے میں قبرستان کی سرنگ والی جانب سے ایک تخت آتا نظر آیا جس کو چار آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔ بجلی چمکی تو زوناش نے دیکھا کہ تخت پر ایک جٹا دھاری سادھو بیٹھا ہوا تھا۔ تخت ذرا قریب آیا تو بجلی کی چمک میں زوناش نے جٹادھاری سادھو کو پہچان لیا۔ یہ وہی جادوگر تھا جس نے اپنے چیلے کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے زوناش کو اپنے جال میں پھنسا کر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اسے دیکھ کر زوناش کے دماغ نے لاوے کی طرح ابلنا شروع کر دیا۔ پُراسرار عورت نے زوناش کے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا۔ "یہ ہے تمہارا اور میرا دشمن۔ جٹا دھاری سادھو اور قبیلے کا سب سے خطرناک قاتل جادوگر۔ تم نے ضرور اسے پہچان لیا ہو گا۔"

زوناش کے دماغ کی ایک لہر نے پُراسرار عورت کو بتایا کہ ہاں میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ یہ وہی سادھو ہے جس نے مجھے اندھے کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اس کے جواب میں پُراسرار عورت نے کہا۔ "اب خاموشی سے دیکھتے رہو کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔"

کہار جادوگروں نے جٹادھاری سادھو کا تخت اس جگہ لا کر رکھ دیا جہاں مردے کا بھوپان یعنی جنازہ رکھا ہوا تھا۔ چاروں کہاروں نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور وہ بارش میں بھیگ رہے تھے۔ جٹادھاری سادھو بھی بارش میں بھیگ رہا تھا اور رہ رہ کر چمکتی اور کڑکتی بجلی میں اس کا سیاہ اور منحوس چہرہ بار بار دکھائی دیتا تھا۔

چند لمحوں تک جٹادھاری سادھو تخت پر خاموش بیٹھا اپنے سامنے پڑے مردے کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ایک دم اٹھا۔ اس نے بازو کھول کر بادلوں کی طرف دیکھا۔ بجلی زور سے کڑکی۔ اس کی دہشت ناک کڑک میں جٹادھاری سادھو کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل کر غائب ہو گئی اور اس نے چیخ کر کچھ منتر پڑھے۔ پُراسرار عورت نے سرگوشی میں زوناش سے کہا۔ "یہ مرگ منتر ہیں یعنی موت کے منتر ہیں۔ یہ منتر اگر کسی بیمار آدمی کے کان میں پھونکے جائیں تو وہ فوراً ان کے اثر سے مر جاتا ہے۔"

منتر پڑھنے کے بعد جٹادھاری سادھو نے تخت پر رکھے ایک تھیلے میں سے دو چھریاں نکال کر ہاتھوں میں پکڑ لیں۔ بجلی کی چمک میں چھریوں کے پھل چمک رہے تھے۔ اس نے چھریاں ہاتھوں میں لے کر مردے کے بھوپان کے گرد چھ چکر لگائے۔ ہر چکر پر وہ کوئی نیا منتر پڑھتا تھا۔ جب چھ چکر پورے ہو گئے تو جٹادھاری سادھو مردے کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مردے کے جسم پر چھریوں کے وار کرنا شروع کر دیئے۔ وہ اس طرح دیوانوں کی طرح وار کر رہا تھا جیسے قیمہ کوٹ رہا ہو۔ اس کے حلق سے عجیب ڈراؤنی اور غیرانسانی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جب مردے کے جسم کی ایک ایک بوٹی الگ ہو گئی تو جٹا دھاری آدم خور سادھو نے

چھریاں تخت پر پھینک دیں اور دونوں ہاتھوں سے مردے کے جسم کی بوٹیاں کھانی شروع کر دیں۔ وہ جانوروں کی طرح مردے کا گوشت کھا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مردے کے جسم کا سارا گوشت ہڑپ کر گیا۔ پھر اس نے چھری پکڑ کر مردے کے بازو اور ٹانگوں کی ہڈیاں کاٹ کر الگ الگ کر دیں۔ سب سے آخر میں مردے کی گردن کاٹ کر اس کی کھوپڑی الگ کر دی۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس نے ایک بار پھر دونوں بازو کھول کر آسمان کی طرف دیکھا۔ بارش میں اس کے منہ پر لگا ہوا مردے کا جما ہُوا خون صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک چیخ مار کر کچھ منتر پڑھے اور تخت پر آ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ جو چار آدمی مردے کا بھوپان اٹھا کر لائے تھے انہوں نے مردے کی ساری ہڈیاں اور کھوپڑی کھدی ہوئی قبر میں ڈال دیں اور بیلچوں سے قبر کے اندر مٹی ڈال کر اسے بند کر دیا۔

بارش اور طوفانی رات اور بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج میں یہ سارا منظر بڑا ہولناک تھا مگر پُراسرار عورت اور زوناش کی لاش بڑے سکون کے ساتھ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ ان کا تعلق خود اسی دنیا سے تھا۔ قبر کو بند کرنے کے بعد کہاروں نے جٹادھاری سادھو کا تخت اٹھایا اور اسے لے کر سرنگ کے دہانے کی طرف چل پڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے مردے کو لانے والے چاروں آدمی سر جھکائے ہاتھ سینوں پر باندھے دھیمی آواز میں بین کرتے چلے جا رہے تھے۔ جب یہ سارے لوگ جٹادھاری سادھو کے تخت سمیت سرنگ کے دہانے میں داخل ہونے کے بعد زوناش اور پُراسرار عورت کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو پُراسرار عورت نے زوناش سے کہا۔ ”زوناش! تم یہیں بیٹھے رہو۔ میں جاتی ہوں اور قبر میں سے کافر مردے کی کھوپڑی نکال کر لاتی ہوں۔“

یہ کہہ کر پُراسرار عورت بالکونی سے اٹھ کر نیچے چلی گئی۔ زوناش بالکونی میں ہی بیٹھا رہا۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے۔ لگتا تھا آج ساری رات یہ طوفان جاری رہے گا۔ بجلی ایک بار چمکی تو زوناش نے

پُراسرار عورت کو دیکھا۔ وہ آسیب زدہ کھنڈر سے نکل کر قبر کی طرف جا رہی تھی۔ قبر کے پاس جا کر وہ بیٹھ گئی اور لمبے لمبے ہاتھ چلا کر قبر کی تازہ مٹی کھودنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک جانب سے قبر میں گہرا سوراخ کر لیا۔ پھر ہاتھ ڈال کر اندر سے کھوپڑی نکالی اور اسے اپنی ساڑھی کے پلو میں چھپا کر کھنڈر میں لے آئی۔ اس نے آتے ہی زوناش سے کہا۔ ”میں کھوپڑی لے آئی ہوں۔ اب میں اس کے دو ٹکڑے کرنے لگی ہوں۔ اگر تمہیں کوئی ڈراؤنی آواز سنائی دے تو ڈرنا نہیں۔“

اس نے کھوپڑی فرش پر رکھ دی۔ ایک پتھر قریب سے اٹھایا اور اسے پوری طاقت سے کھوپڑی پر مار دیا۔ کھوپڑی کے اندر سے ایک دلدوز آواز بلند ہوئی اور کھوپڑی دو ٹکڑے ہو گئی۔ پُراسرار عورت نے کھوپڑی کا ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور ایک ٹکڑا زوناش کو دے دیا اور کہا۔

”اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔ اور میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔“

وہ آسیب زدہ کھنڈر سے نکل کر بارش میں بھیگتے ہوئے رات کی تاریکی میں قبروں کے اوپر سے گزرتے قبرستان کے شکستہ دروازے کی طرف تیز تیز چلنے لگے۔ قبرستان کے دروازے پر وہ جیسے ہی پہنچے ان دونوں کو ایک جھٹکا لگا۔ پُراسرار عورت اپنی جگہ پر رک گئی۔ زوناش کو اپنے جسم میں بجلی کی لہر سی سرائت ہوتی محسوس ہوئی۔

پُراسرار عورت نے کہا۔

”گھبرانا مت۔ یہ جٹادھاری سادھو کی لہریں ہیں۔ اس کے جادو نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ اگر تمہارے پاس کافر مردے کی کھوپڑی نہ ہوتی تو ہم دونوں اس جگہ شعلوں میں بھسم ہو کر رہ جاتے۔ اب دروازے سے نکل کر جتنی تیز چل سکتے ہو میرے ساتھ چل پڑنا۔“

پُراسرار عورت آگے آگے تھی۔ قبرستان کے شکستہ دروازے سے نکلتے ہی وہ تیز تیز چلنے لگی۔ زوناش بھی جتنی تیز چل سکتا تھا اس کے پیچھے چل پڑا۔ دونوں

اندھیری رات میں چمکتی بجلیوں اور بارش میں بھیگتے ہوئے جا رہے تھے۔ جب وہ قبرستان سے کافی دور نکل گئے تو آگے ایک ندی آ گئی۔ پُراسرار عورت ندی میں اتر گئی۔ پانی اس کی کمر تک تھا۔ زوناش بھی پانی میں اتر گیا۔ چونکہ زوناش کا قد کافی بڑا تھا۔ اس لئے ندی کا پانی اس کے گھٹنوں سے بھی نیچے تھا۔ وہ ندی پار کر گئے۔ ندی کے دوسرے کنارے پر آ کر پُراسرار عورت نے دونوں بازو پھیلا کر اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور اس کے حلق سے ایک ڈراؤنی چیخ نکلی۔ زوناش کی جگہ کوئی عام آدمی وہاں ہوتا تو چیخ کی آواز سن کر ضرور ڈر کر بے ہوش ہو جاتا۔ پُراسرار عورت نے کہا۔

"زوناش! اب ہم آزاد ہیں۔ ہم جٹا دھاری ملیچھ سادھو کے طلسم سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اب اس کا خطرناک سے خطرناک جادو اور کوئی منتر ہم پر کوئی اثر نہیں کر سکتا۔"

زوناش کے دماغ نے ایک خیال کی لہر کے ذریعے عورت سے سوال کیا۔

"جٹا دھاری سادھو کو پتہ چل گیا ہو گا اور وہ ضرور ہمارے پیچھے ہمیں ہلاک کرنے آئے گا۔"

پُراسرار عورت نے کہا۔

"اب اس کا کوئی منتر کوئی جادو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر اس نے ہم پر کوئی جادو کیا یا منتر پھونکا تو وہ الٹا اس پر جا کر اثر کرے گا اور وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے اب اس کا ہمارے پیچھے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ندی پار کرنے کے کچھ دیر بعد بارش تھم گئی۔ بادل چھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ دونوں جنگل کے کنارے کنارے ایک پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔

پُراسرار عورت کہنے لگی۔

"یہاں سے چھ کوس فاصلے پر ایک ریلوے اسٹیشن ہے وہاں رات کے بارہ بجے ایک گاڑی آ کر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتی ہے۔ یہ گاڑی بمبئی جاتی ہے۔ میں

اس گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاؤں گی۔ بمبئی میں سمندر کے کنارے ایک ویران جگہ پر سنتھاپلی جی کا ایک پرانا مندر ہے۔ میں اس مندر کی دیوداسی تھی جہاں سے یہ جٹا دھاری سادھو مجھے اغوا کر کے لے آیا تھا ____ تم کہاں جاؤ گے؟"

زوناش نے پُراسرار عورت کی پوری بات سن لی تھی۔ اس نے اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے پُراسرار عورت کو بتایا کہ وہ انگلستان کے ملک میں جانا چاہتا ہے جہاں اس کی محبوبہ کی قبر ہے۔ وہ باقی زندگی اپنی محبوبہ کی قبر کے پاس بسر کر دینا چاہتا ہے۔ پُراسرار عورت نے کہا۔

"کسی مردہ عورت کے ساتھ تم زندگی کیسے بسر کرو گے۔"

زوناش نے اپنے دماغ کی لہر کے ذریعے پُراسرار عورت کو بتایا کہ جس عورت کی قبر کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ اس کی محبوبہ تھی۔ پُراسرار عورت نے فوراً کہا۔

"اور تم نے اس کو قتل کر دیا تھا۔ زوناش! مجھے اپنی طلسمی شکتی کے ذریعے تمہاری ساری زندگی کا پتہ چل چکا ہے۔ مگر میں تمہارے سامنے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب تم نے خود ہی بات کی ہے تو میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا ہے۔"

زوناش کو ایکدم غصہ آ گیا کہ یہ عورت کون ہوتی ہے اسے قاتل کہنے والی مگر فوراً اس نے اپنے دماغ کی مدد سے غصے پر قابو پا لیا۔ وہ اس عورت کو قتل کر کے اپنے گناہوں میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے پہلے گناہوں پر ہی بہت پچھتا رہا تھا۔ زوناش نے عورت کو کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہا اور اس کے ساتھ ساتھ چاندنی رات میں چلتا رہا۔ وہ جنگل میں سے نکل آئے تھے اور چھوٹی سی کچی سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ دور اس شہر کی روشنیاں نظر آنا شروع ہو گئیں تھیں۔ پُراسرار عورت نے روشنیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ روشنیاں ریلوے اسٹیشن کی ہیں۔ ٹرین آدھی رات کے بعد آتی ہے۔ ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس ــ"

آدھے گھنٹے کے بعد وہ اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ زوناش کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ کے سفر کر سکتا تھا۔ لیکن پُراسرار عورت نظر آ رہی تھی۔ زوناش نے اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے اس سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس ٹکٹ خریدنے کے پیسے ہیں؟ پُراسرار عورت مسکرائی اور کہنے لگی۔

"زوناش! میرے پاس جو طلسمی طاقت ہے ابھی تم اس سے واقف نہیں ہو۔ میرے لئے ٹکٹ پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

اُس نے اپنی ساڑھی کے اندر ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں ریلوے کا ایک ٹکٹ تھا۔ کہنے لگی۔

"یہ ٹکٹ بھوپال سے بمبئی کا ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے بھی ایک ٹکٹ پیدا کر سکتی ہوں مگر تم غائب ہو۔ تمہیں ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے تم بغیر ٹکٹ کے بھی سفر کر سکتے ہو۔"

وہ پلیٹ فارم کے ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ پُراسرار عورت کا چہرہ جو سانپ کے مسلسل ڈسنے سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ بچھو کو کھانے سے اس کی سیاہی کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔ پُراسرار عورت ایک خوش شکل جوان عورت تھی۔ پلیٹ فارم رات کی خاموشی میں خالی پڑا تھا۔ صرف وہی دونوں وہاں پر بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ اگر دوسرا آدمی کوئی انہیں دیکھتا تو اسے صرف ایک جوان عورت ہی بنچ پر بیٹھی نظر آتی۔ زوناش کو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ٹرین کے آنے میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ پڑا تھا۔ یہ چھوٹا سا اسٹیشن تھا جس کا بکنگ آفس بھی بند پڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چاند ایک بار پھر بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ اتنے میں پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ زوناش اس طرف دیکھنے لگا۔ پُراسرار عورت نے بھی اس آدمی کو دیکھا اور بولی۔

"شاید ریلوے کا کوئی قلی ہے۔"

آدمی قریب آیا تو معلوم ہوا کہ ہٹا کٹا جوان آدمی ہے۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے پُراسرار عورت کو کھڑے ہو کر گھور کر دیکھا اور بولا۔

"کہاں جا رہی ہو میری جان!۔"

پُراسرار عورت نے کہا۔

"بمبئی جا رہی ہوں۔ بھوپال سے آئی ہوں۔ گاڑی چھوٹ گئی ہے۔ یہ دیکھو میرے پاس ٹکٹ ہے۔"

پُراسرار عورت نے اسے ٹکٹ دکھایا۔ یہ کوئی اوباش قسم کا آدمی تھا۔ زوناش پُراسرار عورت کی بائیں جانب بیٹھا تھا۔ وہ آدمی عورت کے دائیں جانب بنچ پر بیٹھ گیا۔ پُراسرار عورت زوناش کی طرف کھسک گئی۔ اوباش آدمی نے پُراسرار عورت کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچ کر بولا۔

"میری جان! میرے ساتھ چلو۔ آج کی رات آرام کرو۔ صبح والی گاڑی میں چلے جانا۔"

اس آدمی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کس عورت کے ساتھ اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اپنی موت کے پاس آ کر بیٹھ گیا ہے۔ زوناش اوباش آدمی کی طرف اپنی ادھ کھلی مردہ اور سنگدل آنکھوں سے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ پُراسرار عورت نے اوباش آدمی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"مَیں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ جدھر سے آئے ہو اسی طرف واپس چلے جاؤ۔"

لیکن اس بدمعاش کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ جوان عورت ہے' رات کا وقت ہے۔ پلیٹ فارم خالی پڑا ہے۔ اس نے پُراسرار عورت کو بازوؤں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی تو اس سے پہلے کہ پُراسرار عورت اس پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکتی زوناش کے حلق سے غراہٹ کی غضیلی آواز نکلی اور وہ پھر سے سینکڑوں انسانوں کا قاتل والڈ روف بن گیا۔ اس نے بدمعاش آدمی کو گردن سے پکڑ کر چوہے کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ بدمعاش آدمی حیران و پریشان ہو گیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ اسے کسی نے زمین سے چار فٹ اوپر اٹھا لیا ہے۔ زوناش

تو اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پُراسرار عورت دیکھ رہی تھی کہ زوناش
بدمعاش کو چوہے کی طرح اوپر اٹھالیا ہے۔ زوناش نے بدمعاش کو اوپر اٹھائے اٹھ
دو زبردست جھٹکے دیئے۔ یہ جھٹکے ایسے ہی زبردست تھے جس طرح پھانسی پا
والے قاتل کو اس وقت لگتے ہیں جب تختہ اس کے پاؤں کے نیچے سے پھسل
ہے۔ بدمعاش کی گردن کی ہڈی کے سارے مہرے ٹوٹ گئے تھے۔ زوناش نے ا
دماغ کی لہروں سے پُراسرار عورت کو سمجھایا کہ وہ اس بدمعاش کو ٹھکانے لگا کے ا
آتا ہے۔

زوناش نے بدمعاش آدمی کی لاش اپنے کاندھے پر ڈالی اور پلیٹ فارم سے
کر سامنے والے ویران میدان کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور آگے جاکر ایک گڑھا
آیا۔ جس میں جھاڑ جھنکاڑ بھرا ہوا تھا۔ زوناش نے بدمعاش کی لاش کو گڑھے
پھینک دیا اور واپس آکر پُراسرار عورت کے پاس بنچ پر بیٹھ گیا۔

پُراسرار عورت نے کہا۔

"تمہیں سچ مچ میرا اتنا خیال ہے کہ تم نے اس بدمعاش کو قتل کر دیا جس
میری عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی ــــــ"

زوناش کو پُراسرار عورت کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے حلق
ایک ہلکی سی غراہٹ کی آواز نکالی اور خاموش رہا۔ اس نے اپنے دماغ میں بھی
بات نہ سوچی۔ اتنے میں ریل کے آنے کا وقت ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر دو تین مسا
بھی آ گئے۔ ریلوے کے ایک ملازم نے پلیٹ فارم پر آکر گھنٹی بجا دی۔ اس
ساتھ ہی دور سے ریل گاڑی کے انجن کی وسل کی آواز سنائی دی۔ ٹرین آکر پلی
فارم پر رک گئی۔ پُراسرار عورت اور زوناش ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔ زیادہ
زیادہ تین منٹ کے بعد ٹرین چل پڑی۔

بمبئی پہنچ کر پُراسرار عورت زوناش کو اپنے ساتھ بمبئی کی سنتھاپائی کے پرا
مندر میں لے گئی۔ جہاں کی وہ دیو داسی تھی۔ یہاں اس کی ایک کٹیا بھی تھی

ناش کو اس نے کٹیا میں بٹھایا اور بولی۔

"تم یہیں رہنا۔ میں بڑے پجاری سے مل کر آتی ہوں۔"

بڑا پجاری اور مندر کے دوسرے تینوں پجاری پُر اسرار عورت کو زندہ اور
پاس دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بڑے پجاری نے کہا۔

"سوپرنا! جٹا دھاری کی قید سے تو کیسے چھوٹ کر آ گئی۔"

ہر کوئی مندر میں پُر اسرار عورت سے یہی پوچھ رہا تھا۔ اس عورت کا نام سوپرنا
اس نے یونہی ایک من گھڑت کہانی سنا کر بات ٹال دی۔ وہ اپنی اصلیت کسی کو
بتانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہاں کسی کو علم نہیں تھا کہ سوپرنا یعنی پُر اسرار عورت کالا
جانتی ہے۔ اور اس کے پاس بے پناہ طلسمی طاقت ہے۔ اور وہ اپنی اس طلسمی
ت کی مدد سے جو چاہے روپ دھار سکتی ہے۔ یہ بات پُراسرار عورت یعنی سوپرنا
زوناش کو بھی نہیں بتائی تھی۔

جب زوناش نے سوپرنا یعنی پُراسرار عورت سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ
سے واپس اپنے وطن انگلستان جانا چاہتا ہے تاکہ وہاں اپنی محبوبہ کی قبر پر جاکر
سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو سوپرنا کہنے لگی۔

"تم اکیلے گئے تو راستے میں تمہیں کوئی پریشانی پیدا ہو سکتی ہے۔ کیا یہ بہتر
کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں اور تمہیں تمہاری محبوبہ کی قبر پر چھوڑ کر واپس آ
اس طرح میں تمہاری محبوبہ کی قبر بھی دیکھ لوں گی۔"

زوناش نے اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے سوپرنا سے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم ضرور میرے ساتھ جانا چاہتی ہو تو
ٹھیک چلو، لیکن تم میری طرح غائب نہیں ہو۔ تمہیں بمبئی سے لندن تک کا
ائی جہاز کا ٹکٹ خریدنا پڑے گا اور تمہارے پاس پاسپورٹ ویزا وغیرہ بھی نہیں
یہ سب چیزیں تم کہاں سے لاؤ گی؟"

پُراسرار عورت سوپرنا ہنس پڑی ــــــ کہنے لگی۔

"زوناش! تم ابھی تک میری طلسمی طاقت سے ناواقف ہو۔ اس کی تم کرو۔ یہ باتیں میرے لئے بڑی معمولی باتیں ہیں۔ میں پتہ کرواتی ہوں کہ بمبئی لندن کی طرف جہاز کس وقت جائے گا۔"

سوپرنا نے مندر کے ایک ملازم کو شہر بھجوا کر لندن جانے والے جہاز کا پتہ لیا۔ اس نے زوناش سے کہا۔

"ایک بڑا ہوائی جہاز آج رات ایک بجے لندن کی طرف جانے والا ہے اسی جہاز میں سوار ہوں گے ــــــ"

دن بھر سوپرنا مندر میں پوجا پاٹھ کرتی رہی۔ زوناش اس کی کٹیا میں ساکت پتھر کی مورتی کی طرح بیٹھا رہا۔ اس کا دماغ صرف اپنی محبوبہ مارگریٹ بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ زوناش کو اس بات کا بڑا دکھ ہوا تھا کہ اس نے مارگ کو بھی اس کے گھر والوں کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ مگر اب اس بھیانک غلطی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ باقی جن سینکڑوں انسانوں کو اس نے قتل کیا تھا ان سب کی رو سے ایک ایک کر کے معافی مانگنا ناممکن تھا۔ اور زوناش یعنی والڈ روف کو اب یا نہیں رہا تھا کہ اس نے کس کس کو قتل کیا ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ مارگریٹ روح اسے معاف کر دے' کیونکہ وہ مارگریٹ سے محبت کرتا تھا اور مارگریٹ اب بھی محبت کر رہا تھا۔

پُراسرار عورت نے عام عورت کی طرح ایک ساڑھی پہن لی تھی۔ ہندو عورتوں کی طرح تلک لگا لیا تھا اور زوناش کو ساتھ لے کر وہ رات کے ٹھیک بجے مندر سے نکلی اور ٹیکسی میں سوار ہو کر بمبئی کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ گئی۔ زوناش نے اس سے بالکل نہیں پوچھا تھا کہ اس نے پاسپورٹ اور لندن کا اور دوسرے ضروری کاغذات کا انتظام کر لیا ہے یا نہیں۔ پُراسرار یعنی سوپرنا کے پاس بڑے سکون کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیکسی بمبئی کی کشادہ اور سڑکوں پر بھاگی جا رہی تھی۔ آدھے گھنٹے میں وہ لوگ ائیرپورٹ پر پہنچ گئے۔

زوناش سے کہا۔

"مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ بس دیکھتے جانا کہ میں کیا کرتی ہوں ــــــ"

زوناش نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ ٹیکسی ائیرپورٹ کے باہر رک گئی۔ سوپرنا اپنے رومال میں سے پیسے نکال کر ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور زوناش کو لے کر ائیر کی عمارت میں داخل ہو گئی۔ جس گیٹ پر چیکنگ ہو رہی تھی اور ٹکٹ دیکھے تھے' سوپرنا زوناش کے ساتھ اس گیٹ میں سے گزر گئی اور کسی نے اس کی توجہ ہی نہ دی۔ زوناش نے اپنے دماغ کی لہر کے ذریعے سوپرنا سے پوچھا کہ کسی نے اس سے ٹکٹ کا کیوں نہیں پوچھا۔ سوپرنا نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے کہ کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں کسی کو دکھائی ہی نہیں دی۔ تم یہ سمجھنا کہ صرف تم غائب ہو سکتے ہو' میرے اندر بھی اتنی طاقت ہے کہ میں چاہوں غائب ہو سکتی ہوں اور جب چاہوں ظاہر ہو سکتی ہوں۔"

زوناش خاموش رہا۔ اسے سوپرنا کی جادوگری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی محبوبہ مارگریٹ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کی قبر پر جا کر اس کی سے ملاقات کرنا اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔ وہ سوپرنا کو ساتھ نہیں لانا چاہتا تھا لیکن نہ جانے کیوں جب اس نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ گی تو وہ انکار نہ کر سکا۔

اب وہ دونوں غائب تھے۔ زوناش اسی طرح غائب تھا سوپرنا کو بھی نظر نہیں آ تھا لیکن سوپرنا اس طرح غائب ہوئی تھی کہ زوناش اسے دیکھ سکتا تھا۔ سوپرنا اسے بتا بھی دیا کہ اسے صرف زوناش دیکھ سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔ وہ بڑے آرام سے ڈیپارچر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ جس وقت جہاز پر سوار ہونے کے لئے چلے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلتے جہاز میں آ گئے۔ پیچھے سے آ رہا تھا اور اس کی اکثر سیٹیں خالی تھیں۔ چنانچہ وہ دونوں ایک جگہ ساتھ بیٹھ گئے۔ جہاز ٹیک آف کر گیا۔

وہ لندن پہنچ گئے۔ لندن زوناش یعنی والڈروف کا آبائی وطن تھا۔ اس
اس نے مارگریٹ سے محبت کی تھی۔ اس کے ساتھ پیار محبت کے بڑے خوب
دن گزارے تھے۔ اگرچہ زوناش کا جسم والڈروف کا جسم نہیں تھا لیکن زوناش
والڈروف کا دماغ ہی تھا۔ اور دماغ ہی سب کچھ سوچتا اور یاد کرتا ہے۔ اسی
اس نے اپنی محبوبہ کو' اس کے سارے خاندان کو اور دوسرے سینکڑوں لوگوں
کیا تھا۔ لندن پہنچنے کے بعد سوپرنا نے زوناش سے کہا۔

"مجھے اپنی محبوبہ مارگریٹ کی قبر پر لے چلو میں اسے تو نہیں دیکھ سکتی
اس کی قبر ایک نظر ضرور دیکھنا چاہتی ہوں۔"

زوناش نہیں چاہتا تھا کہ وہ سوپرنا کو لے کر مارگریٹ کی قبر پر جائے۔
اب وہ اس کو ساتھ لے آیا تھا۔ چنانچہ وہ مجبور تھا کہ اسے مارگریٹ کی قبر
جائے۔ زوناش نے اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے سوپرنا سے کہا کہ وہ ایک
پکڑے۔ سوپرنا بولی۔

"میں کیسے ٹیکسی لے سکتی ہوں۔ میں سوائے تمہارے کسی کو نظر
آتی۔"

زوناش کے دماغ نے سوپرنا کو جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم پیدل چلتے ہیں قبرستان زیادہ دور نہیں ہے۔"

لندن شہر میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ بازاروں' باغوں اور پارکو
دھند پھیلی ہوئی تھی۔ چونکہ زوناش اور سوپرنا سردی گرمی کے احساس سے
تھے اس لئے انہیں سردی نہیں لگ رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے
سردیاں شروع ہو رہی تھیں۔ اس موسم میں لندن کہرے اور دھند میں ڈ
ہے۔ ابھی برف گرنی شروع نہیں ہوئی تھی۔ قبرستان بھی کہرے اور دھند
ہوا تھا لیکن زوناش کو معلوم تھا کہ مارگریٹ کی قبر کس جگہ پر ہے وہ اس کی
گیا۔ سوپرنا نے قبر کو دیکھ کر پوچھا۔

"کیا یہی مارگریٹ کی قبر ہے؟"

زوناش کے دماغ نے جواب دیا۔

"ہاں ____"

قبر کے کتبے پر مارگریٹ کا نام اور اس کی پیدائش اور مدت کی تاریخ اور سن
ہوا تھا۔ سوپرنا قبر کے پاس بیٹھ گئی۔ زوناش بھی خاموشی سے بیٹھ گیا۔ سوپرنا نے

"زوناش! اگر تم چاہو تو میں مارگریٹ کی روح کو بلا سکتی ہوں۔"

زوناش کے دماغ نے سوچا کہ سوپرنا کی مدد سے مارگریٹ کی روح کو بلوا لینا
۔ کیونکہ ویسے کچھ پتہ نہیں مارگریٹ کی روح آتی بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ
ا سے ناراض تھی۔ زوناش کے دماغ نے جواب دیا کہ ہاں' تم مارگریٹ کی
و بلا سکتی ہو تو ضرور بلاؤ۔

سوپرنا قبر کے سرہانے کی طرف آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور اس نے منتر پڑھنے
ا کر دیئے۔ زوناش قبر کے پاس بیٹھا نیم وا اور نیم مردہ آنکھوں سے سوپرنا کو منتر
دیکھ رہا تھا۔ سوپرنا جب منتر پڑھ چکی تو اس نے بلند آواز میں کہا۔

"مارگریٹ کی روح! مارگریٹ کی روح! تم جہاں کہیں بھی ہو یہاں کچھ دیر کے
جاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اچانک قبر کے قریب دھند کا بادل ایک جگہ سے چھٹ گیا اور اس میں سے
ٹ کی روح نمودار ہوئی۔ زوناش مارگریٹ کی روح کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔
نے زوناش سے پوچھا۔

"زوناش! کیا تم مارگریٹ کی روح دیکھ رہے ہو؟ میں اسے دیکھ رہی ہوں۔"

زوناش نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ساری توجہ اپنی محبوبہ کی روح کی
تھی۔ وہ سوپرنا کو بھول چکا تھا۔ مارگریٹ کی روح کا چہرہ اور جسم دھندلا دھندلا
آرہا تھا۔ مارگریٹ نے زوناش کے دماغ سے مخاطب ہو کر روح کی لہروں

کی زبان میں کہا۔

"زوناش! تم اس عورت کو یہاں کیوں لائے ہو؟ یہ مت سمجھنا کہ اس عو
کی طلسمی طاقت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ نہیں، میں خود تم سے ملنے آگئی ہو
مجھے بتاؤ۔ کیا تم انڈیا میں جسپال سادھو سے ملے تھے؟"

زوناش کے دماغ نے جواب میں مارگریٹ کی روح کو اپنی ساری مصیبت
کہانی مختصر کر کے بیان کی اور کہا کہ وہ سادھو اسے ہلاک کرنے لگا تھا مگر اس عو
سوپرنا نے اسے بچا لیا اور وہاں سے زندہ نکال کر لے آئی۔ مارگریٹ کی روح
پوچھا۔

"کیا تم اس عورت سے محبت کرنے لگے ہو۔"

زوناش کے دماغ نے جواب دیا کہ نہیں۔ مارگریٹ کی روح نے پوچھا
یہ عورت تم سے محبت کرتی ہے؟"

زوناش کے دماغ نے جواب میں بتایا کہ اس کی مجھے خبر نہیں ہے۔ ہو سکتا
یہ عورت مجھ سے محبت کرنے لگی ہو، لیکن میں اس سے محبت نہیں کرتا۔ میں
صرف تم سے محبت کی ہے اور تم ہی سے کرتا ہوں۔ مارگریٹ کی روح نے پوچھا

"تو پھر تم نے مجھے قتل کیوں کیا تھا؟ جب تم میری گردن پر چھری چلا رہے
تو اس وقت تمہاری محبت کہاں چلی گئی تھی؟"

اس کا زوناش کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کے دماغ نے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے اور میرا گناہ معاف کر دو۔ میں اپنے گناہوں پر
شرمندہ ہوں۔"

مارگریٹ کی روح نے کہا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تم مجھے قتل کر چکے ہو۔ اب مجھے دوبارہ زندہ نہیں
سکتے۔ اس لئے میں تمہیں معاف نہیں کر سکتی۔ میں جا رہی ہوں، آئندہ میری
مت آنا۔ تم بڑی سے بڑی جادوگرنی کو بھی ساتھ لے آؤ گے تو میں تم سے ملنے

آؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی مارگریٹ کی روح غائب ہو گئی اور دھند کے بادل ایک دوسرے سے مل گئے۔ اس دوران سوپرنا قبر کے سرہانے بالکل خاموش بیٹھی تھی جب مارگریٹ کی روح چلی گئی تو سوپرنا نے زوناش سے کہا۔

"تمہارے اور مارگریٹ کے درمیان جو باتیں ہوئیں ہیں۔ وہ میں نے ساری کی ساری سن لی ہیں۔ مارگریٹ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں یہاں نہیں آؤں گی۔ میری خواہش تھی کہ میں تمہاری محبوبہ کی قبر دیکھوں اور اب میں نے قبر کے علاوہ خود تمہاری محبوبہ کو بھی دیکھ لیا ہے۔ تم نے اسے قتل کر کے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔"

اس جملے نے زوناش کے دماغ کو مشتعل کر دیا۔ اس کے حلق سے ڈراؤنی آواز نکلی۔ سوپرنا سمجھ گئی کہ زوناش کے اندر سینکڑوں آدمیوں کا قاتل ابھی تک موجود ہے۔ یہ پورا آدمی نہیں ہے صرف اس کا دماغ زندہ ہے۔ باقی سارا جسم مردہ ہے اور صرف اتنا ہی زندہ ہے کہ اس کی مدد سے زوناش چل پھر لیتا تھا۔ سوپرنا نے فوراً کہا۔

"لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم ان لوگوں کو قتل کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تمہیں قصوروار نہیں سمجھتی۔"

لیکن سوپرنا کی باتیں اب زوناش کے دماغ کو اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ اس نے اپنے دماغ کی ایک سخت لہر کی مدد سے سوپرنا سے کہا۔ کہ اگر اس نے مارگریٹ کی قبر پر نہ آنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو بے شک قبرستان سے چلی جائے۔ وہ خود بھی یہی چاہتا ہے کہ سوپرنا اب مارگریٹ کی قبر پر نہ آئے۔ سوپرنا نے یہ سنا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ زوناش کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"زوناش! اگر تم بھی یہی چاہتے ہو تو میں واپس جا رہی ہوں اور تمہاری محبوبہ کی قبر پر دوبارہ نہیں آؤں گی۔"

اتنا کہنے کے بعد سوپرنا زوناش کی نگاہوں سے ایکدم غائب ہو گئی۔ زوناش ابھی تک اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں چند سیکنڈ پہلے سوپرنا بیٹھی تھی۔ اس کے دماغ نے خیال کی لہر کے ذریعے پوچھا۔

"کیا تم چلی گئی ہو سوپرنا؟"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ زوناش کو یقین ہو گیا کہ سوپرنا چلی گئی ہے۔ تب اس نے مارگریٹ کی قبر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مارگریٹ! میں نے اس عورت کو یہاں سے واپس بھیج دیا ہے۔ اب وہ تمہاری قبر پر کبھی نہیں آئے گی۔ اب تمہیں مجھ سے ناراضگی ختم کر دینی چاہئے اور مجھے انسانی جسم میں اپنا دیدار کرانا چاہئے۔"

زوناش مارگریٹ کی روح کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ مگر مارگریٹ کی روح کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ زوناش نے اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے مارگریٹ کی روح سے دوبارہ رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ مارگریٹ کی روح ایسا لگتا تھا کہ قبرستان سے ہزاروں لاکھوں میل دور جا چکی ہے۔

زوناش مارگریٹ کی قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ مارگریٹ کی روح کو بلانے کی کوشش کرتا مگر اسے کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ زوناش کا دماغ غصے سے گرم ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ اس پراسرار جادوگرنی عورت سوپرنا کو اپنے ساتھ وہاں نہ لاتا تو ہو سکتا تھا کہ مارگریٹ کی روح اس سے پیار محبت کی باتیں کرتی اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دیتی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ زوناش کے دماغ میں پرانا سنگدل قاتل پھر سے زندہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن زوناش نے اپنے دماغ کو بہت حد تک کنٹرول کیا ہُوا تھا۔ اس کا دماغ اب بھی یہی چاہتا تھا کہ مارگریٹ کی روح اس کا گناہ معاف کر دے اور پھر سے اس سے پہلے کی طرح محبت کرنے لگے۔

محبت انسان کی بنیادی کمزوری بھی ہے اور اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے۔

اس کا ثبوت یہ تھا کہ زوناش یعنی والڈروف ایک انتہائی سفاک اور سنگدل قاتل تھا لیکن اس کی یہی خواہش تھی کہ کسی طرح مارگریٹ کی روح اس کے گناہ معاف کر دے اور اس سے پھر محبت کرنے لگے۔ زوناش کے دماغ نے پہلے بھی یہی سوچا تھا کہ وہ انڈیا سے واپس انگلستان جا کر مارگریٹ کی قبر پر بیٹھ جائے گا اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے گا۔ اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک مارگریٹ کی روح اس کے پاس واپس نہیں آتی اور اسے معاف نہیں کر دیتی وہ قبرستان سے باہر نہیں جائے گا۔

زوناش کو لندن کے دھند میں ڈوبے آسیبی قبرستان میں چھوڑ کر ہم ڈاکٹر پرویز کی طرف واپس چلتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ ڈاکٹر پرویز کو یقین ہو گیا تھا کہ زوناش کی لاش لندن میں ہی ہے۔ چنانچہ وہ پاکستان واپس نہیں گیا تھا اور وہیں اپنے انکل کے ریسٹ ہاؤس میں ہی رہ رہا تھا اس دوران اس نے زوناش کی لاش کو جگہ جگہ تلاش کیا تھا۔ وہ عینک لگا کر شہر کے بازاروں' سٹوروں' پارکوں' تھیٹروں اور سینما گھروں کے چکر لگاتا۔ اس نے کئی قبرستان بھی دیکھ ڈالے مگر اسے زوناش کی لاش کہیں دکھائی نہ دی اس نے پاکستان میں اپنے ساتھی اور دوست ڈاکٹر دارا کو ٹیلی فون کر کے کئی بار پوچھا کہ زوناش کی لاش آسیبی قلعے والی لیبارٹری میں واپس تو نہیں آئی۔ ڈاکٹر دارا نے ہر بار یہی جواب دیا کہ زوناش کی لاش لیبارٹری میں نہیں آئی۔ لیبارٹری ویران پڑی ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے اس سے پوچھا۔

"تمہارے پاس زوناش کی غیبی لاش کو دیکھنے والی عینک موجود ہے۔ اس عینک کی مدد سے شہر میں زوناش کو تلاش کرو۔ میں بھی اسے لندن میں تلاش کرتا ہوں۔ میں نے اسے پیرس اور ویانا میں بھی جا کر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے مگر زوناش کی لاش ابھی تک کہیں نظر نہیں آئی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ زوناش لندن میں ہی ہے اور واپس پاکستان نہیں گیا۔"

ڈاکٹر دارا نے ٹیلی فون پر جواب دیا۔

”تم اپنی تلاش جاری رکھو۔ میں بھی یہاں اس کی تلاش جاری رکھوں گا۔ زوناش کی لاش کا ملنا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پاکستان آکر پھر سے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دے۔ میری بات مانو اگر تمہیں زوناش کی لاش کہیں نظر آ گئی تو اسے وہیں ختم کر دینا۔ اسے وہیں ہلاک کر ڈالنا۔ یہ عفریت ایک خونی قاتل ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

ڈاکٹر پرویز نے جواب دیا۔

”فکر نہ کرو۔ میں ایسا ہی کروں گا ____“

لیکن ڈاکٹر پرویز کے دماغ میں خود ایک شیطانی عفریت داخل ہو چکا تھا اور وہ زوناش کی لاش سے اپنے مطلب کے ہزاروں کام لینا چاہتا تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی اسے ہلاک کرنے پر تیار نہیں تھا۔ وہ اسے دوبارہ اپنے قبضے میں لے کر اس سے اپنے مطلب کے کام لینا چاہتا تھا۔ لندن اور پیرس اور ویانا کے کلبوں اور جوا خانوں اور بینکوں میں ڈاکے ڈلوا کر دنیا کا سب سے بڑا دولت مند بننا چاہتا تھا۔

اس دوران ڈاکٹر پرویز نے ایک اور کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے جدید ترین الیکٹرانک آلات کی مدد سے ایک نیا ریموٹ کنٹرول تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لندن میں اسے ہر قسم کی ٹیکنیکل سہولت میسر تھی۔ یہاں اسے ہر قسم کے نازک سے نازک آلات مل گئے تھے۔ چنانچہ وہ ریسٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں خفیہ طور پر ایک نیا اور پہلے سے زیادہ طاقتور ریموٹ کنٹرول تیار کر رہا تھا۔ جس روز زوناش کی لاش سوپرنا کے ساتھ لندن میں وارد ہوئی تھی اس روز ڈاکٹر پرویز کا ریموٹ کنٹرول تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ صرف ایک باریک چپس لگانے کی کسر باقی تھی۔ چنانچہ اسی روز شام کو ڈاکٹر پرویز الیکٹرانک انجینئرنگ کے ایک سٹور میں گیا اور وہاں سے اپنا مطلوبہ چپس خرید کر لے آیا۔ تہہ خانے میں آکر اس نے ریموٹ کنٹرول میں وہ چپس لگا دیا۔ اب ریموٹ کنٹرول بالکل تیار تھا۔ ڈاکٹر پرویز جانتا تھا کہ زوناش کی لاش کی

گردن کی ہڈی میں اس نے ایک انتہائی چھوٹا اور انتہائی حساس الیکٹرانک چپس لگا دیا ہوا ہے۔ جو اب بھی اس کی گردن کی ہڈی میں لگا ہوا ہو اور اس کی مدد سے وہ ریموٹ کنٹرول کے ساتھ لاش کو بڑی آسانی سے اپنے کنٹرول میں کر سکے گا۔

ریموٹ کنٹرول کے تیار ہونے کے بعد ڈاکٹر پرویز نے زوناش کی لاش کی تلاش کے لئے باقاعدہ ایک پروگرام بنایا۔ پروگرام یہ تھا کہ ریموٹ کنٹرول لے کر وہ ایک دن شہر کے سینما گھروں میں جائے گا۔ دوسرے دن شہر کے پارکوں میں جاکر زوناش کی تلاش کرے گا اور ایک دن صرف لندن کے پرانے قبرستانوں کی خاک پکائے گا۔ اب اسے یقین تھا کہ اگر زوناش لندن میں ہے تو اس سے بچ کر نہیں جائے گا۔ پروگرام کے مطابق اس نے ایک دن لندن شہر کے سینما گھروں میں زوناش کی لاش تلاش کرنے میں گزار دیا۔ دوسرے دن اسے شہر کے پارکوں میں تلاش کرنے جانا تھا، مگر اس نے اچانک اپنا ارادہ بدل لیا اور شہر کے قبرستانوں میں جانے کا پروگرام بنا لیا۔ چنانچہ اپنے پروگرام کے مطابق وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر لندن آیا اور سب سے پہلے اس قدیمی قبرستان میں جانے کا فیصلہ کیا جہاں مارگریٹ کی قبر تھی اور جہاں زوناش کی لاش موجود تھی۔ زوناش کے دماغ میں یہ خیال ایک لمحے کے لئے بھی نہیں گزرا تھا کہ اس کا دشمن ڈاکٹر پرویز ابھی تک اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور اس نے ایک نیا اور پہلے سے زیادہ طاقتور ریموٹ کنٹرول تیار کر لیا ہوا ہے۔ وہ مارگریٹ کی محبت میں سب کچھ بھلا بیٹھا تھا اور قبرستان سے ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہیں جاتا تھا۔

وہ سارا دن مارگریٹ کی قبر کے پاس بیٹھا اسے یاد کرتا رہتا تھا اور اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے اس کو آوازیں دیتا رہتا تھا۔ جس وقت ڈاکٹر پرویز قبرستان کی طرف آ رہا تھا۔ اس وقت بھی زوناش قبرستان میں موجود تھا۔ اس روز بڑی گہری دھند تھی اور سردی بھی بڑی شدید ہو رہی تھی۔ مگر زوناش کی لاش سردی، دھند اور ہر قسم کے موسمی اثرات سے بے نیاز تھی۔ زوناش کافی دیر تک مارگریٹ کی قبر کے

پاس بیٹھا رہا تھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اٹھا اور قبرستان میں دوسری قبروں کے درمیان پھرنے لگا۔ اس کو کوئی دیکھ تو سکتا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ بڑی آزادی کے ساتھ چل رہا تھا۔ پھرتے پھراتے وہ گورکن کی کوٹھڑی کے پاس آگیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ زوناش نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کوٹھڑی خالی تھی۔ نہ جانے زوناش کے جی میں کیا آئی کہ وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا اور گورکن کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں ڈاکٹر پرویز قبرستان میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ قبرستان میں قبروں کے درمیان پھرنے لگا۔ طاقتور نیا ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا۔ آنکھوں پر وہی عینک لگائی ہوئی تھی جس میں سے وہ زوناش کی لاش کو غیبی حالت میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ پھرتے پھرتے وہ گورکن کی کوٹھڑی کے قریب آیا تو ایک دم سے اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے زوناش کی لاش کے سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں جلدی سے دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ وہ پوری آنکھ کھولے قبرستان کی دھند میں زوناش کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے لاش کے سانس لینے کی آواز پر اپنی ساری توجہ مذکور کر دی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ سانس لینے کی آواز گورکن کی کوٹھڑی کے اندر سے آ رہی ہے۔ ڈاکٹر پرویز نے زوناش کو خود بنایا تھا' وہ اس کی ایک ایک آواز سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا کوٹھڑی کی کھڑکی کے پاس آگیا۔ کھڑکی بند تھی۔ اس نے کھڑکی کے ساتھ کان لگا دیا۔ یہ محسوس کر کے اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ زوناش کے سانس لینے کی آواز اسی کوٹھڑی میں سے آ رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ سرکتا ہوا کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آگیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے پہلے سوچا کہ وہ اچانک کوٹھری میں گھس کر ریموٹ سے زوناش کو اپنے قبضے میں کرے۔ پھر اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور دبے پاؤں چلتا کوٹھڑی سے ہٹتا گیا اور دروازے سے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر قبروں کے درمیان بیٹھ گیا۔ اور اس کی نگاہیں کوٹھڑی کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں ریموٹ

کنٹرول تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ لاش کوٹھڑی سے باہر آئے تو وہ اس پر ریموٹ کنٹرول سے حملہ کر دے۔ ریموٹ کنٹرول کے ساتھ ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی سوئی لگی ہوئی تھی۔ یہ سوئی لرزنے لگی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ زوناش کی لاش کوٹھڑی میں حرکت کر رہی ہے۔

زوناش کو چارپائی پر بیٹھے بیٹھے کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بے چینی اسی طرح تھی۔ وہ دروازے سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی وہ کوٹھڑی سے باہر نکلا ڈاکٹر پرویز نے اسے دیکھ لیا اور ریموٹ کنٹرول کا رخ اس کی طرف کر کے جلدی سے ایک بٹن دبایا اور بولا۔

"زوناش! میرا حکم مانو۔ سو جاؤ۔ سو جاؤ۔"

زوناش کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کے اوپر پندرہ بیس من کا بوجھ لاد دیا ہے۔ اس نے اپنے دشمن ڈاکٹر پرویز کو پہچان لیا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر اس کے دونوں پاؤں چار چار من بھاری ہو گئے تھے۔ وہ ایک قدم بھی نہ اٹھا سکا۔ سمجھ گیا کہ وہ دشمن کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے طاقتور ریموٹ کنٹرول کا دوسرا بٹن بھی دبا دیا اور اونچی آواز میں زوناش کو حکم دیا۔

"زوناش! سو جاؤ۔ سو جاؤ۔ سو جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی زوناش کی لاش دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ ڈاکٹر پرویز ریموٹ پکڑے وہیں قبروں کے پاس بیٹھا رہا۔

وہ زوناش کی لاش کو بے حس و حرکت زمین پر پڑے دیکھ رہا تھا۔ اسے ابھی تک خطرہ تھا کہ کہیں لاش ایک دم سے اٹھ کر اس پر حملہ نہ کر دے' اسے اپنے نئے ریموٹ کی کارکردگی پر اتنا یقین نہیں تھا۔ لیکن جب دو تین منٹ گزر گئے اور زوناش کی لاش نے کوئی حرکت نہ کی تو ڈاکٹر پرویز اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دبے پاؤں چلتا لاش کے قریب آیا' زوناش کی لاش گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے حلق سے ویسی

ہی خرخراہٹ کی آواز نکل رہی تھی جیسی اس وقت نکلا کرتی تھی جب وہ اسے سلا دیا کرتا تھا۔

تب اسے یقین ہو گیا کہ اس کے ریموٹ کنٹرول نے اسے دھوکا نہیں دیا اور لاش اس کے کنٹرول میں آ گئی ہے۔ اس نے پانچ منٹ تک پھر انتظار کیا۔ اس کے بعد ریموٹ کا تیسرا بٹن دبا کر زوناش کو حکم دیا۔

"زوناش! زوناش! میرا حکم مانو' جاگو اور اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

اس کی آواز سن کر اور ریموٹ کنٹرول کی طاقتور لہروں کے زیر اثر زوناش کی لاش نیند سے بیدار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر پرویز ایک منٹ تک بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا زوناش کو دیکھتا رہا۔ لاش نے جب اپنی مرضی سے کسی قسم کی حرکت نہ کی تو ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا ایک اور بٹن دبا دیا اور لاش کو حکم دیا۔

"زوناش! زوناش! قبرستان کے گیٹ کی طرف چلو۔"

زوناش اپنے بوجھل قدم اٹھاتا آہستہ آہستہ بالکل ایک لاش کی طرح قبرستان کے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ ڈاکٹر پرویز جلدی سے اس کے پیچھے آ گیا۔ اب زوناش پوری طرح سے اس کے کنٹرول میں تھا۔ اس نے کہا۔

"زوناش! زوناش! قبرستان کے گیٹ کے باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ اس کا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ جاؤ۔"

زوناش کی لاش پورح طرح سے ڈاکٹر پرویز کے حکم کی پابند ہو چکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی قبرستان کے دھند میں ڈوبے ہوئے شکستہ دروازے سے نکل کر باہر کھڑی ڈاکٹر پرویز کی گاڑی کے پاس آ کر رک گئی۔ ڈاکٹر پرویز لاش کے پیچھے کوئی دس قدموں کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ اس نے ایک بار پھر ریموٹ کا بٹن دبا دیا اور لاش کو حکم دیا۔

"زوناش! میرے حکم پر عمل کرو اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ جاؤ۔"

زوناش کی لاش نے بڑے آرام سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور گاڑی میں داخل ہو کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو لے کر تیزی سے بھگاتا لندن شہر کی اس سڑک پر آ گیا جو اس کے انکل کے ریسٹ ہاؤس والے قصبے کی طرف جاتی تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سامنے والے آئینے میں زوناش کی لاش کو دیکھ لیتا تھا۔ زوناش سیٹ پر پتھر کے بت کی طرح خاموش اور ساکت بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

لندن شہر سے باہر ہائی وے کی سڑک پر دھند بہت کم تھی۔

چنانچہ ڈاکٹر پرویز پوری رفتار سے سڑک پر گاڑی چلا رہا تھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اسے وہ شے مل گئی تھی جس کے ملنے کی اسے کوئی امید نہ تھی۔ دور سے اسے ریسٹ ہاؤس کی ڈھلواں چھت والی سادہ سی عمارت نظر آئی۔ اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔ ریسٹ ہاؤس کے قریب آکر اس نے رفتار کم کی اور تیزی سے گاڑی کو گھما کر کھلے گیٹ کے اندر لے آیا۔ اندر آتے ہی اس نے گاڑی بند کی اور گاڑی سے باہر نکل کر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا اور ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر زوناش کی لاش کو حکم دیا۔

"زوناش! گاڑی سے نکل کر ریسٹ ہاؤس کے دروازے کی طرف بڑھو۔"

زوناش پوری طرح ڈاکٹر پرویز کے قبضے میں آچکا تھا۔ اس کے حکم نہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جیسے ہی زوناش کی لاش ریسٹ ہاؤس کے صدر دروازے کی طرف بڑھی' ڈاکٹر پرویز نے دوڑ کر دروازے کو چابی لگا کر کھول دیا۔ زوناش ایک بے جان روبوٹ کی طرح ایک ایک قدم اٹھاتا دروازے میں سے گزر گیا۔ ڈاکٹر پرویز اس کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے صدر دروازہ بند کر دیا۔ دروازے کے بند ہوتے ہی آٹومیٹک تالا خود بخود لگ گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے زوناش سے کہا۔

"زوناش! زوناش! سٹریچر پر لیٹ کر سو جاؤ۔"

زوناش نے ایسا ہی کیا۔ وہ سٹریچر پر جا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ں خراٹوں کی ہلکی ہلکی ڈراؤنی آواز آنی شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر پرویز نے جو نیا اور ر ریموٹ کنٹرول بنایا تھا اس نے دھوکا نہیں دیا تھا اور اس کا تجربہ کامیاب رہا اس نے عینک اتار دی۔ زوناش کی لاش اس کی نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ اس دوبارہ عینک لگائی۔ زوناش کی لاش اسے پھر سے نظر آنے لگی۔ لاش گہری نیند سو تھی۔

ڈاکٹر پرویز نے تہہ خانے کی لائٹ جلتی رہنے دی اور دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ وہ اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ اس کا سب سے بڑا مرحلہ طے ہو گیا اچانک اسے عجائب گھر والے قیمتی لعل کا خیال آگیا جو زوناش الماری میں سے ٹ کنٹرول کے ساتھ ہی اڑا کر لے گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ شاید قیمتی لعل ابھی زوناش کے پاس ہی ہو۔ وہ جلدی سے نیچے تہہ خانے میں آگیا۔ اس نے زوناش ری نیند میں سوئی ہوئی لاش کے لباس کی جگہ جگہ سے تلاشی لی اور ٹٹول ٹٹول کر ۔ لعل اسے کہیں نہ ملا۔ وہ سمجھ گیا کہ زوناش نے جہاں ریموٹ کو توڑ پھوڑ کر دیا ہو گا وہیں لعل بھی ضائع کر دیا ہو گا اب اس کا ملنا بہت مشکل تھا اس نے ا خیال ذہن سے نکال دیا اور واپس اپنے کمرے میں آکر کسی دوسرے منصوبے کرنا شروع کر دیا۔

اس کے پاس دولت حاصل کرنے کے کئی ایک منصوبے تھے' ان میں سے نصوبہ لندن کے مشہور جوا خانے سٹار کلب پر ڈاکہ مارنے کا منصوبہ بھی تھا۔ پرویز اکثر اس کلب میں جایا کرتا تھا۔ جوا کھیلنے نہیں بلکہ اس بات کا جائزہ لینے کہ ایک دن میں کتنی دولت اکٹھی ہوتی ہے۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سٹار کے جوئے کی ایک رات کی آمدنی کم از کم اسی لاکھ پاؤنڈ ہے۔ یہ بہت بڑی رقم اس میں یہ قباحت بھی نہیں تھی کہ کسی دوسرے کو اس میں شامل کیا جائے۔

اگر وہ کوئی قیمتی ہیرا چراتا ہے تو اسے اس کو فروخت کرنے کے لئے اپنے پیرس ک
دوست پیری کو ساتھ شامل کرنا پڑتا تھا اور اسے کمیشن دینی پڑتی تھی۔ لیکن اگر
سٹار کلب میں زوناش کے ذریعے ڈاکہ ڈلواتا ہے تو ساری کی ساری رقم کا اکیلا ما
بن جاتا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلنا تھا۔ چنانچہ اس نے اسی رات سٹار کلب پر ڈا
مارنے کا پروگرام طے کر لیا۔ سٹار کلب کے بارے میں اس نے تقریباً تمام معلو
اکٹھی کر رکھی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ کلب کی سارے دن اور رات تک کی آ
ایک بڑے بکس میں بند کر کے شہر سے باہر کلب کے مالک کے بنگلے پر پہنچا دی جا
ہے۔ ویگن میں چار اسلحہ بردار سیکورٹی گارڈ جاتے ہیں۔ کلب کے انگریز مالک کا
وکٹر تھا۔ وکٹر ایک چھٹا ہوا تجربہ کار بوڑھا جواری تھا۔ اس نے اپنے بنگلے میں ا
تہہ خانہ بنایا ہوا تھا جہاں آمدنی والا بکس لے جا کر رکھ دیا جاتا تھا اور اگلے دن سا
رقم بینک میں جمع کرا دی جاتی تھی۔

پرویز نے کلب کے مالک کے بنگلے کو بھی دیکھا ہوا تھا اور اس کے اندر جا
کے تمام راستوں سے واقف ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ
پنسل لے کر بیٹھ گیا اور نقشہ بنا کر منصوبے کی تیاری شروع کر دی۔ سٹار کلب
دن بھر کی کمائی والا بکس ویگن میں ڈال کر اسلحہ بردار سیکورٹی گارڈ کی حفاظت
رات کے ٹھیک دو بجے روانہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ ویگن آدھے گھنٹے میں ٹھیک اڑ
بجے کلب کے مالک بوڑھے وکٹر کے بنگلے پر پہنچ جاتی تھی جہاں وکٹر اپنی نگرانی
پاؤنڈ سے بھرے ہوئے بکس کو نیچے تہہ خانے میں جا کر رکھوا دیتا تھا۔ تہہ خانے
دروازے پر ایک سٹین گن والا سیکورٹی گارڈ پہرہ دیتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کے مکان
کلب کے مالک کے بنگلے تک کا فاصلہ گاڑی میں ایک گھنٹے میں طے ہو جاتا تھا۔ ڈ
پرویز نے اس کا بھی تجربہ کر کے دیکھ لیا تھا۔

چنانچہ رات کے ٹھیک ڈیڑھ بجے ڈاکٹر پرویز نے کپڑے تبدیل کئے سیا
کوٹ اور سیاہ گرم ہیٹ پہنا۔ جیب میں بھرا ہوا پستول رکھا اور ریموٹ کنٹرول

کان کے تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے آنکھوں پر عینک چڑھائی تھی۔ تہہ خانے
سٹریچر پر زوناش کی لاش بے سدھ ہو کر اسی طرح سو رہی تھی۔ تہہ خانے کی فضا
اس کے ہلکے ہلکے رونگٹے کھڑے کر دینے والے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی
ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کا رخ زوناش کی طرف کر کے ایک بٹن دبا دیا۔

"زوباش! زوناش! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اٹھو اور میرے ساتھ باہر آ
"

زوناش کی ریڑھ کی ہڈی کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے نیم
نیم مردہ آنکھوں سے ڈاکٹر پرویز کی طرف دیکھا۔ اس وقت زوناش کی آنکھوں میں
م کی بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔ زوناش کی لاش کا دماغ بھی پوری طرح بیدار ہو
تھا اور اس کو معلوم تھا کہ یہی آدمی اس کی ساری ذہنی اذیتوں کی جڑ ہے۔

وہ لندن کے عجائب گھر کے شیشے کے بڑے مرتبان میں دنیا جہان کی فکر سے
نیاز پڑا تھا کہ یہ شخص اسے وہاں سے اٹھا کر لے آیا اور اس کے (زوناش کے)
غ کو اپنی بنائی ہوئی لاش کی کھوپڑی میں ڈال کر اس کو پھر سے زندہ کر دیا۔ اس کے
زوناش کی ذہنی اذیتوں کا دور شروع ہو گیا تھا۔ اس سنگدل لالچی شخص نے زوناش
کئی آدمیوں کو قتل بھی کروایا تھا جس کا پچھتاوا زوناش کو رات دن کچو کے لگاتا
تا تھا۔ مگر وہ اس کے قبضے میں ہی بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ وہ بے بس تھا۔ سوائے
ا شخص کے حکم ماننے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

زوناش ڈاکٹر پرویز کا حکم سن کر سٹریچر پر سے اتر کر تہہ خانے کے دروازے کی
رف چل پڑا۔ ڈاکٹر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا
نک اس کی آنکھوں پر چڑھی تھی۔ وہ زوناش کی لاش کی ایک ایک حرکت نوٹ کر
ہا تھا اور اسے برابر دیکھ رہا تھا۔ زوناش تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے
کرے میں آ گیا۔ ڈاکٹر پرویز نے اسے حکم دیا۔

"اب مکان کے باہر چلو۔ باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ اس کا دروازہ کھول کر

پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

زوناش نے حکم کی تعمیل کی اور مکان کے دروازے میں سے نکل کر چھوٹے سے صحن میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ زوناش کو اب پورا احساس ہونے لگا تھا کہ ڈاکٹر پرویز نے اس کے دماغ کو ریموٹ کے ذریعے قبضہ کر رکھا ہے اور وہ اس سے مجرمانہ کام کروا رہا ہے۔ اس کا کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا مگر وہ مجبور تھا۔ کوشش کے باوجود وہ ڈاکٹر پرویز کی الیکٹرانک طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر پرویز نے مکان کے دروازے کو تالا لگایا اور گاڑی میں بیٹھ کر سٹار کلب کے مالک بوڑھے وکٹر کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا جو شمالی لندن میں شہر سے باہر پچیس میل کے فاصلے پر ایک جھیل کے کنارے واقع تھا۔ جس وقت ڈاکٹر پرویز زوناش کی لاش کو لے کر سٹار کلب کے مالک کے بنگلے کے قریب پہنچا تو اس وقت وہاں کیش کا بکس لے کر ویگن پہنچ چکی تھی اور دو آدمی بکس کو اٹھا کر بنگلے کے تہہ خانے میں رکھنے کے لئے جا رہے تھے۔ چار سیکورٹی گارڈ اسلحہ لئے وہاں اٹین شن ہو کر کھڑے تھے۔ کلب کا مالک بوڑھا وکٹر اپنی نگرانی میں کیش کا بکس نیچے لے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے گاڑی بنگلے سے کچھ فاصلے پر درختوں کے اندھیرے میں کھڑی کی ہوئی تھی۔ جب سب لوگ ویگن میں بیٹھ کر چلے گئے اور کلب کا مالک بھی اپنے بیڈ روم میں چلا گیا اور بنگلے کے باہر ایک سٹین گن والا سیکورٹی گارڈ کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگا تو ڈاکٹر پرویز نے گاڑی کے اندر بیٹھے بیٹھے ریموٹ کنٹرول کا رخ زوناش کی طرف کر کے بٹن دبایا اور کہا۔

"زوناش! زوناش! تم یہاں سے سامنے والے بنگلے کی طرف جاؤ گے۔ بنگلے کے باہر جو سیکورٹی گارڈ کھڑا ہے۔ خاموشی سے اس کے قریب سے گزر جاؤ گے۔ وہ تمہیں دیکھ نہیں سکے گا' آگے مکان کا دروازہ ہے جو بند ہے۔ تم اس بند دروازے میں سے گزر جاؤ گے' آگے بائیں جانب ایک اور بند دروازہ آئے گا' تم اس میں سے

بھی گزر جاؤ گے۔ اس دروازے کی دوسری جانب ایک زینہ نیچے تہہ خانے میں جاتا ہے۔ تم زینہ اتر کر تہہ خانے میں جاؤ گے۔ اگر وہاں کوئی گارڈ پہرے پر موجود نظر آئے تو تم وہیں اس کا سر تن سے جدا کر کے ہلاک کر دو گے۔ تہہ خانے میں تمہیں ایک بڑا بکس نظر آئے گا۔ تم وہ بکس اٹھا کر میرے پاس لے آؤ گے اور گاڑی میں رکھ دو گے۔ اور اپنی سیٹ پر اسی طرح بیٹھ جاؤ گے جس طرح تم اس وقت بیٹھے ہو۔ اب جاؤ اور میرا حکم بجا لاؤ۔"

زوناش کی لاش یہ کام ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس کا دماغ اور جسم ڈاکٹر پرویز کے قبضے میں تھا اور وہ اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ اپنی مرضی کے خلاف زوناش گاڑی سے باہر نکل آیا اور سٹار کلب کے بوڑھے مالک وکٹر کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ بنگلے کے باہر ایک اسلحہ بردار سیکورٹی گارڈ پہرہ دے رہا تھا چونکہ وہ زوناش کو نہیں دیکھ سکتا تھا' اس لئے زوناش اس کے قریب سے گزر کر بنگلے کے برآمدے والے دروازے پر آ گیا جو اندر سے بند تھا۔ زوناش کو ڈاکٹر پرویز کی طرف سے جو ہدایات اس کے دماغ میں ڈال دی گئی تھیں ان کے مطابق زوناش کی لاش کو اس بند دروازے میں سے گزر کر نیچے تہہ خانے میں جانا تھا جہاں بکس میں سٹار کلب کی دن بھر کی دولت پاؤنڈ کے کرنسی نوٹوں کی شکل میں پڑی ہوئی تھی۔

زوناش بند دروازے میں سے بغیر کسی رکاوٹ کے گزر گیا۔ آگے بائیں جانب ایک اور دروازہ تھا جس کا زینہ نیچے تہہ خانے میں جاتا تھا۔ زوناش اس بند دروازے میں سے بھی گزر گیا وہ نیچے تہہ خانے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں دو سیکورٹی گارڈ سٹولوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان نوٹوں سے بھرا ہوا بکس پڑا تھا۔ سیکورٹی گارڈ زوناش کی لاش کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ زوناش جیسے ہی بکس اٹھانے کے لئے آگے بڑھا' اس کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور زوناش کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن کی ہڈی میں سے کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل گئی ہے۔ اس کے دماغ کی جیسے ایک نئی کھڑکی

کھل گئی تھی۔ وہ بکس کے پاس خاموش کھڑا تھا کہ اسے ایک اور جھٹکا لگا اور کسی غیبی ہاتھ نے اسے پیچھے کی طرف ہلکا سا دھکا دیا۔ جیسے کوئی طاقت اسے چوری کرنے کے گناہ سے روک رہی ہو۔ اس دھکے نے زوناش کی لاش کو ایک دم پیچھے کر دیا۔

اس کے بعد زوناش کے دماغ سے ڈاکٹر پرویز کی ساری کی ہدایات غائب ہو گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی گردن میں ڈاکٹر پرویز نے جو زنجیر ڈال رکھی تھی اور جس کی مدد سے وہ اسے جدھر چاہے ہانکتا پھرتا تھا' وہ ٹوٹ گئی ہے۔ زوناش نے کرنسی نوٹوں سے بھرا ہُوا بکس وہیں رہنے دیا اور الٹے قدموں زینے کی طرف آ گیا۔ زینہ چڑھ کر وہ اوپر والے کمرے میں آ گیا۔ یہاں سے بند دروازے میں سے گزر کر بنگلے کے برآمدے میں آ گیا۔ ڈاکٹر پرویز عینک لگائے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لئے کچھ فاصلے پر درختوں کی آڑ میں اپنی گاڑی میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے زوناش کی لاش کو دیکھا کہ وہ بغیر کرنسی نوٹوں کے بکس کے واپس چلی آ رہی ہے تو وہ جلدی سے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ وہ حیران تھا کہ زوناش بغیر کرنسی نوٹوں کے بکس کے کس طرح واپس آ گیا ہے۔ زوناش سیدھا ڈاکٹر پرویز کی طرف آ رہا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے فوراً محسوس کر لیا کہ کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ اسے دال میں کالا کالا نظر آیا۔ اس نے فوراً ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا اور زوناش کو حکم دیا۔

"زوناش! زوناش! وہیں کھڑے رہو۔ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔"

مگر زوناش پر ڈاکٹر پرویز کے حکم اور ریموٹ کنٹرول کی شعاعوں کا کوئی اثر ہُوا۔ زوناش برابر اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ڈاکٹر پرویز نے ایمرجنسی بٹن دبا کر زوناش کو حکم دیا۔

"زوناش! وہیں رک جاؤ۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ وہیں رک جاؤ۔"

اس حکم اور ریموٹ کنٹرول کے ایمرجنسی بٹن دبانے کا بھی زوناش پر کوئی اثر نہ ہُوا اور وہ برابر حلق سے خوفناک آوازیں نکالتا ڈاکٹر پرویز کی طرف بڑھتا رہا تو ڈاکٹر

پرویز کو اپنی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔ وہ لپک کر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ زوناش کی لاش کار سے صرف چھ سات قدموں کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ اس کے ساتھ ہی زوناش نے دونوں بازو اوپر اٹھائے اور جیسے ڈاکٹر پرویز کی گردن دبوچنے کے ارادے سے اس کی طرف دوڑا۔ جونہی وہ گاڑی کے قریب آیا ڈاکٹر پرویز کی گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر تیزی سے نکل گئی۔

زوناش حلق سے انتقامی آوازیں نکالتا دونوں بازو آگے کئے کچھ دیر اندھیرے میں ویسے ہی کھڑا رہا۔ جب گاڑی کی سرخ بتی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ ایک طرف کو چل پڑا۔ ڈاکٹر پرویز سخت ذہنی پریشانی میں مبتلا گاڑی کو ہائی وے پر لندن کی طرف بھگائے جا رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا تھا۔ زوناش کی لاش جس کی مدد سے اس نے ابھی کئی ڈاکے ڈلوانے تھے اور کئی لوگوں کو قتل کروانا تھا اور دنیا کا امیر ترین آدمی بننا تھا' ایک بار پھر اس کے کنٹرول سے باہر ہو گئی تھی۔ اس دفعہ زوناش میں جو خطرناک تبدیلی آئی تھی وہ یہ تھی کہ زوناش کی لاش ڈاکٹر پرویز کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ یہ ایک ایسی تبدیلی اور ایسا خونخوار قسم کا انقلاب تھا' جس کی ڈاکٹر پرویز کو بالکل توقع نہیں تھی۔ اب اس کی اپنی جان خطرے میں تھی اور زوناش کسی بھی وقت کسی بھی جگہ اچانک اس کے سامنے نمودار ہو کر اس کی گردن مروڑ سکتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز کی زندگی کا سارا دارومدار اب صرف اس کی عینک پر تھا جس کی مدد سے وہ لاش کو دیکھ سکتا تھا۔ اگر یہ عینک گم ہو جاتی ہے تو جب تک وہ دوسری عینک تیار کرتا ہے زوناش اچانک اس پر جان لیوا حملہ کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر پرویز عجیب عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اگر وہ لندن چھوڑ کر واپس پاکستان بھی چلا جاتا ہے تو زوناش کی لاش جو اب اس کی جانی دشمن بن چکی تھی وہاں بھی کبھی نہ کبھی آ کر اسے ہلاک کر سکتی تھی۔ اپنے مکان کے تہہ خانے میں آ کر ڈاکٹر پرویز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا بستر اٹھا کر مکان کی اوپر والی منزل کے چھوٹے کمرے میں آ گیا۔ مگر یہ احتیاطی تدابیر بیکار تھیں۔

زوناش کی لاش بند دروازہ تو کیا دیوار میں سے بھی گزر سکتی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے ریموٹ کنٹرول کو چیک کیا۔ پوری چیکنگ کے بعد معلوم ہوا کہ ریموٹ کنٹرول میں کوئی خرابی نہیں ہے وہ بالکل صحیح کام کر رہا تھا۔ یہ کوئی طاقت تھی جس نے زوناش کو نہ صرف یہ کہ ریموٹ کنٹرول کی قید سے آزاد کر دیا تھا بلکہ اسے ڈاکٹر پرویز کا جانی دشمن بھی بنا دیا تھا۔ اس وقت رات کا پچھلا پہر ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر پرویز غور کرنے لگا کہ اگر زوناش لندن سے اس کے مکان تک پیدل آئے تو دو گھنٹوں میں وہاں پہنچے گا۔ اگر راستے میں وہ کسی ٹرک وغیرہ میں بیٹھ جائے تو زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں وہاں آ جائے گا۔ ڈاکٹر پرویز کے سامنے اس وقت صرف یہی سب سے اہم مسئلہ تھا کہ کسی طرح زوناش سے اب جان بچائی جائے۔ اس کے بعد ہی کسی اور منصوبے پر غور کیا جا سکتا تھا۔

ڈاکٹر پرویز کے پاس بینک کے لوٹے ہوئے کافی نوٹ تھے جنہیں اس نے لندن کے ایک بینک میں جمع کروا رکھا تھا۔ اس کے پاس اپنی بھی کافی رقم موجود تھی۔ اس نے مکان کو تالا لگایا اور گاڑی لے کر تیزی سے لندن کی طرف چل پڑا۔ لندن کے شمال مشرقی علاقے میں ایک بہت بڑا فائیو سٹار ہوٹل تھا۔ اس نے وہاں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ عینک جس کو آنکھوں پر لگا کر وہ زوناش کو دیکھ سکتا تھا اور جس پر اب اس کی زندگی کا دارومدار تھا اس نے اتاری نہیں تھی' اسی طرح آنکھوں پر لگا رکھی تھی۔ وہ اس عینک کو سوتے ہوئے بھی آنکھوں سے اتارنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ آخر سوچ سوچ کر ڈاکٹر پرویز اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر وہ زندہ ہے اور اس کی جان سلامت ہے تو وہ دولت سے عیش بھی کر سکتا ہے۔ اگر جان ہی سلامت نہ رہی اور وہ مر گیا تو دولت کس کام کی۔

چنانچہ بہتر یہی ہے کہ زوناش کی لاش کو مار ڈالا جائے۔ کیونکہ اس پر اب کسی ایسی زبردست طاقت کا اثر ہو چکا تھا کہ اس کا واپس ریموٹ کنٹرول کے قبضے میں آنا'

ڈاکٹر پرویز کو ناممکن نظر آتا تھا اور زوناش کسی بھی وقت کسی بھی جگہ اچانک نمودار ہو کر ڈاکٹر پرویز کا سر تن سے جدا کر سکتا تھا۔

زوناش کی لاش کو ڈاکٹر پرویز کے خیال کے مطابق صرف ایک ہی طریقے سے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔ کہ گولیوں کی بوچھاڑ سے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ کیونکہ زوناش کا دماغ ہی اس سے سب کچھ کروا رہا تھا اور صرف اپنے دماغ کی وجہ سے وہ زندہ تھا۔ اگر اس کا دماغ اڑا دیا جائے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر پرویز دوسرے ہی دن لندن کی ایک اسلحہ کی دکان پر گیا اور وہاں سے ایک سٹین گن اور کافی میگزین خرید کر لے آیا۔ ڈاکٹر پرویز نے واپس پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن پاکستان جانے سے پہلے وہ زوناش کی لاش کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا تاکہ پاکستان میں اسے زوناش کے قاتلانہ حملے کا کھٹکا نہ لگا رہے۔

ڈاکٹر پرویز نے اپنی جان بچانے کا بندوبست بھی اپنی طرف سے پوری طرح کر لیا تھا اور زوناش کو ہلاک کرنے کے لئے بھری ہوئی سٹین گن بھی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ہوٹل میں دوسرا آدھا دن اس نے سو کر گزارا اور دوپہر کے وقت زوناش کو دیکھنے والی عینک لگا کر وہ گاڑی میں بیٹھا اور زوناش کی تلاش میں لندن کی سڑکوں' باغوں اور پارکوں کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

اب ہم دوبارہ زوناش کی لاش کی طرف آتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب ڈاکٹر پرویز زوناش سے اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور زوناش اسے ہلاک نہ کر سکا تو وہ ایک طرف کو چل پڑا۔ لندن کے مضافات کی سرد دھند میں ڈوبی اندھیری رات میں زوناش ایک اونچی لمبی لاش کی طرف آہستہ آہستہ چلتا جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہو چکی تھی مگر اس کا دماغ اس تبدیلی کا تجزیہ نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا اس کے ساتھ کیوں ہوا ہے اور کونسی طاقت تھی جس نے پہلے اس کو ایک جھٹکا دیا پھر اسے ہلکا سا دھکا دے کر چوری کرنے

سے باز رکھا۔ اس تبدیلی کی وجہ سے زوناش کے دماغ میں یہ احساس شدت سے بیدار ہو گیا تھا کہ اس سارے عذاب کی وجہ ڈاکٹر پرویز ہے۔ اگر یہ شخص لندن کے عجائب گھر سے اس کا دماغ مرتبان سے نکال کر نہ لاتا اور اسے کسی دوسرے مردے کی کھوپڑی میں نہ ڈالتا تو زوناش یعنی والڈروف اس ذہنی اذیت اور اپنے گناہوں کے پچھتاوے کے عذاب سے محفوظ رہتا۔ وہ ڈاکٹر پرویز کا جانی دشمن ہو گیا تھا اور اس نے اسے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن عین وقت پر ڈاکٹر کو پتہ چل گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔

عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر پرویز کے فرار ہونے کے بعد زوناش کے دماغ سے ڈاکٹر پرویز کا خیال بھی نکل گیا تھا۔ زوناش کو محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی ان دیکھی غیر مرئی طاقت اسے خود کی طرف لئے جا رہی ہے۔ یہ بات ہم اپنے قارئین کو ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ کام زوناش کی خیر خواہ اور دوست دیوداسی سوپرنا یعنی پر اسرار عورت کا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ سوپرنا زوناش سے جدا ہونے کے بعد واپس انڈیا اپنے بمبئی والے سنتھا پائی کے پرانے مندر میں جا چکی تھی۔ اس نے زوناش سے کہا تھا کہ میں تمہاری محبوبہ کی قبر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد میں واپس آ جاؤں گی۔ چنانچہ زوناش کی محبوبہ مارگریٹ کی اس نے قبر دیکھ کر اپنی خواہش پوری کر لی تھی۔ ممکن ہے وہ زوناش کے ساتھ لندن میں کچھ روز اور ٹھہر جاتی لیکن جب اسے علم ہوا کہ زوناش کی محبوبہ مارگریٹ کی روح نے سوپرنا کی وہاں موجودگی کو پسند نہیں کیا تو اس نے واپس انڈیا جانے کا فیصلہ کر لیا اور اسی روز زوناش سے جدا ہو کر انڈیا واپس چلی گئی۔

زوناش کے دماغ میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید مارگریٹ کی روح نے اسے چوری کرنے کے گناہ سے روکا ہے اور اس کو ڈاکٹر پرویز کے ریموٹ کنٹرول کے اثر سے نکال دیا ہے۔ لیکن زوناش کو اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال آ گیا کہ اگر مارگریٹ ایسا کرتی تو اس کی روح ضرور اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے ظاہر ہوتی لیکن ایسا

نہیں ہوا تھا۔ اس سے زیادہ زوناش کی لاش کا دماغ سوچنے کی مشقت ہی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ وہ اپنی کیفیت میں ڈوبا سرد رات کی تاریکی میں چلا جا رہا تھا۔ یہ لندن کے شمال کا علاقہ تھا۔ ایک بات ذہن میں رکھیں کہ زوناش غیبی حالت میں تھا اور کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک چھوٹی سی جھیل کے پاس آ گیا۔ اندھیرے میں جھیل کے دوسرے کنارے پر اسے ایک عمارت نظر آئی جس کی ایک دیوار جھیل کے پانی میں سے اٹھائی گئی تھی رات کا اندھیرا، سرد کہرا اور دھند زوناش کی نگاہ کے راستے میں اتنی زیادہ حائل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس اندھیرے اور دھند میں بھی چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔

زوناش کی لاش کو اچانک ایک اور ہلکا سا جھٹکا لگا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس جھٹکے کے ساتھ ہی اس کے دماغ کو چکر سا آ گیا۔ زوناش کی لاش کو پہلی بار کمزوری سی محسوس ہوئی۔ اسے ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ زوناش نے چہرہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر بادل تھے جن میں ہلکی ہلکی بجلی چمکنے لگی تھی اس کے ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔ زوناش کے دماغ کے چکر تو ختم ہو گئے مگر اسے کمزوری کا اسی طرح احساس ہو رہا تھا۔ اس نے جھیل کے کنارے پر پرانی عمارت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر اس کی طرف چلنے لگا۔ وہ کسی جگہ کچھ دیر بیٹھ جانا چاہتا تھا۔ بارش تیز ہونے لگی زوناش نے پرانی عمارت کے پاس آ کر دیکھا کہ یہ پرانی عمارت ایک قدیم زمانے کا کھنڈر تھا۔ اس کے بالکل سامنے ایک اور کھنڈر تھا جس کی دوسری منزل کی ایک چھجے والی گیلری باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ دونوں کھنڈرات کے درمیان کثرت سے جنگلی جھاڑیاں اور قسم قسم کے بھوت نما ڈراؤنی صورت والے درخت کھڑے تھے۔ بجلی چمکی تو زوناش کو سامنے والے کھنڈر کا دروازہ دکھائی دیا جس کے تین ستون تھے۔ ایک ستون جھک کر ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ کھنڈر کا دروازہ درختوں کی لٹکی ہوئی ٹہنیوں کے درمیان اندھیرے اور بارش میں انتہائی ڈراؤنا منظر پیش کر رہا تھا۔

آج سے دو ہزار سال پہلے یہاں ایک عالیشان محل ہوا کرتا تھا۔ یہ دونوں

کھنڈر اسی عالیشان محل کے حصے تھے جو باقی بچ گئے تھے اور جنہیں وقت کی آندھیوں اور طوفانی موسموں نے توڑ پھوڑ کر عبرت ناک کھنڈر بنا دیا ہوا تھا۔ زوناش کو ڈر وغیرہ تو لگتا نہیں تھا' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا سامنے والے کھنڈر میں داخل ہو گیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ بادلوں میں دھیمی دھیمی بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ کسی کسی وقت بادلوں کی ہلکی گرج بھی سنائی دے جاتی تھی۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ زوناش کھنڈر کے دروازے میں ایک ستون سے لگ کر پتھر کے بت کی طرح بیٹھا بالکل سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں سوچ رہا تھا اس کے دماغ کی اب ایسی حالت ہو گئی تھی کہ کچھ دیر سوچنے کے بعد جیسے ایک دم بند ہو جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے جسم کی کمزوری دور ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس کے جسم کی پوری توانائی بحال ہو گئی۔ وہ اٹھ کر واپس جانے لگا تو اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز کسی عورت کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ زوناش نے اپنے پورے جسم کو گھما کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے اندھیرے میں اسے ایک اندھیرا راستہ نظر آیا جو کھنڈر کی دیواروں کے درمیان بنا ہوا تھا۔

زوناش اسی طرح بیٹھا اندھرے میں دیکھتا رہا۔ اتنے میں چیخ کی وہی آواز سنائی دی۔ زوناش اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آواز دبی دبی سی تھی اور کھنڈر محل کے اوپر والی منزل سے آئی تھی۔ زوناش یہ معلوم کرنے کے لیے یہ عورت کس مصیبت میں گرفتار ہے اندھیری راہ داری میں چلنے لگا۔ راہ داری جہاں ختم ہوتی تھی وہاں ایک زینہ اوپر والی منزل کو جاتا تھا۔ یہاں چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ زوناش نے اس اندھیرے میں ایک سیاہ فام حبشی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ اس نے صرف ایک لنگوٹ باندھا ہوا تھا اور اس کا سیاہ بدن اندھیرے میں اور زیادہ سیاہ ہو رہا تھا' مگر زوناش کی آنکھیں سارا منظر اچھی طرح سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ اونچی چھت والا دالان تھا۔ دالان کی حالت بے حد شکستہ تھی۔ کچھ ستون کھڑے تھے اور کچھ گرے ہوئے تھے۔ دالان کے درمیان میں ایک تابوت پڑا تھا جو بند تھا۔ تلوار ہاتھ

میں لئے حبشی تابوت کے چاروں طرف چکر لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی دبی ہوئی چیخ پھر سنائی دی۔ یہ چیخ تابوت کے اندر سے آئی تھی۔

زوناش کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ کالا حبشی کون ہے اور اس نے تابوت کے اندر عورت کو کیوں بند کر رکھا ہے۔ مگر زوناش معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ اندھیرے میں ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کالا حبشی تلوار لہراتا تابوت کے گرد چکر لگاتے ہوئے اب اچھلنے لگا تھا۔ پھر اس نے رک کر تلوار والا ہاتھ بلند کیا اور حلق سے ایک ڈراونی آواز نکالی۔ اس آواز کے ساتھ ہی چار حبشی عورتیں جو کالی سیاہ تھیں اور جنہوں نے کچھ نہیں پہنا ہوا تھا اور جن کے بال کھلے تھے' دیواروں میں سے نکل کر تابوت کے پاس آ گئیں اور تابوت اور کالے حبشی کے گرد دائرہ بنا کر دیوانہ وار رقص کرنے لگیں۔ ان کی سرخ آنکھیں اندھیرے میں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ کالا حبشی اسی طرح تلوار والا ہاتھ بلند کئے کھڑا تھا۔ حبشی عورتیں جو چڑیلیں لگ رہی تھیں پاگلوں کی طرح اچھل اچھل کر رقص کر رہی تھیں۔

کالے حبشی نے ایک دم اپنا تلوار والا ہاتھ نیچے کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں سیاہ فام حبشی عورتوں کا چڑیلوں والا رقص تھم گیا۔ چاروں عورتیں تابوت کے چاروں کونوں پر آ کر کھڑی ہو گئیں۔ حبشی آدمی نے تلوار سے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔ تلوار کے اشارے سے تابوت کا ڈھکنا کھل گیا۔ تابوت کے اندر سے نیلے رنگ کا دھواں اٹھنے لگا۔ چاروں حبشی عورتوں کے حلق سے کراہنے کی دبی دبی آوازیں نکلنے لگیں۔ تابوت میں سے نیلا دھواں اوپر اٹھ کر ایک گولا بن گیا۔ پھر اس گولے نے گھومنا شروع کر دیا۔

گھومتے گھومتے گولے نے ایک انسانی شکل اختیار کر لی۔ اور نیلے دھوئیں کا یہ جسم تابوت میں کھڑا ہو گیا۔ حبشی نے تلوار والا ہاتھ ایک بار پھر بلند کر کے حلق سے ایک بڑی ڈراونی غضبناک آواز نکالی۔ نیلے دھوئیں والا انسانی جسم لرزنے لگا۔

لرزتے لرزتے اس کے جسم سے دھواں الگ ہونا شروع ہو گیا اور پھر وہ ایک زندہ عورت کی شکل اختیار کر گیا۔ زوناش نیم مردہ آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے دھوئیں سے نمودار ہونے والی عورت کو دیکھ رہا تھا۔ یہ زردی مائل سفید رنگ کی ایک جوان عورت تھی جس کے لمبے سنہری بال اس کے شانوں پر گرے ہوئے تھے۔ اس عورت کے چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ وہ کھلے تابوت میں کھڑی تھی۔ اس عورت کے بدن پر بھی کوئی لباس نہیں تھا۔

جیسے ہی نیلے دھوئیں نے عورت کی شکل اختیار کی چاروں حبشی عورتیں تابوت سے چار چار قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ کالا حبشی جلاد اسی طرح تلوار والا ہاتھ بلند کئے تابوت والی خوبصورت نازک اندام' سنہری بالوں والی عورت کو گھور رہا تھا۔ ایک دم سے عورت نے دونوں ہاتھ باندھ کر انگریزی زبان میں کہا۔

مجھ پر رحم کھاؤ۔ مجھ پر رحم کھاؤ۔

زوناش کا دماغ چونکہ ایک انگریز قاتل والڈروف کا دماغ تھا اس وجہ سے وہ انگریزی زبان پوری طرح جانتا تھا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ زوناش ابھی تک اپنی جگہ پر بالکل ساکت کھڑا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے کالے حبشی کا تلوار والا ہاتھ نیچے آیا اور اس نے چشم زدن میں تلوار سنہری بالوں والی عورت کے سینے میں گھونپ دی۔ عورت کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ کالے حبشی نے تلوار کھینچ لی۔ سنہری بالوں والی عورت کا مردہ جسم تابوت میں گر پڑا۔ چاروں حبشی عورتوں نے دیوانہ وار چیختے چلاتے ہوئے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور حبشی جلاد کے گرد رقص کرنے لگیں۔ حبشی جلاد بھی رقص کرنے لگا۔ رقص کرتے کرتے وہ سامنے والی دیوار کی طرف بڑھے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

اس کے بعد وہاں موت جیسا سکوت طاری ہو گیا۔

باہر سے بادلوں کے گرجنے کی آواز بھی اب نہیں آ رہی تھی۔ زوناش لاش کی

رح ساکت کھڑا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی اس کی آنکھوں کے سامنے ہو گیا تھا کہ ں کا محدود سوچ والا دماغ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا کہ یہ لوگ کون تھے اور جو خون لود واقعہ وہاں گزرا ہے وہ کیوں وقوع پذیر ہوا۔ آیا یہ کوئی بھوت پریت تھے یا بلیں تھیں یا کیا تھا۔ تابوت کا ڈھکن بند ہو گیا تھا۔ دالان کے چاروں طرف سناٹا جا گیا تھا۔ زوناش وہاں سے واپس پلٹنے ہی والا تھا کہ اچانک کسی عورت نے دردناک ردبی ہوئی آواز میں اس کا نام لے کر پکارا۔

والڈروف! والڈروف ---- میرے پاس آؤ۔

پھانسی پانے کے بعد اور جب سے والڈروف قاتل کا دماغ کسی دوسرے کی کھوپڑی میں لگایا گیا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس کو اس کے اصلی نام سے پکارا غا۔ زوناش نے اپنے دماغ میں ایک جھنجھناہٹ سی محسوس کی اور اس کے اٹھتے ہوئے قدم وہیں رک گئے۔

اس نے پلٹ دیکھا۔ آواز تابوت میں سے آئی تھی۔

زوناش کسی بے اختیار جذبے کے تحت تابوت کی طرف بڑھا۔ عورت نے اسے انگریزی زبان میں مخاطب کیا تھا۔ آوزا میں بڑا درد اور کرب تھا۔ یہ اس عورت کی آواز تھی جس کو حبشی جلاد نے تلوار گھونپ کر قتل کیا تھا۔ زوناش تابوت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تابوت کے اندر سے آواز آئی۔

والڈروف! میرا نام ایلزبتھ ہے۔ میں ایک نیک دل پادری صاحب کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ لندن کے بڑے گرجا گھر کا فادر تھا۔ یہ آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہے۔ ہم لوگ لندن میں بڑی سادہ اور ہنسی خوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک مجھے بخار چڑھ گیا۔ میرے والد اور والدہ نے میرا بہت علاج کرایا لیکن میرا بخار نہ اترا بلکہ دن بدن زیادہ ہوتا گیا۔ آخر ایک دن میں مر گئی۔ میرے ماں باپ کو میری موت کا سخت صدمہ ہوا۔ لیکن انسان کا جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو پھر اسے اس دنیا سے سفر کرنا ہی پڑتا ہے۔ میرے والد صاحب نے مجھے بڑے گرجا گھر کے

قبرستان میں دفن کر دیا۔ ابھی میری شادی نہیں ہوئی تھی' میں کنواری تھی اور
ساری زندگی میں نے بڑی پاکبازی میں بسر کی تھی۔ مرنے کے بعد میری روح کو بڑا
سکون نصیب ہوا تھا۔ میری روح بڑے سکون کے ساتھ تھی کہ آج سے چار سال
پہلے نہ جانے قدرت نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دینی تھی' اور سزا کا وقت بھی آ
گیا تھا کہ ایک روز میری قبر پر ایک نیگرو آیا۔ اس کے ساتھ چار نیگرو عورتیں بھی
تھیں۔ وہ خاموشی سے میری قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے میری قبر پر موم بتی
جلائی۔ پھول رکھے اور آپس میں دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے۔ نیگرو حبشی مرد
نے کہا۔ "ہم نے جو چلہ کاٹنا ہے اس کے مطابق ہمیں اس بڑے قبرستان میں آنا
چاہیے تھا اور چلے کی دوسری شرط پوری کرنے کے واسطے ہمیں ایک کنواری لڑکی کی
قبر کو تلاش کرنا تھا۔ ہم نے دونوں شرطیں پوری کرلی ہیں۔ ہم لندن کے ایک بڑے
گرجا گھر کے قبرستان میں ہیں اور اس سارے قبرستان میں صرف یہی ایک کنواری
لڑکی کی قبر ہے' حبشی عورت نے کہا' اگر ہم نے دونوں شرطیں پوری کرلی ہیں تو پھر
کس چیز کا ہمیں انتظار ہے۔ آج رات ہم قبرستان میں آکر اس قبر کی کنواری لڑکی
کی ہڈیاں نکال کر لے جائیں گے اور اپنا چلہ شروع کر دیں گے تاکہ ہم پانچوں کو ہمیشہ
کی زندگی مل جائے اور ہم میں سے کسی کو موت نہ آسکے۔" میں نے یہ سنا تو میری
روح بے چین ہو گئی۔ لیکن جب کوئی سزا خداوند کی طرف سے انسان پر یا کسی روح
پر نازل ہوئی ہے تو وہ آدمی بے بس ہوتا ہے۔ اسے ہر حالت میں خداوند کی طرف
سے دی گئی سزا کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں محض ایک لڑکی کی روح تھی۔ میں
کسی انسان کو یا پولیس کو یہ بتانے سے قاصر تھی کہ آج رات میری قبر پر کچھ نیگرو
آئیں گے جو قبر کھود کر تابوت میں سے میری ہڈیاں نکال کر لے جائیں گے اس لئے
انہیں گرفتار کیا جائے۔ میری روح اپنے اعمال کی وجہ سے احکام خداوندی کی پابند
ہے۔ جس کی وجہ سے میں اس قبرستان کی حدود سے باہر نہیں جاسکتی۔ جو کام میں
نہیں کر سکتی وہ میں تمہاری مدد سے سرانجام دینا چاہتی ہوں تاکہ اس حبشی جلاد نے

جس اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اس سے میری روح کو نجات ملے۔

ایلزبتھ کی روح خاموش ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔

"والڈ روف! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں' کیا تم اسے سن رہے ہو؟"

زوناش کی لاش نے حلق سے دو تین بار ایسی آوازیں نکالیں جیسے کہہ رہی ہو
میں سن رہا ہوں۔ ایلزبتھ کی روح نے اپنی داستان غم جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس رات حبشی جلاد اپنے ساتھ چاروں حبشی عورتوں کو لے کر میری قبر پر آ
ا۔ انہوں نے میری قبر کھود کر اندر سے تابوت نکالا اور اسے رات کی تاریکی میں
نے بھوت ٹمپل کے تہہ خانے میں لے گئے۔ ایک دن اور ایک رات میرے
ت کو اس حبشی نے' جو حقیقت میں بڑا زبردست جادوگر ہے اور جس کے قبضے
ں کئی چڑیلیں ہیں' اپنے تہہ خانے میں رکھا اور میرے تابوت پر اپنے طلسمی منتر
ھ کر پھونکتا رہا۔ اس کے بعد وہ تابوت کو اٹھا کر اس قدیم رومن کھنڈر میں لے
ئے' جہاں تم اس وقت موجود ہو۔ اس آسیبی کھنڈر میں حبشی جادوگر اور اس کی
روں چڑیلوں نے ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کے لئے مجھ پر اپنا چلہ یا طلسمی عمل
روع کر دیا........"

"اس خونی عمل کا ایک منظر شاید تم بھی دیکھ چکے ہو۔ آج پانچویں رات ہے
ہفتے ایک خاص رات کو حبشی جلاد جادوگر اپنی چاروں چڑیلوں کے ساتھ ویران
نڈر میں آتا ہے' طلسمی منتر پھونک کر مجھے نیلے دھوئیں کے ہیولے کی شکل میں
ابوت سے برآمد کرتا ہے۔ پھر دوسرے عمل سے مجھے جسمانی شکل میں تبدیل کرتا
ہے اور چڑیلوں کے وحشیانہ رقص کے دوران میرے پیٹ میں تلوار گھونپ کر میری
ش کو تابوت میں ڈال کر تابوت بند کر کے اگلے ہفتے کی رات تک کے لئے وہاں
ے چڑیلوں سمیت غائب ہو جاتا ہے۔ آج رات میرے ساتھ یہ اذیت ناک خونی
اقعہ پانچویں بار ہوا ہے۔ ابھی انہوں نے چھ ماہ کا عمل مکمل کرنا ہے۔ اس عمل کی
جہ سے میری روح ایک انتہائی تکلیف دہ عذاب میں مبتلا ہے۔ اس عذاب سے

صرف تم ہی مجھے نجات دلا سکتے ہو۔ کیونکہ تم غیبی حالت میں ہو اور تمہارے اندر زبردست طاقت ہے۔ اس کالے حبشی جادوگر نے مشرقی لندن کے ایک مکان کے تہہ خانے میں اپنا بھوت مندر بنا رکھا ہے۔ وہ اسی جگہ لوگوں کے مختلف مسائل اور بیماریوں کا انہیں طلسمی حل بتاتا ہے۔ وہ سارا دن لندن سے غائب رہتا ہے' صرف شام کو آتا ہے اور آدھی رات تک بھوت مندر میں ضعیف اعتقاد لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے۔ اس کی چاروں ساتھی چڑیلیں لندن کے اولڈ کیسل کے نیچے غار میں چار سیاہ بلیوں کی مورتیوں کی شکل میں رہتی ہیں۔ حبشی جادوگر نے انہیں پتھر کی بلیاں بنا کر قلعے کے تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے۔ والڈروف یہ بڑے سنگدل ظالم لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے مطلب کے واسطے کئی معصوم عورتوں اور آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم انسانیت کے دشمن اس حبشی جادوگر اور اس کی ساتھی چاروں چڑیلوں کو موت کے گھاٹ اتار دو تاکہ بنی نوع انسان کو بھی اور مجھے بھی ایک دردناک روحانی عذاب سے نجات ملے۔"

زوناش کی لاش بڑی توجہ سے ایلزبتھ کی روح کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے اپنے دماغ میں سوچا کہ وہ اس خطرناک حبشی جادوگر اور چاروں خونی چڑیلوں کو کس طرح ہلاک کرے گا۔ کیا اس پر بھی حبشی جادوگر کے جادو کا اثر نہیں ہو گا؟ ایلزبتھ کی روح فوراً سمجھ گئی کہ زوناش کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"میں نے تمہارے دماغ کے خیالات کو پڑھ لیا ہے۔ تم پر حبشی جادوگر کے جادو کا اثر نہیں ہو گا۔ دوسرے تم غائب ہو' تمہیں حبشی جادوگر دیکھ نہیں سکے گا۔ لیکن تمہیں حبشی جادوگر کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ حبشی جادوگر نے اپنا ایک کپڑے کا چھوٹا سا پتلا بنا رکھا ہے۔ یہ پتلا چاروں چڑیلوں والے اولڈ کیسل کے تہہ خانے میں ایک لوہے کے بکس میں بند ہے جس پر شیطان کی خیالی شکل بنی ہوئی ہے۔ اگر تم اس پتلے کو صندوق میں سے نکال کر اس کی گردن مروڑ دو گے تو حبشی جادوگر اپنے آپ مرجائے گا۔ اس کے بعد یا اس سے پہلے تم چاروں چڑیلوں کی بلیوں

شکل والے بتوں کی گردنیں توڑ دو گے۔ گردنیں توڑ ڈالنے سے چاروں چڑیلیں مر جائیں گی۔ کیا تم انسانیت کی بھلائی کے لئے ایسا کرنے پر تیار ہو؟"

زوناش کے دماغ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اگر اس میں انسانوں کی بھلائی ہے اور تمہاری روح کو ایک عذاب مسلسل سے نجات ملتی ہے تو میں اس جادوگر اور اس کی چاروں چڑیلوں کو موت کے گھاٹ اتار کر رہوں گا۔ میں اولڈ کیسل سے اچھی طرح واقف ہوں۔ جب میں لندن یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو اپنے دوستوں کے ساتھ اس قلعے کے میدان میں کرکٹ کھیلنے جایا کرتا تھا۔ میں آج رات کو ہی ان لوگوں کا کام تمام کردوں گا۔"

ایلزبتھ کی روح کہنے لگی۔

"والڈروف! تم سب سے پہلے حبشی جادوگر کے پتلے کی گردن توڑ کر اسے ختم کرنا یہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اسے پتہ چل گیا کہ کوئی اولڈ کیسل میں اسے ہلاک کرنے کے ارادے سے داخل ہوا ہے تو وہ اپنے پتلے کو غائب کردے گا۔"

زوناش کے دماغ نے ایلزبتھ کی روح سے مخاطب ہو کر اسے کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ اسے معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور ان انسانیت کے قاتلوں کو کس طرح سے ختم کرنا ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور تمہارے پاس اس وقت آؤں گا جب تمہاری روح ان جادوگروں اور چڑیلوں کے لائے ہوئے عذاب سے نجات حاصل کر چکی ہو گی۔ ایلزبتھ کی روح نے ایک گہرا سانس لیا اور بولی۔

"والڈروف! تم مجھے اپنے بھائی کی طرح پیارے ہو تمہارا یہ احسان میں ساری عمر فراموش نہ کرسکوں گی۔"

ابھی تھوڑی رات ہی گزری تھی۔ زوناش نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان بنی نوع انسان کے دشمنوں کو صبح ہونے سے پہلے پہلے ختم کر ڈالے گا۔ وہ جھیل کنارے والے اس تاریخی قلعے کے کھنڈر سے باہر نکل آیا اور لندن کے اولڈ کیسل یعنی پرانے قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ زوناش یعنی والڈروف اس سارے علاقے سے

اچھی طرح واقف تھا۔ وہ سرد ابر آلود رات کی تاریکی میں کھیتوں' فارموں ا میدانوں میں چلتا گیا۔ جب رات کا پچھلا پہر شروع ہوا تو اسے دور سے پرانے قلعے برجیاں نظر آئیں۔

قلعے کے قریب پہنچ کر زوناش محتاط ہو گیا۔ وہ سیدھے رخ پر قلعے ک دروازے کی طرف جانے کی بجائے ایک چکر کاٹ کر قلعے کے عقبی دروازے طرف آ گیا۔ والڈروف اپنے طالب علمی کے زمانے میں اس دروازے میں سے قا میں داخل ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ کرکٹ کی گراؤنڈ اس دروازے کے سامنے تھ بارش رکی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل جھکے ہوئے تھے مگر نہ بجلی چمک رہی تھی' نہ با گرج رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے گیلی دھند نے سارے قلعے کو اپنی لپیٹ میں رکھا تھا مگر زوناش کو سردی کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ قلعے کا عقبی دروازہ تا میں ڈوبا ہوا تھا۔ زوناش دروازے میں سے قلعے کے اندر چلا گیا۔ قلعے کے اندر داری تھی جو تاریکی میں چھپی تھی۔ مگر زوناش کو دھندلی دھندلی ہر شے نظر آ ر تھی۔ اسے قلعے کے نیچے جانے والے راستے کا بھی علم تھا۔ چنانچہ زوناش آہ آہستہ چلتا اس جگہ آ گیا جہاں ایک اندھیری سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کو جاتی تھیں زوناش ایک لمحے کے لئے رک گیا' پھر اندھیرے میں ٹوٹی پھوٹی پتھریلی سیڑھ اترنے لگا۔

جیسے جیسے وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا اس کو گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی گ لہریں اس کے جسم میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ حبشی جادوگر نے وہاں طلسمی جال پھیلا رکھا ہے۔ مگر زوناش پر اس علم کا بڑا معمولی اثر ہو رہا ہے۔ پھر طلسم کی لہریں بڑی طاقتور تھیں۔ جب وہ آخری سیڑھی پر آیا اور اس نے جادوگر کے خفیہ غار نما تہہ خانے میں قدم رکھا تو اسے یکے بعد دیگرے دو تین ہلکے جھٹکے لگے۔ مگر زوناش کی غیبی طاقت نے اسے گرنے نہ دیا۔ زوناش نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس کے دماغ نے اسے کہا۔ "زوناش! خطرہ تمہارے

منڈلانے لگا ہے۔ تم نے جو کام کرنا ہے اسے فوراً کر ڈالو۔ حبشی جادوگر کو اپنے جادو کے ذریعے پتہ چل گیا ہو گا کہ کوئی اجنبی قلعے کے تہہ خانے میں داخل ہو گیا ہے۔"

زوناش نے تہہ خانے کی غار میں آ کر چاروں طرف غور سے دیکھا۔ غار کی دیواروں پر مختلف چڑیلوں اور بھوتوں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ اسے وہاں بلی کی کالی مورتیاں کہیں نظر نہ آئیں۔ وہ غار میں آگے چلنے لگا۔ چند قدموں کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی آ گئی جس کی دیواروں پر مختلف جانوروں کے سینگ اور پنجے لٹک رہے تھے۔ زوناش کو اندھیرے میں چڑیلوں کی (کالی بلیوں کی) مورتیاں بھی نظر آ گئیں۔ یہ چاروں سیاہ بلیاں پتھر کی مورتیوں کی شکل میں ایک دیوار کے ساتھ بنے ہوئے کارنس پر ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ زوناش کو اس آہنی صندوق کی تلاش تھی جس میں حبشی جادوگر نے اپنا پتلا بنا کر بند کیا ہوا تھا۔ اس پتلے میں جادوگر کی جان تھی۔ زوناش نے ساری کوٹھڑی میں اسے تلاش کیا مگر وہ صندوق اسے کہیں نہ ملا۔ اس دوران طلسمی لہروں کی حرارت بڑھ گئی تھی اور زوناش کو ہلکے ہلکے جھٹکے بھی لگنا شروع ہو گئے تھے۔

زوناش کا دماغ پوری طرح بیدار ہو چکا تھا اس نے زوناش کو ہوشیار کر دیا کہ کوٹھڑی کے کونے میں جو پتھروں کا ڈھیر پڑا ہے اس کو ہٹا کر دیکھے۔ زوناش جلدی سے پتھروں کے ڈھیر کی طرف بڑھا۔ اس نے پتھروں کو ادھر ادھر ہٹایا تو نیچے سے ایک چھوٹا آہنی صندوق نکل آیا۔ زوناش نے صندوق کو غور سے دیکھا۔ اس کے ڈھکنے کے اوپر دو سینگوں والے شیطان کی خیالی تصویر بنی ہوئی تھی۔ زوناش سمجھ گیا کہ یہی وہ صندوق ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ صندوق کو تالا لگا ہوا تھا۔ زوناش نے ایک ہی جھٹکے سے تالا توڑ ڈالا۔ جیسے ہی تالا ٹوٹا غار کی فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ یہ چیخ اس قدر تیز تھی کہ کوٹھڑی کے در و دیوار ہل گئے۔ زوناش نے ڈھکن اٹھا کر دوسرے جھٹکے سے صندوق سے الگ کر دیا۔ صندوق کے اندر کپڑے کا ایک چھوٹا پتلا رکھا ہوا تھا جسکی آنکھوں میں سرخ پتھر جڑے ہوئے تھے۔ یہ سرخ پتھر

کسی چڑیل کی سرخ آنکھوں کی طرح اندھیرے میں چمک رہے تھے۔ زوناش نے پتلے کو باہر نکال لیا۔

پتلے کو صندوق میں سے نکالتے ہی کوٹھڑی میں زلزلہ سا آگیا۔ زوناش بھی اپنی جگہ سے ایک طرف ہو کر جھول گیا۔ کوٹھڑی کے دروازے والے غار کی جانب سے ایسی بھیانک اور ڈراؤنی آوازیں بلند ہوئیں جیسے وہاں انسانوں کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا ہو۔ یہ آوازیں بڑی تیزی سے کوٹھڑی میں داخل ہو گئیں اور ایک سیاہ ہاتھ جس نے تلوار پکڑ رکھی تھی زوناش کی طرف بڑھا۔ سیاہ ہاتھ زوناش پر تلوار کا بھرپور وار کرنے ہی والا تھا کہ زوناش نے پتلے کی گردن مروڑ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جیسے ہی پتلے کا سر تن سے جدا ہوا فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور باقی ساری ڈراؤنی آوازوں کے ساتھ آہستہ آہستہ بین کرنے کے انداز میں دور سے دور ہوتی چلی گئی اور آخر کار فضا میں گم ہو گئی۔ کوٹھڑی میں وحشت ناک سناٹا چھا گیا۔ زوناش سمجھ گیا کہ اس نے حبشی جادوگر کا کام تمام کر دیا ہے۔ اب اسے چاروں چڑیلوں کو ٹھکانے لگانا تھا۔ جو سیاہ بلیوں کے مجسموں کی شکل میں کارنس پر رکھی ہوئی تھیں۔

حبشی جادوگر کی موت سے ان بلیوں میں کسی قسم کی کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ زوناش نے جادوگر کے پتلے کو پرزے پرزے کر دیا۔ تاکہ جادوگر کے پھر سے زندہ ہو جانے کا امکان ہی پیدا نہ ہو سکے۔ اس سے فارغ ہو کر زوناش چڑیلوں کی مورتیوں کی طرف آگیا۔

چاروں مورتیاں کارنس پر ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ کوٹھڑی کی فضا میں جو طلسمی گرم لہریں تھیں اب وہ بھی غائب ہو چکی تھیں۔ اور زوناش کو جھٹکے بھی نہیں لگ رہے تھے۔ زوناش نے ایک بلی کی مورتی کو ہاتھ میں پکڑا تو اسے اپنے جسم میں بجلی کا کرنٹ سرائیت کرتا محسوس ہوا۔ اس کی جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو اسے بجلی کا زبردست جھٹکا لگتا اور وہ شاید ہلاک بھی ہو جاتا لیکن زوناش کی غیبی طاقت نے اسے

کچھ نہیں ہونے دیا تھا۔ زوناش نے کالی بلی کی مورتی کو زور سے فرش پر پٹخ دیا۔ فرش سے بلی کی مورتی کے ٹکراتے ہی کسی عورت کی فلک شگاف چیخ بلند ہوئی۔ کوٹھڑی کے در و دیوار لرز گئے۔ زوناش اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ یہ اس چڑیل کی آخری چیخ تھی جس کا مورتی کے چکنا چور ہوتے ہی خاتمہ ہو گیا تھا۔

زوناش نے دوسری چڑیل کی مورتی کو پکڑ کر اسے بھی فرش پر پٹخ دیا۔ دوسری چڑیل کی بھی غیبی چیخ بلند ہوئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ دوسری چڑیل بھی جہنم میں پہنچ گئی تھی۔ اس طرح زوناش نے باری باری چاروں چڑیلوں کی مورتیاں چکنا چور کر کے چاروں کی چاروں چڑیلوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ جادوگر اور اس کی چڑیلوں کی موت کے بعد کوٹھڑی میں امن اور سکون کی فضا چھا گئی۔ زوناش کوٹھڑی سے نکل کر راہ داری میں چلتا عقبی دروازے سے قلعے کے باہر آگیا۔ اس وقت سیاہ بادلوں میں صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی نمودار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ زوناش کو واپس جھیل کنارے والے پرانے کھنڈر میں جا کر ایلزبتھ کی روح کو یہ خوشخبری سنانی تھی کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ وہ جس راستے سے قلعے میں آیا تھا اسی راستے سے ہوتا ہوا دو اڑھائی گھنٹے کے بعد جھیل کنارے والے پرانے تاریخی کھنڈر میں پہنچ گیا۔ کھنڈر کی دوسری منزل میں آکر اس نے دیکھا کہ فرش پر ایلزبتھ کا تابوت غائب تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ایلزبتھ کی روح کی آواز آئی۔

”والڈروف! میرے پیارے بھائی! تم نے وہ کام کر دکھایا ہے جو سوائے تمہارے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ میری روح کو ایک بار پھر سکون نصیب ہو گیا ہے اور میں اپنے تابوت کے ساتھ اپنی آخری آرام گاہ میں واپس جا چکی ہوں۔ مجھے قبرستان کی حدود سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے لیکن میں خاص طور پر اجازت لے کر یہاں آئی ہوں‘ کیونکہ مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ تمہیں میری قبر کا علم نہیں ہے‘ ورنہ میں وہیں تمہارا انتظار کرتی۔ اب میں جا رہی ہوں اور جاتے جاتے اتنا کہوں گی کہ تم اپنی حفاظت کرنا۔ ایک دشمن تمہیں ہلاک

کرنے کے لئے تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔ مجھے اس کا نام بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن تمہیں خبردار کرنا میرا فرض ہے۔ خدا حافظ!"

ایلزبتھ کی روح جا چکی تھی۔ زوناش کھنڈر کے ویران دالان میں بالکل ساکت کھڑا تھا۔ اس کے دماغ میں ایلزبتھ کی روح کی باتیں گونج رہی تھیں۔ زوناش کے دماغ نے اسے بتا دیا کہ جو شخص اس کو ہلاک کرنے کے لئے اس کے پیچھے لگا ہے وہ ڈاکٹر پرویز ہے جس نے اسے اس عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ زوناش خود اپنے اس دشمن کو ہلاک کرنے کی فکر میں تھا۔ لیکن زوناش کے دماغ کو اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ اگرچہ اسے دنیا کا کوئی انسان دیکھ نہیں سکتا لیکن ڈاکٹر پرویز اسے دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اسے دیکھنے والی خاص عینک ہے۔ زوناش کو یہ بھی علم تھا کہ وہ ڈاکٹر پرویز کے کنٹرول سے آزاد ہو چکا ہے مگر اس کی عینک کی زد میں ہے۔ عینک کی مدد سے وہ جہاں کہیں بھی ہو گا' جہاں کہیں سے بھی گزرے گا یا چھپے گا ڈاکٹر پرویز اسے دیکھ لے گا۔

زوناش کے دماغ میں خیال آیا کہ جس طرح سے اس نے ڈاکٹر پرویز کی الماری سے اس کا پہلا ریموٹ کنٹرول نکال کر اسے تباہ کر دیا تھا اسی طرح اسے چاہیے کہ کسی طریقے سے ڈاکٹر پرویز کے قصبے والے مکان میں داخل ہو کر اسے غیبی حالت میں دیکھنے والی عینک بھی اٹھا کر لے آئے اور اسے ریزہ ریزہ کر دے۔ صرف اسی صورت میں وہ ڈاکٹر پرویز کی قاتلانہ نگاہوں سے چھپ سکتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر پرویز کے مکان تک جانا اپنے آپ کو اس کے جال میں پھنسانے کے برابر تھا۔ زوناش کی اگر اس نے ایک جھلک بھی دیکھ لی تو وہ پستول کا فائر کر کے زوناش کی کھوپڑی اڑا دے گا' اگر اس کا دماغ ہی ختم ہو گیا تو وہ اپنے آپ مر جائے گا اور زوناش اپنے دشمن کو ہلاک کئے بغیر مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے دماغ میں والڈ روف قاتل اپنی تمام خونخواری کے ساتھ پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ یہ سارا عذاب جو زوناش پر نازل ہوا تھا ڈاکٹر پرویز کے لالچ' خود غرضی اور اس کی مجرمانہ ذہنیت کی وجہ

سے نازل ہوا تھا۔ نہ وہ اس کے دماغ کو لندن کے عجائب گھر سے اٹھا کر لاتا' نہ اس کو زوناش کی کھوپڑی میں ڈالتا اور نہ زوناش اس عذاب میں مبتلا ہوتا۔

اس اعتبار سے ڈاکٹر پرویز زوناش یعنی والڈ روف کا دشمن نمبر ایک تھا۔ اور ہر حالت میں ڈاکٹر پرویز کو اس کے اس فعل کی عبرت ناک سزا دینا چاہتا تھا جس طرح انگلستان کے قانون نے والڈ روف کو عبرت ناک سزا دی تھی اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ لیکن ایلزبتھ کی روح انتباہ کے بعد زوناش کو اپنی جان کی بھی فکر پڑ گئی تھی۔

اب اسے ایک ایک قدم بڑی احتیاط کے ساتھ اٹھانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سارا دن زوناش نے وہیں جھیل کنارے کھنڈر کے ایک غار میں بیٹھ کر گزار دیا۔ جب دن گزر گیا اور شام کا اندھیرا پڑ گیا اور لندن شہر ایک بار پھر سرد کہرے میں ڈوب گیا تو زوناش اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رات کے اندھیرے میں ڈاکٹر پرویز کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے وقت پیدل سفر کرنے میں زوناش کے دماغ نے اسے خطرے کا سگنل دے دیا۔ زوناش بجائے سیدھا چلنے کے الٹے رخ چلتے ہوئے وہاں سے ایک چھوٹے سے مضافاتی ریلوے اسٹیشن کے پیچھے نکل آیا۔ زوناش کو علم تھا کہ اس اسٹیشن سے رات کے وقت مال گاڑی چلتی ہیں۔ جس وقت زوناش ریلوے اسٹیشن کے عقب میں ایک مال گودام کے گیٹ پر آیا تو پلیٹ فارم پر ایک مال گاڑی کھڑی تھی۔ وہ مال گودام کی دوسری طرف سے آ کر مال گاڑی کے ایک ڈبے میں چڑھ گیا۔ جس میں ایک موٹر کار لدی ہوئی تھی۔ موٹر کار کو رسیوں کی مدد سے باندھ دیا گیا تھا۔ زوناش اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ یہ مال گاڑی اس قصباتی اسٹیشن سے ہی مال اٹھاتی تھیں' جہاں ڈاکٹر پرویز کے انکل کا ریسٹ ہاؤس تھا اور جہاں ڈاکٹر پرویز مقیم تھا۔ زوناش کی لاش کے سوار ہونے کے تھوڑی دیر بعد مال گاڑی چل پڑی اور آدھے گھنٹے کے بعد ڈاکٹر پرویز کے مکان والے قصباتی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر رک گئی۔ زوناش خاموشی سے مال گاڑی سے اترا اور اپنے دشمن ڈاکٹر پرویز کے مکان کی طرف چل پڑا۔ مین روڈ کی بجائے وہ

کھیتوں میں سے ہوتا ہوا ڈاکٹر پرویز کے مکان پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مکان میں اندھیرا تھا اور مکان کے گیٹ پر تالا پڑا ہوا تھا۔ زوناش کی لاش کو تالا توڑنے یا دروازہ کھولنے کی حاجت نہیں تھی۔ وہ اس میں سے گزر کر مکان میں داخل ہو گیا۔

مکان سنسان پڑا تھا۔

زوناش سیدھا اس کمرے میں گیا جہاں لکڑی کی بڑی الماری تھی' الماری آدھی کھلی تھی۔ زوناش نے ساری الماری کی تلاشی لی' اسے وہ عینک کہیں نہ ملی جس کو آنکھوں پر لگا کر ڈاکٹر پرویز غیبی زوناش کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے سارے مکان کو کھنگال ڈالا۔ ایک ایک شے کی تلاشی لی لیکن اسے عینک کہیں دکھائی نہ دی۔ زوناش سمجھ گیا کہ ڈاکٹر جہاں بھی گیا ہے' عینک اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ زوناش اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس کو ڈاکٹر پرویز سے جان کا خطرہ ہے تو ڈاکٹر پرویز بھی اس سے جان بچاتا پھرتا ہے۔ کیونکہ کلب کے بوڑھے مالک کے بنگلے کے باہر زوناش اس پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کر چکا تھا اور ڈاکٹر پرویز گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا۔

ساری رات زوناش مکان کے باہر ایک طرف چھپ کر اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ شاید اس کا دشمن ڈاکٹر پرویز مکان پر آ جائے۔ صبح ہو گئی مگر ڈاکٹر پرویز نہ آیا۔ زوناش مایوس ہو کر وہاں سے اٹھا اور لندن شہر کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے کنارے چل پڑا۔ چونکہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے وہ بے خطر ہو کر ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ خطرہ صرف ڈاکٹر پرویز سے تھا۔ کیونکہ صرف وہی اسے عینک کی مدد سے دیکھ سکتا تھا۔

لندن کا ارد گرد کا علاقہ بھی دھند اور کہر کی زد میں تھا۔ دن کی روشنی ضرور تھی مگر سورج غائب تھا اور شدید سردی پڑ رہی تھی۔ لندن شہر تک پہنچتے پہنچتے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ زوناش بہت محتاط ہو کر چل رہا تھا اسے خطرہ لگا تھا کہ سڑک پر جو گاڑیاں گزر رہی ہیں اگر کسی گاڑی میں ڈاکٹر پرویز موجود ہوا تو وہ

سے ضرور دیکھ لے گا اور پھر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ زوناش ساری دنیا والوں کی نگاہوں سے بچ سکتا تھا مگر اپنے دشمن ڈاکٹر پرویز کی نگاہوں سے نہیں چھپ سکتا تھا اوپر سے یہ مصیبت بھی تھی کہ سڑک پر ہر جگہ بجلی کے بلب روشن تھے اور اس روشنی میں قریب سے گزرتی ہوئی گاڑی میں بیٹھا اس کا دشمن اسے آسانی سے دیکھ کر اس پر فائرنگ کر سکتا تھا۔

زوناش نے یہی سوچا کہ وہ بارونق اور ٹریفک والی سڑکوں سے دور رہ کر چلے تو بہتر ہے۔ لیکن زوناش کو بھی ڈاکٹر پرویز کی تلاش تھی۔ وہ بھی ڈاکٹر پرویز کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ جہاں سے گاڑیاں بار بار گزرتی ہیں اس سڑک پر رہے اور اگر کسی گاڑی میں اس کا دشمن سوار ہو تو اس پر حملہ کر دے۔ لیکن زوناش نہتا تھا اور ڈاکٹر پرویز کے پاس زوناش جانتا تھا کہ کچھ نہیں تو آٹومیٹک پستول ضرور ہو گا۔ زوناش بہرحال سڑک سے ہٹ کر چلنے لگا۔ وہ لندن شہر پہنچ چکا تھا۔ لندن کی مشہور و معروف سرخ رنگ کی دو منزلہ بس اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ زوناش کو ایسے لگا جیسے ڈرائیور نے دو منزلہ بس کو اس کے اوپر چڑھانے کی کوشش کی ہو۔ اگر بس کے ڈرائیور نے ایسا کیا تھا تو وہ ہی سچا تھا کیونکہ اسے زوناش تو نظر آ ہی نہیں رہا تھا۔

یہ سوچ کر زوناش کے دماغ میں سنسنی سی دوڑ گئی کہ اگر ڈرائیور بس کو اس کے اوپر سے گزار دیتا تو پھر کیا ہوتا۔۔۔۔۔۔!

زوناش فٹ پاتھ پر آ گیا ہلکی بوندا باندی میں فٹ پاتھ کے پتھر گیلے ہو رہے تھے اور لوگ برساتیوں میں ملبوس کالر اوپر اٹھائے تیز تیز قدموں سے آ جا رہے تھے۔ وہ سردی سے ٹھٹھر رہے تھے اور پتلونوں اور اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جھک کر چل رہے تھے۔ زوناش فٹ پاتھ پر چلتے چلتے ایک عالی شان ہوٹل کے قریب آیا تو ایک سیاہ رنگ کی گاڑی ہوٹل کی لابی کے آگے آ کر رکی۔ زوناش چلتے چلتے ایکدم رک گیا اور جلدی سے ایک طرف ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر پرویز کی گاڑی کو

پہچان لیا تھا۔ یہ ڈاکٹر پرویز ہی کی گاڑی تھی اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر پرویز گاڑی میں سے نکلا تو ہوٹل کے ملازم نے اس سے چابی لی اور گاڑی کو لے کر پارکنگ کی طرف لے گیا۔ ڈاکٹر پرویز لابی میں سے گزر کر اس طرف گیا جہاں لفٹیں اوپر کو جاتی تھیں۔

ڈاکٹر پرویز نے وہ عینک آنکھوں پر لگا رکھی تھی جس میں سے وہ زوناش کی لاش کو دیکھ سکتا تھا زوناش بھی اس کے پیچھے پیچھے مگر ایک طرف ہو کر ہوٹل کی لابی میں داخل ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر پرویز نے اس ہوٹل کے کسی کمرے میں رہائش اختیار کر رکھی ہے' ورنہ ہوٹل کا ملازم خود اس کی گاڑی چلا کر نیچے پارکنگ کرنے نہ لے جاتا۔ چونکہ ڈاکٹر پرویز نے مخصوص عینک لگائی ہوئی تھی اس لئے زوناش نہ تو اس کے سامنے جا سکتا تھا اور نہ ہی اس کے قریب ہو سکتا تھا۔ زوناش کو اس بات کا یقین تھا کہ ڈاکٹر نہتا نہیں ہے۔ اس نے اپنے پاس بھرا ہوا پستول ضرور رکھا ہو گا۔ لابی میں بڑی روشنی تھی۔ اگر زوناش اس کی طرف جاتا تو ڈاکٹر پرویز اسے آسانی سے دیکھ سکتا تھا اور جیب سے پستول نکال کر اس پر فائرنگ کر سکتا تھا۔ اگر اس کے پاس پستول نہیں بھی تھا تب بھی وہ جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگ سکتا تھا۔

چنانچہ زوناش مجبور ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر سے کافی فاصلے پر رہ کر اس کی نگرانی کرتا رہے۔ اس نے لفٹ کے لئے بٹن دبا دیا تھا۔ اوپر سے ایک لفٹ آ کر رکی۔ اس کا دروازہ کھلا۔ ایک مرد اور ایک عورت اندر سے نکلے۔ ڈاکٹر پرویز لفٹ میں داخل ہو گیا۔ اس نے کسی منزل کا بٹن دبایا۔ دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ کے باہر اوپر لگے ہوئے ہندسے روشنی سے چمکنے لگے۔ زوناش اس شہر کا رہنے والا تھا۔ وہ ان تمام ہوٹلوں کے کلچر سے واقف تھا۔ وہ جلدی سے اوٹ میں سے نکل کر لفٹ کے دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اوپر لکھے ہوئے نمبروں کو جلتے بجھتے دیکھنے لگا۔ لفٹ ساتویں منزل پر جا کر رک گئی تھی۔ دروازے کے اوپر سات کا ہندسہ ابھی تک روشن تھا۔ اس کے بعد سات کا ہندسہ بجھ گیا اور پانچ کا ہندسہ روشن ہو گیا۔ پھر چار
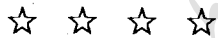
کا ہندسہ روشن ہو گیا۔ لفٹ نیچے آ رہی تھی۔ زوناش جلدی سے ایک طرف چھپ گیا۔ تھوڑی دیر میں لفٹ کا دروازہ کھلا۔ اندر سے کچھ لوگ باہر نکلے' ان میں ڈاکٹر پرویز نہیں تھا۔ زوناش کا دماغ سمجھ گیا کہ ڈاکٹر پرویز ہوٹل کی ساتویں منزل کے کسی کمرے میں رہتا ہے۔ لیکن جب تک اسے یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ ڈاکٹر پرویز کس کمرے میں رہائش پذیر ہے' وہ اوپر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کا علم کاؤنٹر پر رکھے رجسٹر ہی سے لگ سکتا تھا۔ زوناش چونکہ غائب تھا اس لئے وہ آسانی سے رجسٹر کھول کر دیکھ سکتا تھا۔ وہ کاؤنٹر پر آ گیا رجسٹر کی بجائے سامنے شیلف پر چھوٹے چھوٹے خانوں میں پیتل کے حروف سے ہر منزل کے کمروں کے نمبر اور وہاں کے رہنے والون کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ساتویں منزل کے A-5 والے خانے میں ڈاکٹر پرویز کا نام لکھا ہوا تھا۔

زوناش کے حلق سے ہلکی سی ڈراؤنی آواز نکلی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ڈاکٹر پرویز کی موت کا وقت آن پہنچا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

زوناش کاؤنٹر سے الگ ہو کر لفٹ میں آکر سوار ہو گیا اور اس نے ساتویں منزل کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ ساتویں منزل پر پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ زوناش لفٹ سے باہر آ گیا۔ آمنے سامنے کمرے بنے ہوئے تھے۔ درمیان میں تنگ سی راہ داری تھی۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔ زوناش کمروں کے نمبر دیکھتا ایک طرف کو آگے بڑھا۔ ایک جگہ روم نمبر A-1 لکھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے A-2 تھا۔ زوناش روم نمبر A-5 کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کے باہر جو چٹ لگی ہوئی تھی اس پر ڈاکٹر پرویز کی بجائے صرف D-P لکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے زوناش سے بچنے کے لئے یہ ایک احتیاطی تدابیر اختیار کی تھی۔ لیکن اگر وہ اپنے کمرے کے اندر ہی تھا تو اسے موت سے اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ زوناش نے بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیا' کمرے کے اندر سے ٹیلی ویژن کے کسی پروگرام کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ زوناش بڑی آسانی سے گردن بند دروازے میں ڈال کر اندر دیکھ سکتا تھا' مگر احتیاطاً اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر ڈاکٹر پرویز اندر ہوا اور اس نے زوناش کے چہرے کو بند دروازے میں سے نمودار ہوتے دیکھ لیا تو وہ اس پر ضرور گولی چلا دے گا۔

اتنے میں ہوٹل کا ملازم لڑکا ہاتھ میں ٹرے لئے وہاں آ گیا۔

ٹرے میں چائے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا اور اندر سے ایک مردانہ آواز آئی۔

"کون ہے؟"

یہ ڈاکٹر پرویز ہی کی آواز تھی۔ ملازم لڑکے نے کہا۔

"ٹی سر!"

اندر سے ڈاکٹر پرویز نے انگریزی ہی میں کہا۔

"ایک سیکنڈ ٹھہرو۔"

اب ڈاکٹر پرویز نے دروازے کے پاس آ کر دروازے کا قفل کھولنا تھا۔ زوناش جلدی سے دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ کیونکہ اگر ڈاکٹر نے عینک لگائی ہو گی تو وہ اسے دیکھ سکتا تھا۔ دوسرے سیکنڈ دروازہ کھل گیا۔ راہداری کی دھندلی روشنی میں زوناش نے دیکھا کہ ڈاکٹر پرویز نے عینک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ یہ دیکھتے ہی زوناش جلدی سے دروازے کے سامنے آ گیا اور ہوٹل کے ملازم لڑکے کے ساتھ ہی ڈاکٹر پرویز کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر پرویز اس وقت تک پلنگ پر جا کر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکے سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔"

زوناش نے اتنی دیر میں بڑی بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔ اسے ڈاکٹر کی عینک اس کی ٹیبل پر نظر نہیں آئی تھی۔ ڈاکٹر پرویز نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے تالا لگایا اور پلنگ پر بیٹھ کر چائے بنانے لگا۔ زوناش کو اگرچہ یقین تھا کہ ڈاکٹر پرویز اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے باوجود وہ بے حد محتاط اور کمرے میں دبے پاؤں چل کر عینک کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ الماری کے اندر دیکھنا چاہتا تھا۔ الماری کے اندر ڈاکٹر پرویز کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ زوناش کی لاش نے ایک نظر ڈاکٹر پرویز کو دیکھا۔ وہ پلنگ پر نیم دراز چائے پیتے ہوئے بڑے مزے سے ٹیلی ویژن کا کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا۔ زوناش کی لاش کو الماری کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بند

الماری کے اندر منہ ڈال کر سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔ زوناش جیسے ہی میز سے ہٹ کر الماری کی طرف بڑھا اس کا ہاتھ میز پر رکھے ہوئے گلاس سے ٹکرا گیا اور گلاس نیچے گر پڑا۔ ڈاکٹر پرویز نے چونک کر گلاس کی طرف دیکھا۔ چشم زدن میں وہ سمجھ گیا کہ کوئی غیبی وجود کمرے میں موجود ہے اور یہ غیبی وجود زوناش کی لاش کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر پرویز نے چائے کی پیالی ایک طرف پھینک دی اور چشم زدن میں سرہانے کے نیچے ہاتھ ڈالا کہ سرہانے کے نیچے رکھی ہوئی مشین گن نکال کر کمرے میں گولیوں کی بوچھاڑیں فائر کردے۔ کیونکہ اُسے زوناش کی لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے عینک نہیں لگائی ہوئی تھی اور عینک اس کے کوٹ کی جیب میں تھی اور کوٹ الماری میں ٹنگا ہوا تھا مگر زوناش ڈاکٹر پرویز کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ سرہانے کے نیچے سے اسلحہ نکال سکتا۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں زوناش ڈاکٹر پرویز کے سر پر پہنچ چکا تھا اور دوسرے لمحے ڈاکٹر پرویز کی گردن زوناش کے دونوں ہاتھوں کی آہنی گرفت میں تھی اور وہ نیم مردہ چوہے کی طرح زوناش کے ہاتھوں کی گرفت میں لٹک رہا تھا۔ زوناش نے زور سے ڈاکٹر پرویز کو ایک جھٹکا دیا۔ زوناش کو ڈاکٹر پرویز کی گردن کے مہروں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور ڈاکٹر پرویز کے دونوں بازو اور ٹانگیں بے جان ہو کر کٹی ہوئی شاخوں کی طرح لٹکنے لگیں۔ زوناش نے ڈاکٹر پرویز کی بے جان لاش کو بستر پر ڈال دیا اور اسے اپنی نیم وا، نیم مردہ آنکھوں سے غور سے تکنے لگا۔ ڈاکٹر پرویز کی گردن تین جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی۔ وہ مر گیا تھا۔ زوناش کے حلق سے عجیب سی خرخراہٹ کی آواز نکلی۔ اور وہ الماری کی طرف بڑھا۔ بند الماری میں منہ ڈالنے کی بجائے اس نے الماری کو ایک ہی جھٹکے سے کھول دیا۔ اندر ڈاکٹر پرویز کا گرم سوٹ اور کوٹ لٹک رہا تھا۔ زوناش اس کے کپڑوں کی تلاشی لینے لگا۔ کوٹ کی اندرونی جیب سے اسے وہ منحوس عینک مل گئی جس کی مدد سے وہ زوناش کو غیبی حالت میں بھی دیکھ لیا کرتا تھا۔

زوناش نے عینک اپنے لمبے کرتے کے جیب میں ڈال لی۔ پھر وہ ڈاکٹر پرویز کی
ش کو اٹھا کر باتھ روم میں لے گیا۔ باتھ روم میں اس نے لاش کو نہانے والے ٹب
ں لٹا دیا۔ خود ٹب کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے زوناش نے ڈاکٹر
ویز کی لاش کی گردن مروڑ کر اس کا سر دھڑ سے جدا کیا۔ اس کے بعد باری باری
ش کے دونوں بازو جسم سے الگ کر دیئے۔ ان اعضا کو جسم سے الگ کرنے کے
لئے زوناش کے ہاتھ کا ایک جھٹکا ہی کافی تھا۔ زوناش کو کسی چھرے کی ضرورت نہیں
ی۔ ڈاکٹر پرویز کی گردن اور دونوں بازو جسم سے الگ کرنے کے بعد زوناش نے
ں کی دونوں ٹانگیں بھی اس کے جسم کے الگ کر دیں۔ اس کے ہاتھ ڈاکٹر پرویز
کے خون سے بھر گئے جو ابھی گرم ہی تھا اور اس کے مردہ جسم میں جما نہیں تھا۔
بانے والے ٹب میں بھی خون پھیل گیا تھا۔ زوناش ٹکٹکی باندھے ٹب میں پڑی ہوئی
ون آلود لاش کے ٹکڑے دیکھ رہا تھا۔ یہ اس شخص کی لاش کے ٹکڑے تھے جس
نے زر و مال کے لالچ میں گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے
وں بیٹوں کی قبریں کھود کر ان کی میتوں کے اعضا کاٹ کر ان کی بے حرمتی کی تھی
ر ان کے مردہ اعضا کاٹ کر زوناش کی لاش تیار کی تھی۔ زوناش کی آنکھوں میں
اکٹر پرویز کے ساتھی ڈاکٹر دارا کی شکل پھرنے لگی۔ وہ بھی ان گھناؤنے جرائم میں
اکٹر پرویز کے ساتھ تھا۔ یہ ننگ انسانیت لوگ تھے۔ یہ وہ بدکردار لوگ تھے جنہوں
نے ڈاکٹری جیسے مقدس پیشے کو بدنام کیا تھا۔ انہوں نے اس حالت میں انسانوں کے
سموں کے ٹکڑے کئے تھے جب وہ دنیا کے غم و آلام سہنے کے بعد اپنی آرام گاہوں
ں سکون کی نیند سو رہے تھے۔ یہ قاتلوں سے بھی بدتر قاتل تھے۔ انہوں نے مرے
وؤں کو مارا تھا۔ اس نے بدکردار قاتل کو ختم کر دیا تھا لیکن اس کا ساتھی زندہ تھا۔
بھی ڈاکٹر دارا زندہ تھا۔ زوناش اسے بھی اس کے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا تاکہ اس
کے بعد کوئی شخص اس قسم کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب نہ کر سکے۔ ان لوگوں نے
انسانیت اور ڈاکٹری کے مقدس پیشے کی پیشانی پر کلنک کا داغ تو لگا ہی تھا لیکن یہ

لوگ زوناش کی ذہنی اذیتوں اور ذہنی عذابوں کا باعث بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی خود غرضیوں کی خاطر زوناش کو عالم عدم کے پرسکون عالم سے کھینچ کر جہنم کے آتش فشاں میں پھینک دیا تھا۔

ڈاکٹر دارا کی پوری شکل اس وقت زوناش کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اس کے دماغ کو سب کچھ یاد آ گیا کہ کس طرح ان شیطان صفت انسانوں نے اپنے شہر سے باہر ایک ویران قلعے میں خفیہ لیباٹری قائم کر رکھی تھی جہاں یہ دونوں ڈاکٹر قبرستان کے گورکن کی مدد سے اپنے پسند کے مردے قبروں سے کھدوا کر منگواتے اور پھر ان کی چیر پھاڑ کرتے اور اپنی پسند کا کوئی عضو کاٹ کر الگ رکھ لیتے اور باقی کا مردہ ضائع کر دیتے تھے۔ اس طرح کئی مردوں کے جسم کاٹ کاٹ کر ان لوگوں نے ایک لاش تیار کی جو اس وقت زوناش کی لاش کی حیثیت سے لندن کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کے کمرے کے غسل خانے میں کھڑی ٹب میں پڑی ہوئی لاش کے خون آلود ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

زوناش کسی حالت میں بھی ڈاکٹر دارا کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جو ڈاکٹری کے مقدس پیشے پر کلنک کا داغ لگانے کی مذموم کوشش کر رہا تھا۔ زوناش کو یقین تھا کہ یہ ڈاکٹر کسی دوسرے ڈاکٹر سے مل کر ایک اور لاش تیار کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اس کا قتل بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔

"دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔"

زوناش اپنے خیالات سے چونک گیا۔ گھنٹی دوسری بار بجی۔

زوناش آہستہ آہستہ چلتا باتھ روم سے نکل کر کمرے کے دروازے تک آیا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ باہر ہوٹل کا ملازم لڑکا کھڑا تھا۔ شاید وہ خالی برتن لینے آیا تھا۔ لڑکے نے کھلے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ بڑا حیران ہوا دروازہ کس نے کھولا تھا کیونکہ اسے وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا تھا۔ زوناش کو وہ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ لڑکا حیران ہو کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ زوناش بڑے آرام سے

باہر نکل گیا۔ راہداری دھندلی روشنی میں خالی پڑی تھی۔ آمنے سامنے کمروں کے دروازے بند تھے زوناش راہداری میں سے گزر کر لفٹ کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے ایک بٹن دبایا۔ اتنے میں ہوٹل کا ملازم لڑکا جو ڈاکٹر پرویز کے کمرے میں داخل ہوا تھا گھبرایا ہوا راہداری سے باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے کمرہ نمبر A-5 میں ڈاکٹر پرویز کی کٹی ہوئی خون آلود لاش دیکھ لی تھی۔ وہ اسی طرح گھبرایا ہوا سیڑھیاں اتر کر نیچے کو بھاگ گیا۔ زوناش لفٹ کے ذریعے نیچے گراؤنڈ فلور پر آیا اور لابی میں سے ہوتا ہوا ہوٹل سے باہر چلا گیا۔ لندن شہر زوناش کے لئے کوئی اجنبی شہر نہیں تھا۔ اس شہر میں کچھ برس پہلے اس نے والڈروف کی حیثیت سے بہت وقت گزارا تھا۔ یہ اس کا وطن تھا۔ اگرچہ اب لندن شہر بہت ترقی کر گیا تھا اور نئی نئی بلند و بالا ہائی رائیز بلڈنگیں تعمیر ہو گئیں تھیں لیکن زوناش اس شہر کے سب علاقوں سے واقف تھا۔

ہوٹل سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر ایک طرف چلنے لگا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا جس طرح روبوٹ چلتا ہے۔ لیکن اس کا ذہن پرسکون نہ تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے دشمنوں سے انتقام کا جذبہ آتش فشاں لاوے کی طرح کھول رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے بار بار ڈاکٹر پرویز کے ساتھی ڈاکٹر دارا کی شکل آ جاتی تھی۔ اس وقت اس کے سامنے سب سے اہم مشن جو تھا وہ انسانیت کے خلاف اور ڈاکٹری کے مقدس پیشے کے خلاف گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والے ڈاکٹر دارا کو قتل کرنا تھا۔ زوناش کے دماغ کو احساس تھا کہ ڈاکٹر دارا ایک دور دراز ملک میں ہے یعنی پاکستان میں ہے جہاں تک زوناش نہ پیدل جا سکتا تھا' نہ ٹرین کے ذریعے ممکن تھا۔ وہاں وہ صرف ہوائی جہاز کے ذریعے ہی پہنچ سکتا تھا۔ ہوائی جہاز میں سفر کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایئرپورٹ پر پہنچ کر یہ معلوم کرے کہ لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے پاکستان کے شہر لاہور کی طرف ہوائی جہاز کب اور کس وقت پرواز کرے گا۔ اس کے بعد زوناش نے طیارے میں سوار ہو جانا تھا اور طیارے نے

اسے لاہور پہنچا دینا تھا۔

اس وقت رات کے نو ساڑھے نو بجے کا وقت تھا۔ لندن کا ائیرپورٹ وہاں سے کافی دور تھا۔ اگرچہ زوناش جسم کی تھکان اور بھوک پیاس سے بے نیاز تھا لیکن وہ جلدی ائیرپورٹ پہنچنا چاہتا تھا۔ کیا خبر کہ وہاں پاکستان کی طرف جانے والا کوئی جہاز اسے تیار مل جائے۔ اسے نہ تو کوئی ٹکٹ خریدنی تھی' نہ سیٹ بک کروانی تھی' نہ بورڈنگ کارڈ لینا تھا۔ اسے تو بس سیدھے گیٹ میں سے گزر کر جہاز پر چڑھ جانا تھا۔ وہ چوک میں آ کر رک گیا۔ قریب ہی ایک بس سٹاپ تھا۔ اتنا زوناش کو معلوم تھا کہ وہاں سے ہوائی اڈہ کس طرف ہے۔ وہ بس سٹاپ پر آ گیا۔ اتنے میں ایک دو منزلہ بس آ کر رک گئی۔ اس پر ائیرپورٹ لکھا ہوا زوناش نے پڑھ لیا تھا۔ وہ بس میں سوار ہو گیا۔ بس نے اسے آدھ گھنٹے میں ائیرپورٹ پر پہنچا دیا۔

ائیرپورٹ کی بلڈنگ میں داخل ہونے کے بعد وہ سیدھا بیرون ملک روانگی والے سیکشن میں آ گیا۔ یہاں کمپیوٹرائزڈ سکرین جگہ جگہ لگی تھیں جہاں ملکوں کے نام اور ان کی طرف جانے والی فلائیٹوں کے نمبر لکھے ہوئے بار بار آ رہے تھے۔ زوناش ایک بورڈ کے پاس آ کر غور سے شہروں کے نام پڑھنے لگا۔ بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ ملک پاکستان کے شہر لاہور کو بی او اے سی کی ایک فلائیٹ تین گھنٹے بعد روانہ ہو گی۔

"زوناش سیدھا ڈیپارچر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔"

لاؤنج اس وقت تقریباً خالی تھا۔ ڈاکٹر پرویز کی عینک جس کو لگا کر زوناش کی غیبی لاش کو دیکھا جا سکتا تھا' زوناش کے لمبے کرتے کی جیب میں موجود تھی۔ مگر زوناش اس سے بے نیاز تھا اور اسے تقریباً بھول چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لاؤنج میں کئی مسافر آ کر بیٹھ گئے۔ یہ کسی دوسرے ملک جانے والے لوگ تھے۔ ان کی فلائیٹ کی پرواز کا اعلان ہوا تو وہ اٹھ کر جہاز کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد ایک اور فلائیٹ کے مسافر آ کر بیٹھ گئے اسی طرح دو تین فلائیٹوں کی پرواز کے بعد زوناش کی فلائیٹ کا نمبر

ی آ گیا۔ یہ فلائیٹ پاکستان کے شہر لاہور سے ہوتی ہوئی سنگا پور جا رہی تھی۔
اش بالکل ایک روبوٹ کی طرح ساکت اور خاموش بیٹھا رہا۔ جب سنگا پور جانے
فلائیٹ کا اعلان ہوا کہ سنگا پور جانے والے مسافر جہاز پر سوار ہو جائیں تو زوناش
تہ سے اٹھا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ قطار میں سب سے آخر میں کھڑے
ر جہاز میں جا کر سوار ہو گیا۔

جہاز اپنے وقت پر ٹیک آف کر گیا۔"

آٹھ نو گھنٹوں کی پرواز کے بعد جہاز جب لاہور کے ائیرپورٹ پر لینڈ کیا تو
اش خاموشی سے جہاز سے اتر کر ائیرپورٹ سے باہر نکل آیا۔ اس شہر سے زوناش
ی طرح واقف ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا نے زوناش سے اس شہر میں
قتل کروائے تھے اور اسے کئی جگہوں پر اپنے ساتھ لئے لئے پھرتے رہے
۔ خاص طور پر زوناش اس پرانے آسیبی کھنڈر نما حویلی کو تو خوب جانتا تھا جس کے
خانے والی لیبارٹری میں زوناش کی لاش کو دوسرے مردوں کی ٹانگیں بازو اور
منہ کان جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اس لیبارٹری میں زوناش کی کھوپڑی میں والڈروف کا
غ ڈالا گیا تھا۔ زوناش شہر سے باہر سے گزرتا ہوا آسیبی حویلی کے سامنے آ گیا۔ یہ
ی قلعہ نما تھی۔ زوناش حویلی کے تہہ خانے کی راہ داریوں سے بخوبی آشنا تھا۔
ی کا خیال تھا کہ ڈاکٹر دارا حویلی کی لیبارٹری میں ہی ہو گا اور شاید کسی نئی لاش کا
یہ کر رہا ہو گا۔ وہ حویلی کی لیبارٹری میں آ گیا۔ لیبارٹری ایک تہہ خانے میں تھی۔
رٹری خالی تھی۔ دیوار کے ساتھ وہ سٹریچر اسی طرح پڑا تھا جس پر لیٹ کر سو جانے
کم ڈاکٹر پرویز زوناش کو دیا کرتا تھا۔

زوناش نے ساری حویلی دیکھ ڈالی۔ وہ اوپر چھت پر بھی گیا مگر ڈاکٹر دارا اسے
ں نہ ملا۔ زوناش کا دماغ سوچنے لگا کہ اس کا دشمن اور کئی بے گناہ انسانوں کے
ا ڈاکٹر پرویز کا ساتھی ڈاکٹر دارا کہاں ہو گا؟ لیبارٹری میں ہر شے اسی طرح موجود
ا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں کوئی آتا جاتا رہا ہے۔

زوناش کا دماغ اتنا زیادہ غور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر لیبارٹری کے سٹریچر پر لیٹ گیا کہ کسی نہ کسی وقت ڈاکٹر دارا وہاں ضرور آئے گا۔ پہلے زوناش کی لاش سٹریچر پر لیٹتی تو ڈاکٹر پرویز اسے ریموٹ کنٹرول سے حکم دیتا تھا کہ زوناش! سو جاؤ۔ جب تک میں نہ کہوں' ہرگز نہ اٹھنا اور زوناش سو جاتا تھا۔ مگر اب ڈاکٹر پرویز مر چکا تھا۔ اور اس کی روح عدل خداوندی کے کنٹرول میں تھی اور اگلے جہان میں اپنے اعمال کی سزا و جزا پا رہی تھی۔ چنانچہ زوناش آنکھیں کھولے لیٹا تھا اور ڈاکٹر دارا کا انتظار کر رہا تھا۔

دوسری طرف ڈاکٹر پرویز کے قتل کی خبر لندن والے انکل نے ٹیلی فون پر اس کے گھر والوں تک پہنچا دی تھی اور بتایا تھا کہ ڈاکٹر کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا ہے۔ اور پولیس قاتل کو تلاش کر رہی ہے۔ یہ خبر ہسپتال میں بھی پہنچ گئی تھی۔ ڈاکٹر دارا کو پتہ چلا تو وہ سکتے میں آ گیا۔ لیکن یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا کہ ڈاکٹر پرویز کو ان کے بنائے ہوئے اپنے عفریت نے قتل کیا ہے۔ وہ بھی سمجھا کہ ڈاکٹر پرویز کا کسی سے لڑائی جھگڑا ہو گیا ہو گا جس نے شدت اختیار کر لی اور وہ قتل ہو گیا۔ اسے بہت صدمہ ہوا۔ اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ موت اس کے سر پر بھی منڈلا رہی ہے۔

حویلی کے کھنڈر میں موت زوناش کی لاش کے روپ میں ڈاکٹر دارا کا ساری رات انتظار کرتی رہی مگر دارا نہ آیا۔ زوناش اسی طرح سٹریچر پر لیٹا رہا۔ زوناش کے جسم میں آٹھ دس آدمیوں کی طاقت اور توانائی تھی مگر اس کے جسم کا گوشت مردہ لاشوں کا تھا۔ اس گوشت میں کوئی احساس نہ تھا۔ وہ ایک مہینہ بھی بغیر تھکاوٹ محسوس کئے سٹریچر پر پڑا رہ سکتا تھا۔ رات گزر گئی۔ اس کے بعد دن بھی گزر گیا۔ جب لیبارٹری کے روشندان میں سے آتی دن کی روشنی دوسری شام کے اندھیرے میں تحلیل ہونے لگی تو زوناش کے دماغ کو احساس ہوا کہ جس مقصد کو لے کر وہ اس ملک میں اتنی دور سے آیا ہے۔ وہ اس سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر دارا ابھی تک

لیبارٹری میں نہیں آیا۔ اسے خود چل کر دارا کو تلاش کرنا چاہیئے۔ زوناش سٹریچر پر لیٹا رات کا اندھیرا ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ رات کے وقت اپنے شکار پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

جب روشندان میں آتی روشنی اندھیرے میں تبدیل ہو گئی تو زوناش آہستہ سے سٹریچر پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ روشندان میں سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اندھیرا چھایا ہوا نظر آیا۔ لیبارٹری کی لائٹ پہلے ہی سے بجھی ہوئی تھی۔ یہ لائٹ ڈاکٹر پرویز نے لندن جاتے وقت جلتی رہنے دی تھی مگر اس کے جانے کے تین دن بعد ڈاکٹر دارا کسی ضروری کام سے لیبارٹری میں آیا تھا تو اس نے لائٹ بجھا دی تھی۔ زوناش کے حلق سے سانس لینے کی خرخراہٹ کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا لیبارٹری کے دروازے میں سے گزر کر اوپر والے بند دروازے پر آ گیا۔ اس دروازے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ زوناش کی لاش بند دروازے میں سے گزر کر اندر آئی تھی۔ وہ اس وقت بھی بند دروازے میں سے گزر گئی۔ آسیبی حویلی کے کھنڈر کے باہر چاروں طرف رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دور شہر کی طرف جانے والی سڑک پر سے کسی کسی وقت کوئی موٹر گاڑی یا ٹرک کے گزرنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ زوناش کا دماغ کچھ سوچنے لگا۔ اس نے زوناش کو ہدایت کی کہ ابھی رات کا پہلا پہر ہے۔ ابھی وہ اپنے شکار کی تلاش میں نہ جائے۔ ہو سکتا ہے اس کا شکار کسی پارٹی وغیرہ میں گیا ہوا ہو۔

زوناش وہیں سے واپس ہو کر حویلی کی سیڑھیاں چڑھتا اوپر چھت پر آ گیا۔ چھت پر ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔ زوناش اس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ بت بن کر بیٹھا تھا اور رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ وقت کے گزرنے کا زوناش کو کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بیٹھا تھا۔ وقت اپنی معمول کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ آدھی رات بھی گزر گئی۔ شہر کو جانے والی سڑک کی طرف سے گاڑیوں کی جو آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ زوناش کو محسوس ہوا کہ اب

اسے چل دینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر آسیبی حویلی کے کھنڈر سے باہر آیا اور ایک تاریک راستے پر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ زوناش کو معلوم تھا کہ ڈاکٹر دارا ہسپتال میں رات کی ڈیوٹی پر بھی ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اسے ہسپتال میں تلاش کرنا چاہتا تھا۔ یہ شہر لاہور بھی اس کا دیکھا بھالا شہر تھا۔ جس ہسپتال کی طرف وہ جا رہا تھا وہ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک خاموش اور پر سکون جگہ پر بنا ہوا تھا۔ اس طرف سرشام ہی خاموشی چھا جاتی تھی۔ چلتے چلتے زوناش ہسپتال کے قریب آ گیا۔ ڈاکٹر پرویز اسے ایک بار غیبی حالت میں ساتھ لے کر اس ہسپتال لا چکا تھا۔ زوناش نے ہسپتال سے کچھ دور اس ہسپتال کا مردہ خانہ بھی دیکھا ہوا تھا۔ زوناش نے ہسپتال میں ڈاکٹر دارا اور ڈاکٹر پرویز کا کمرہ بھی دیکھ رکھا تھا۔ زوناش نے سیدھا ہسپتال میں ڈاکٹر دارا کے کمرے کا رخ کیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور کسی عورت کی آواز آ رہی تھی۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے گفتگو کر رہی تھی۔

زوناش دروازہ کھولے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔"

ڈاکٹر دارا وہاں نہیں تھا۔ اس کی سیٹ پر ایک نرس بیٹھی مسکرا مسکرا کر کسی سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔ زوناش اس خیال سے کہ ڈاکٹر دارا کو اوپر وارڈ میں دیکھا جائے مڑا ہی تھا کہ نرس نے فون پر کسی سے کہا۔

"ڈاکٹر دارا! آج نائیٹ ڈیوٹی پر ضرور ہیں لیکن وہ اس وقت اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ کیا ____ ؟ ہاں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے ہوسٹل میں چلے گئے ہیں۔ اب کل ہی آئیں گے۔"

زوناش یہ سن کر ایک لمحے کے لئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر دارا جس ہوسٹل میں رہتا تھا وہ ہوسٹل ہسپتال کے احاطے کے اندر ہی واقع تھا۔ زوناش کو ڈاکٹر دارا کے ہوسٹل کے کمرے کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ لیکن وہ اسے تلاش کر سکتا تھا۔ وہ ہسپتال کے آرتھوپیڈک وارڈ کے پیچھے سے ہوتا ہوا ہوسٹل کی عمارت کے پاس آ گیا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔ ہوسٹل پر گہری خاموشی طاری

تھی۔ کسی کسی کمرے کے روشندانوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ یہ دو منزلہ ہوسٹل تھا۔ ہوسٹل کے گیٹ پر چوکیدار سٹول پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

زوناش غیبی حالت میں تھا۔ چوکیدار اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ آرام سے چلتا چوکیدار کے قریب سے گزر گیا۔ چوکیدار نے ایک لمحے کے لئے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اسے ایسے محسوس ہوا تھا جیسے کوئی شخص اس کے قریب سے گزرا ہے۔ اسے کسی انسان کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ مگر جب چوکیدار کو وہاں کوئی انسان دکھائی نہ دیا تو اس نے اسے اپنا وہم سمجھا اور سگریٹ پینے لگا۔ زوناش اس دوران ہوسٹل کی پہلی منزل کے برآمدے میں آ گیا۔ ہوسٹل کے کمرے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ہر کمرے کا بند دروازہ تھا۔ زوناش نے پہلے بند کمرے میں منہ ڈال کر دیکھا' کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ اپنے دشمن کو پہچان سکے۔ کمرے میں ڈاکٹر دارا نہیں تھا' کوئی اور لڑکا سو رہا تھا۔ اس طرح جھانک جھانک کر اس نے پہلی منزل کے سارے کمرے دیکھ ڈالے۔ اس کا شکار پہلی منزل میں نہیں تھا۔ زوناش دوسری منزل پر آ گیا۔

دوسری منزل کے آخری کمرے سے ایک کمرہ پہلے ڈاکٹر دارا کا کمرہ تھا۔ وہ اس وقت جاگ رہا تھا۔ اور بستر پر لیٹا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اچانک اسے باہر برآمدے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ڈاکٹر پرویز کے قتل کے بعد قدرتی طور پر ڈاکٹر دارا محتاط ہو گیا تھا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ ڈاکٹر پرویز کا لندن میں کسی بدمعاش کے ہاتھوں قتل ہوا ہے مگر اس کے باوجود اس کے دل میں ہلکا سا شک ضرور تھا کہ عین ممکن ہے اسے زوناش کی لاش نے قتل کر ڈالا ہو۔ اسے وہم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر پرویز کو قتل کرنے کے بعد زوناش اسے قتل کرنے پاکستان ضرور آئے گا چنانچہ اسی دن سے ڈاکٹر دارا اپنے پاس احتیاط کے طور پر دو چیزیں ضرور رکھتا تھا۔ ایک بھرا ہوا پستول اور دوسری وہ عینک جس کو آنکھوں پر لگا کر وہ زوناش کی غیبی لاش کو دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت بھی یہ دونوں چیزیں اس کے پاس

تھیں۔ بھرا ہوا پستول اس کے سرہانے کے نیچے تھا اور عینک اس نے اپنے سلیپنگ سوٹ کی سامنے والی جیب میں رکھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں سے جب دوسری بار کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو ڈاکٹر دارا نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔ جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پر لگائی اور ٹیبل لیمپ بجھا کر سرہانے کے نیچے سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ آہستہ سے بستر پر سے اٹھا اور دروازے کے پاس آگیا۔ دروازے کو اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ اس نے بہت آہستہ سے کنڈی کھولی اور دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھول کر باہر جھانک کر دیکھا۔

باہر برآمدے کی بتی روشن تھی۔ چونکہ ڈاکٹر دارا نے عینک لگا رکھی تھی۔ اسے برآمدے میں تین کمرے چھوڑ کر اچانک زوناش کی لاش نظر آگئی۔ ڈاکٹر دارا کا جسم دہشت کی وجہ سے لرز کر ایکدم سرد بے جان ہوگیا۔ زوناش کی لاش کمرے کے بند دروازے میں منہ ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر دارا نے بھاگنا چاہا مگر اسے محسوس ہوا کہ اس کے پاؤں من من بھاری ہو گئے ہیں۔ زوناش کی ہیبت ناک لاش قریب آ رہی تھی۔ ڈاکٹر دارا کو اس کے سانس لینے کی ڈراؤنی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر دارا سمجھ گیا کہ زوناش نے ہی ڈاکٹر پرویز کو قتل کیا تھا اور اسے قتل کرنے کے کے بعد اب ڈاکٹر دارا کی تلاش میں ہے تاکہ اسے بھی قتل کر ڈالے۔ اس خیال کے آتے ہی ڈاکٹر دارا کمرے سے چھلانگ لگا کر برآمدے میں آگیا۔ اب زوناش کی لاش نے بھی ڈاکٹر دارا کو دیکھ لیا تھا۔ ڈاکٹر دارا کو دیکھتے ہی زوناش کے سینے سے اور اس کے حلق سے دھیمی دھیمی ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں۔ لاش کے دونوں بازو پھیل گئے اور ڈاکٹر دارا کی طرف بڑھی۔

موت کو اچانک سامنے دیکھ کر ڈاکٹر دارا کے جسم میں اپنے آپ کو بچانے کے لئے مدافعتی قوت آ گئی تھی۔ زوناش حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکالتا ڈاکٹر دارا کی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر دارا نے پستول کا رخ زوناش کی طرف کیا اور اوپر تلے چھ سات گولیاں فائر کر دیں۔ فائرنگ کے دھماکوں سے ہوسٹل کی خاموش فضا گونج اٹھی۔

ساری کی ساری گولیاں زوناش کے سینے اور گردن میں سے پار ہو گئیں۔ ڈاکٹر کو یقین تھا کہ اتنی گولیاں کھانے کے بعد زوناش کی لاش گر پڑے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ زوناش کو پے در پے پانچ دھکے لگے اور وہ پیچھے کو لڑکھڑایا اور ایک طرف کو جھک گیا۔ ڈاکٹر دارا کو جان بچانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ زوناش کی لاش پر گولیوں کا اثر نہیں ہوا اور اسے صرف گولیاں لگنے کے صرف دھکے محسوس ہوئے ہیں۔ وہ زوناش کی لاش کے پیٹ اور سینے پر مزید گولیاں برساتا دیوانہ وار وہاں سے دوڑ پڑا۔

زوناش کے جسم سے کتنی ہی گولیاں نکل گئی تھیں، مگر اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا جسم مردہ لاشوں کے ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ زوناش کو معمولی سا درد بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن گولیوں کی اتنی رفتار کے ساتھ ٹکرانے سے اس کو ہلکے ہلکے اوپر تلے کئی دھکے محسوس ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ ایک طرف کو ذرا سا لڑکھڑا گیا تھا۔ جب زوناش سنبھلا تو اتنے میں ڈاکٹر دارا نے بھی دیکھ لیا تھا کہ گولیوں کا زوناش کے جسم پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بدستور زندہ ہے اس لئے اس کا وہاں رکنا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا تھا۔ فائرنگ کے دھماکوں کی وجہ سے ہوسٹل کے تقریباً سارے کمروں کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں اور لڑکے کمروں سے باہر نکل آئے تھے۔ زوناش ان کے درمیان میں سے گزرتا نیچے اتر آیا۔ ہوسٹل کی عمارت کے باہر رک کر اس نے اندھیرے میں ڈاکٹر دارا کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر دارا اس وقت تک اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہسپتال سے دور نکل چکا تھا۔

زوناش وہاں سے سیدھا آسیبی کھنڈر والی لیباٹری کی طرف چل پڑا۔ زوناش کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ ڈاکٹر دارا اسے غیبی حالت میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اسے دیکھنے والی عینک موجود ہے۔ چنانچہ وہ اُس پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ زوناش کے جسم پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا اور گولیاں جسم میں سوراخ ڈالتے ہوئے جہاں سے گزر جاتی تھیں، اس جگہ کا گوشت اپنے آپ

مل جاتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر دارا کسی تیز دھار آلے سے زوناش کا سر قلم کر سکتا تھا۔ اس کی ٹانگیں کاٹ سکتا تھا اور یوں زوناش کو بے بس و مجبور کر سکتا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں زوناش کو ڈاکٹر دارا سے بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آسیبی حویلی کے کھنڈر میں آکر زوناش تہہ خانے میں نہ گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر دارا اس کی تلاش میں تہہ خانے میں آسکتا تھا۔ وہ کھنڈر کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر بائیں جانب زمین پر گرے ہوئے ستونوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ یہاں سے وہ ڈاکٹر دارا کو کھنڈر میں داخل ہوتے دیکھ سکتا تھا اور اس پر جھپٹ کر ایک ہی جھٹکے میں اس کا سر تن سے جدا کر سکتا تھا۔

لیکن دارا بھی اتنا احمق نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زوناش کی لاش اسے قتل کرنے کے لئے اس کا پیچھا کر رہی ہے اور وہ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ نمودار ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ بھی محتاط ہو گیا تھا۔ سب سے پہلی احتیاط ڈاکٹر دارا نے یہ کی کہ ہسپتال سے ایک ماہ کی چھٹی لے لی اور ہوسٹل کو چھوڑ دیا۔ اس کے ایک دوست نے شہر سے دور نہر کے کنارے ایک چھوٹا سا فارم بنایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر دارا نے اس فارم کے ایک کمرے میں آکر ڈیرا لگا لیا۔ اسے صرف زوناش سے اپنے آپ کو چھپانا ہی نہیں تھا بلکہ زوناش کو تلاش کر کے اسے موت کے گھاٹ بھی اتارنا تھا۔ زوناش سارا دن آسیبی حویلی کے بوسیدہ ستونوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ڈاکٹر دارا کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آیا۔

زوناش کو کیا خبر تھی کہ ڈاکٹر دارا شہر سے باہر نہر کنارے ایک فارم میں بیٹھا زوناش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا منصوبہ تیار کر رہا ہے۔ دن چڑھا تو زوناش وہیں چھپا رہا۔ سارا دن اس نے وہیں گزار دیا۔ جب دن کی روشنی ماند پڑنے لگی اور سورج مغرب کی جانب غروب ہونے کی تیاریاں کرنے لگا تو زوناش آسیبی حویلی کے کھنڈر سے نکل کر شہر کی طرف جانے کی بجائے کھیتوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

زوناش آسیبی حویلی کی کھنڈر سے ڈاکٹر دارا کا کام تمام کرنے کے لئے اس کے

ہسپتال جانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ڈاکٹر دارا رات کی ڈیوٹی پر ہوتا اور وہ ہسپتال میں اسے کہیں نہ کہیں ضرور نظر آ جائے گا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ ڈاکٹر دارا ایک مہینے کی چھٹی لے کر شہر سے باہر نہر کے کنارے والے فارم میں چلا گیا ہے جہاں وہ زوناش کی لاش کو ہمیشہ کے لئے تلف کر دینے کا خطرناک منصوبہ تیار کر رہا ہے۔

زوناش دن کے وقت ڈاکٹر دارا کے سامنے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر کے پاس اسے دیکھ لینے والی عینک موجود تھی اور وہ اسے دیکھ کر نہ صرف اپنا بچاؤ کر سکتا ہے بلکہ زوناش پر گھات لگا کر حملہ بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ زوناش سورج غروب ہونے کے کچھ دیر بعد جب اندھیرا چھا گیا تھا تو آسیبی حویلی سے نکلا۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ زوناش شہر سے باہر باہر ایک لمبا چکر کاٹ کر ہسپتال پہنچنا چاہتا تھا تاکہ اس وقت تک رات بھی گہری ہو جائے اور ڈاکٹر دارا بھی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا ہو۔ زوناش کا رخ شہر کے اس علاقے کی طرف ہی تھا جدھر بڑا ہسپتال تھا۔ مگر وہ شہر کی آبادی سے ہٹ کر کھیتوں کھیت چلا جا رہا تھا۔ تاکہ اگر ڈاکٹر دارا شہر میں کسی جگہ موجود بھی ہو تو وہ زوناش کو سڑک پر چلتے نہ دیکھ سکے۔

زوناش آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ کھیتوں میں سے نکل کر وہ ایک اونچے بند پر چڑھ گیا۔ یہ کوئی بند نہیں تھا بلکہ اوپر ایک نہر بہہ رہی تھی جو اونچائی پر تھی۔ نہر کے ساتھ ساتھ بڑا ہموار کچا راستہ بنا ہوا تھا۔ زوناش نہر کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نہر پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی میں نہر کا پانی دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کافی آگے جا کر ریل کا پل آ گیا۔ نہر کے اوپر سے ریلوے لائین گزرتی تھی۔ زوناش نے ریلوے لائین عبور کی اور نہر کے اوپر جھکے ہوئے درختوں کے نیچے سے گزرنے لگا۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ یہ شہر سے باہر کا علاقہ تھا۔ یہاں خاموشی چھا رہی تھی۔ کسی کسی وقت نہر کنارے کی جھاڑیوں میں سے کسی جھینگر کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ایک جگہ نہر میں سے ایک نالہ نکل کر کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا۔ ان کھیتوں کی

جانب دور کافی فاصلے پر شہر کی چند ایک روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ زوناش کو ان روشنیوں کی طرف ہی جانا تھا۔ وہ نہر کے کنارے کو چھوڑ کر نالے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نالے کی دونوں جانب کھیت ہی کھیت تھے جو رات کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ زوناش ایک باغ کے قریب سے گزرا۔ اسے باغ میں سے مالٹوں کی خوشبو آئی۔ یہ پھلدار باغ تھا۔ اس کے آگے پھر ایک باغ آگیا۔ زوناش کو لگا کہ یہ کوئی پھلوں کا فارم ہے۔ اس قسم کے فارم زوناش یعنی والڈروف کے وطن لندن کے دیہات میں بہت ہوا کرتے تھے۔ زوناش کے دماغ کو اپنا وطن یاد آنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی خیال آگیا کہ اس نے اپنے وطن میں اپنی محبوبہ کے علاوہ سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو قتل کیا تھا اور اسے پھانسی دے دی گئی تھی۔

زوناش کا دماغ جو حقیقت میں قاتل والڈروف کا دماغ تھا اپنے وطن کی یاد میں گم تھا اور زوناش فارم کے پھلدار باغ کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ باغ ختم ہوا تو زوناش کو ایک مکان دکھائی دیا جس کی کھڑکی کھلی تھی اور اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ زوناش جس کچی پگڈنڈی پر سے گزر رہا تھا یہ مکان اس کے کنارے پر ہی تھا۔ زوناش کو اس مکان کے قریب سے ہو کر گزرنا تھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ مکان سے ہٹ کر باغ میں سے ہو کر آگے نکل جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو غائب ہے' اسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ کھڑکی کے اندر اگر کوئی شخص موجود بھی ہوا تو وہ اسے نہیں دیکھ سکے گا۔ یہ سوچ کر زوناش پگڈنڈی پر ہی چلتا رہا۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے گزر گیا لیکن فوراً رک گیا۔ اس نے کھڑکی کے قریب سے گزرتے وقت کھڑکی میں یوں سرسری نظر ڈالی تھی۔ اندر کھڑکی میں سے اسے ایک آدمی میز کے آگے کرسی پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ زوناش جیسے ہی کھڑکی سے آگے نکلا کسی طاقت نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔ زوناش کے حلق سے دھیمی سی ڈراؤنی آواز نکلی۔ زوناش کی نگاہ کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ اس نے کھڑکی کے اندر جس آدمی کو دیکھا تھا وہ ڈاکٹر دارا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ زوناش وہیں سے واپس پلٹا۔

اب وہ بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا کہ اس کے قدموں کی آہٹ پیدا نہ ہو۔ کھڑکی کے پاس آکر اس نے ذرا سا آگے ہو کر کھڑکی میں دوبارہ جھانک کر دیکھا۔ اس کے دماغ میں جیسے شعلے سے بلند ہونے لگے۔ میز کے سامنے بیٹھا ہوا آدمی ڈاکٹر دارا ہی تھا۔ زوناش ڈاکٹر دارا کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کھا سکتا تھا۔ دوسری خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر دارا نے آنکھوں پر وہ عینک نہیں لگائی ہوئی تھی جس کی مدد سے وہ زوناش کی لاش کو دیکھ سکتا تھا۔ ایک حیرت انگیز اتفاق سے زوناش کو یہ سنہری موقع مل گیا تھا۔ زوناش اس سنہری موقع کو ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ زوناش کو یہ خدشہ بھی تھا کہ اس نے ڈاکٹر دارا پر اچانک حملہ تو کہیں وہ میز کی دراز یا اپنی جیب میں سے پستول نکال کر زوناش کی کھوپڑی نہ اڑا دے۔ پھر اسے خیال آیا کہ زوناش تو نظر نہیں آ رہا ہو گا اس لئے ڈاکٹر دارا اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے زوناش کی کھوپڑی کو نشانہ نہیں بنا سکے گا۔ کیونکہ زوناش کی اگر کھوپڑی اڑا دی جاتی تو اس کا بھیجہ بکھر جاتا اور عین ممکن ہے کہ وہ مر جاتا۔

زوناش نے جو کچھ بھی کرنا تھا وہ اسے پلک جھپکنے میں کر ڈالنا چاہتا تھا۔

زوناش کو کھڑکی پر چڑھ کر اندر داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی' وہ بڑی آسانی کے ساتھ دیوار میں سے گزر سکتا تھا۔ زوناش کھڑکی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر دارا ٹیبل لیمپ روشن کئے میز کے آگے کرسی پر بیٹھا کاپی پر کچھ لکھنے میں منہمک تھا۔ ویسے بھی وہ زوناش کو نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ اس نے عینک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ زوناش نے ایک آخری بھرپور اور انتقامی نگاہ ڈاکٹر دارا پر ڈالی اور دیوار میں سے گزر گیا۔ خدا جانے کیسے ڈاکٹر دارا کو احساس ہو گیا کہ زوناش وہاں پہنچ چکا ہے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ زوناش کے حلق سے غراہٹ کی ایک بھیانک آواز نکلی اور اس نے اتنی تیزی کے ساتھ اپنا لمبا بازو آگے بڑھا کر ڈاکٹر دارا کی گردن کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑا کہ ڈاکٹر دارا کے حلق سے کوئی آواز تک نہ نکل سکی۔ ڈاکٹر دارا زوناش کی لاش کو دیکھ تو

نہیں سکتا تھا لیکن اسے معلوم ہو گیا تھا کہ موت زوناش کی شکل میں آ گئی ہے۔

زوناش نے ڈاکٹر دارا کو اپنے مخصوص انداز میں فرش سے تین فٹ اوپر اٹھا کر زور سے جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر دارا کا دھڑ نیچے گر پڑا۔ اس کا سر زوناش کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ میز پر اور نیچے فرش پر خون ہی خون بکھر گیا تھا۔

زوناش نے ڈاکٹر دارا کے کٹے ہوئے سر کو فرش پر پٹخ دیا۔ ڈاکٹر دارا کی کھوپڑی کھل گئی اور اس کا بھیجا بکھر گیا۔ زوناش کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی جس کو سن کر فارم کے گیٹ پر سویا ہوا کتا ہڑبڑا کر اٹھا اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ زوناش اسی طرح کمرے کی دیوار میں سے باہر نکل گیا۔ اب اسے ہسپتال کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ وہیں سے واپس مڑ گیا۔ نالے کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا نہر پر چڑھ گیا اور نہر کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اس نے ڈاکٹر دارا سے بھی اپنے ذہنی عذابوں کا بدلہ لے لیا تھا اور ڈاکٹر دارا کو اپنے گناہوں کی سزا مل چکی تھی۔ اگر وہ اور ڈاکٹر پرویز ڈاکٹری پڑھنے کے بعد دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شعائر بناتے تو ان کا یہ انجام نہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے گھناؤنے جرم کی راہ اختیار کر لی تھی اور نہ صرف یہ کہ ڈاکٹری کے مقدس پیشے کو بدنام کیا تھا۔ بلکہ کئی بے گناہ انسانوں کے قتل کا بھی ارتکاب کیا تھا۔

زوناش کا رخ آسیبی حویلی کے کھنڈر کی طرف تھا۔

زوناش ایک ایسی زندہ لاش کی طرح چلا جا رہا تھا جس نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہو۔ لیکن زوناش کو معلوم نہیں تھا کہ ابھی اسے اپنے کچھ اور گناہوں کا حساب بھی بے باق کرنا تھا۔ ابھی اس کے کچھ ایسے گناہوں کا حساب باقی تھا جو اس کے ان گناہوں سے کہیں زیادہ گھناؤنے تھے جن کا کفارہ وہ اپنی طرف سے ادا کر چکا تھا۔ اس کی چاروں جانب ہولناک خاموشی اور سناٹا تھا۔ ڈاکٹر دارا نے ایک رات پہلے ہسپتال کے ہوسٹل میں اس کی ران پر جو اوپر تلے تین گولیاں فائر کیں تھیں ان کی وجہ سے اس کی بائیں ٹانگ کا اوپر والا جوڑ اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔ زوناش بائیں

ٹانگ کو تھوڑا سا گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ جس وقت وہ آسیبی حویلی کی لیبارٹری کے تہہ خانے میں پہنچا رات آدھی گزر چکی تھی۔ آسمان پر چمکتے ستاروں کو بادلوں کے ٹکڑوں نے چھپانا شروع کر دیا تھا۔

زوناش نے تہہ خانے میں آ کر الماری اور شیلف اور میز پر لگی ہوئی بوتلوں اور سرجری کے آلات کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے حلق سے غراہٹ کی آواز مسلسل نکل رہی تھی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے رات کی تاریکی میں کوئی زخمی چیتا کسی جھاڑی میں چھپا غرا رہا ہو۔ اچانک زوناش الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری کا دروازہ کھول دیا۔ الماری کے خانوں میں مختلف میڈیکل سائنس کی کتابیں اور مصنوعی انسانی لاشیں تیار کرنے والے فارمولوں کے تجربات پر مشتمل فائلیں بھری ہوئی تھیں۔ زوناش نے ساری کتابیں ساری فائلیں نکال کر فرش پر بکھیر دیں۔ پھر الماری کو دونوں بازوؤں سے اٹھا کر زور سے فرش پر پٹخ دیا۔ الماری فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے میز پر سے دوائی کی شیشیاں اور بوتلیں اٹھا کر دیوار کے ساتھ پٹخنی شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد لیبارٹری کا سارا سامان تباہ و برباد ہو چکا تھا۔

یہاں سے نکل کر زوناش کی لاش اوپر والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی کافی سامان پڑا تھا۔ زوناش پر جیسے کوئی بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اس نے وہاں بھی سارے سامان کو تہس نہس کر دیا۔ اوپر والی منزل کے سائنسی سامان کو تباہ کرنے کے بعد وہ واپس پہلی منزل میں آ گیا۔ یہاں سپرٹ کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ سپرٹ کے بہت بڑے مرتبان کے ٹوٹ جانے سے ساری سپرٹ فرش پر بہہ رہی تھی۔ زوناش کی نیم وا نیم مردہ آنکھوں کی نگاہیں لیبارٹری کے کونے میں مرکوز ہو گئیں۔ کونے میں پٹرول سے بھرا ہوا ایک چوکور ڈبہ پڑا تھا۔ زوناش نے اسے اٹھایا اور ساری لیبارٹری میں اور لیبارٹری کے فرش پر بکھرے ہوئے تباہ شدہ سامان پر پٹرول چھڑک دیا۔

اب اس کی نیم مردہ آنکھیں دیا سلائی کا بکس ڈھونڈ رہی تھیں۔ اسے یاد آ گیا

کہ سپرٹ لیمپ جلانے کے لئے ڈاکٹر پرویز دیوار کے ایک طاق میں سے ماچس اٹھایا کرتا تھا اور سپرٹ لیمپ جلانے کے بعد ماچس وہیں رکھ دیتا تھا۔

زوناش دیوار والے طاق کی طرف بڑھا۔ اس نے طاق میں ہاتھ ڈالا' ماچس وہاں موجود تھی۔ زوناش نے ماچس اٹھائی اور لیبارٹری کے دروازے کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے بکھرے ہوئے سامان میں سے ایک چیتھڑا اٹھا کر اسے آگ لگائی اور زور سے اسے پٹرول اور سپرٹ میں بھیگے ہوئے سامان پر پھینک دیا۔ ایک ہلکے سے دھماکے کے بعد تمام چیزوں نے آگ پکڑلی اور شعلے بلند ہونے لگے۔ زوناش تہہ خانے سے نکل کر اوپر والی منزل پر آگیا۔ ماچس اس کے ہاتھ میں تھی دوسری منزل میں بھی اس نے آگ لگادی۔ جب شعلے بلند ہونے لگے تو وہ دروازے سے نکل کر آسیبی حویلی کے صحن میں آگیا۔ آسیبی حویلی کے روشندانوں میں سے دھواں باہر نکلنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد روشندانوں میں سے شعلے باہر نکلنے لگے۔ اس منحوس لیبارٹری اور آسیبی کھنڈر میں لگی ہوئی آگ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی تھی جہاں دو انسان دشمن' جرائم پیشہ ڈاکٹروں نے اپنی طرف سے ایک مصنوعی انسان بنانے کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور جس کے لئے انہوں نے نہ جانے کتنی قبریں کھود کر میتوں کی بے حرمتی کی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے آسیبی کھنڈر کی لیبارٹری میں بھڑکی ہوئی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ زوناش نے آخر بار دو گناہگار انسانوں کے بنائے اس جہنم کی آگ کے شعلوں کو دیکھا اور ایک طرف روانہ ہوگیا۔ زوناش کی لاش اب اس شہر اس ملک سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ رات کی تاریکی میں ایک ویران میدان میں سے گزر رہا تھا۔ میدان میں اگی ہوئی جنگلی جھاڑیاں اس کے پاؤں تلے کچلی جارہی تھیں۔ وہ بائیں ٹانگ ذرا سی گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ گولیاں لگنے کے بعد سے اس کی ٹانگ کے جوڑ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کا یہ عیب کچھ دیر پہلے ہی نمودار ہوا تھا۔ اس کی ٹانگ درد نہیں کررہی تھی۔ درد کا احساس تو اس کے جسم سے غائب تھا۔ کیونکہ اس

کا سارا جسم مردہ لاشوں کے اعضا کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ مگر اس کی بائیں ٹانگ کے اوپر جوڑ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی میں سے چلتے وقت ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے لوہے کے دو ٹکڑے آپس میں رگڑ کھا رہے ہوں۔

زوناش کا ارادہ وہاں سے سیدھا لاہور ایئرپورٹ کی طرف جانے کا تھا جہاں سے وہ کسی نہ کسی جہاز میں سوار ہو کر لندن پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس نے چلتے چلتے چہرہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر اتنے زیادہ بادل جمع ہوگئے تھے کہ ایک ستارہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ان بادلوں کی وجہ سے رات کی تاریکی اور گہری ہوگئی تھی۔ زوناش جنگلی جھاڑیوں والا میدان عبور کرنے کے بعد کھیتوں میں داخل ہوگیا تھا۔ ان کھیتوں میں پانی دیا ہوا تھا۔ ان کھیتوں میں چلنے سے زوناش کی ٹانگیں پنڈلیوں تک کیچڑ سے بھر گئی تھیں۔ مگر وہ ان چیزوں سے بے نیاز بے خبر بائیں ٹانگ تھوڑی سی گھسیٹ کر چلا جارہا تھا۔ اچانک کھیت کے کیچڑ میں سے ایک سانپ پھنکار مار کر اچھلا اور اس نے زوناش کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ زوناش نے سانپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ رک گیا۔ اس نے جھک کر اپنا لمبا بازو نیچے کیا اور کیچڑ میں رینگتے ہوئے سانپ کو پکڑ کر اٹھالیا۔ سانپ نے دوسری بار اس کے ہاتھ پر ڈس لیا۔ زوناش کو غصہ آگیا۔ اس کے حلق سے ڈراونی آواز نکلی اور اس نے سانپ کے تین ٹکڑے کر ڈالے اور ان ٹکڑوں کو اپنے منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ زوناش کی لاش نے کوئی چیز اپنے منہ میں ڈال کر چبائی تھی۔ سانپ کے ٹکڑوں کو اچھی طرح چبانے اور حلق سے غصیلی آوازیں نکالنے کے بعد زوناش نے سانپ کو باہر تھوک دیا اور آگے چل پڑا۔

کھیتوں سے نکل کر وہ درختوں کے درمیان سے گزرتی ایک سڑک پر آگیا۔ کچی سڑک تھی۔ اس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ زوناش کو اندازہ تھا کہ یہ کچی سڑک آ جا کر اس بڑی سڑک سے مل جاتی ہے جو اسے سیدھی ایئرپورٹ پر پہنچا دے گی۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ کائنات گہری نیند سو رہی تھی۔ درخت ساکت و

خاموش تھے۔ زوناش کو چلتے چلتے اچانک محسوس ہوا جیسے اسے دائیں جانب سے ہلکا سا دھکا لگا ہو۔ پہلے تو اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ جب چند قدم چلنے کے بعد اسے پھر ہلکا سا دھکا لگا تو اس نے رک کر دائیں جانب دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وہ پھر چل پڑا۔ دو قدم چلا تو اسے پھر دائیں جانب سے ہلکا سا دھکا لگتا محسوس ہوا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے سڑک سے اتار کر بائیں جانب لے جانا چاہتا ہے۔ یہ کوئی غیبی ہستی تھی جو اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بائیں جانب دھکیل دیتی تھی۔ زوناش سڑک سے اتر کر بائیں جانب ہو گیا۔ آگے بائیں جانب ایک پگڈنڈی تھی۔ کسی غیبی ہستی نے اسے ایک بار پھر ہلکے ہلکے دو تین دھکے دیئے۔ زوناش غصہ کھا کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اس کے حلق سے غراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔

اچانک اس کے کانوں میں ایک جانی پہچانی محبت بھری آواز آئی۔ وہ اس آواز کو فوراً پہچان گیا۔ یہ اس کی محبوبہ مارگریٹ کی آواز تھی۔ آواز میں زوناش نے مرنے کے بعد پہلی بار محبت کی شیرینی محسوس کی تھی۔ مارگریٹ نے ایک آہ بھر کر انگریزی زبان میں سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

"والڈروف! میں تم سے ملنے اتنی دور سے آئی ہوں۔ کیا تم مجھ سے نہیں ملو گے۔"

زوناش کے دماغ میں خوشی کی لہریں جوش مارنے لگیں۔ اس نے ان لہروں کی زبان میں مارگریٹ سے کہا۔

"مارگریٹ! تم کہاں ہو؟ میں تمہیں ملنے کو بے تاب ہوں۔ مجھے اپنی شکل دکھاؤ' پلیز!"

مارگریٹ کی آواز آئی۔

"والڈروف! یہاں سے دو کوس آگے ایک قبرستان ہے۔ میں اس قبرستان میں تمہارے دیدار کی منتظر ہوں۔ مجھے اپنی صورت دکھا جاؤ۔ مجھے اس قبرستان سے

باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔"

زوناش وہاں سے فوراً چل پڑا۔ ڈیڑھ کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں بھی اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ علاقہ اس کا دیکھا بھالا ہے۔ جب وہ قبرستان کے دروازے پر پہنچا تو اس نے قبرستان دیکھا جن کی مختلف قبریں کھود کر ڈاکٹر پرویز اور ڈاکٹر دارا نے گورکن کی مدد سے مردے نکلوا کر اپنی پسند کے اعضا کاٹ کر الگ کروائے تھے۔ وہ مردے اسی قبرستان کی قبروں کے تھے جن کے بازو' ٹانگیں اور کھوپڑیاں کاٹ کر اور پھر ان میں سے طاقتور اور صحت مند اعضا چن کر دونوں ڈاکٹروں نے جوڑے تھے اور زوناش کا عفریت نما جسم تیار کیا تھا۔ وہ گورکن بھی اسی قبرستان کا تھا جس کو ایک رات زوناش نے ہلاک کر ڈالا تھا۔

مگر اس وقت زوناش کے دماغ پر اس کی محبوبہ مارگریٹ کا خیال چھایا ہوا تھا اور وہ اس سے ملاقات کرنے کو بے تاب تھا۔ قبرستان میں اندھیرا اور دہشتناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ زوناش رک گیا اور آہستہ آہستہ گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے اپنی محبوبہ کی روح کا ہیولا کہیں نہ دکھائی دیا۔ اتنے میں اسے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی اس کے قریب کھڑا سرد آہیں بھر رہا ہو۔ زوناش نے خاموشی کی زبان میں پوچھا۔ "کیا یہ تم ہو مارگریٹ؟"

مارگریٹ کی سرد آہوں میں دبی ہوئی آواز آئی۔

"میرے محبوب! یہ مَیں ہی ہوں۔ تمہاری محبوبہ' میری طرف دیکھو۔"

زوناش نے دیکھا اس سے چند قدموں کے فاصلے پر تاریکی میں ایک سفید دھوئیں کا انسانی ہیولا کھڑا تھا۔ زوناش اپنے دماغ کی لہروں کی مدد سے اپنی محبوبہ سے ہم کلام تھا۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

"تم مجھ سے اتنی دور کیوں ہو؟ مَیں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں۔"

مارگریٹ کی روح کے ہیولے نے سرگوشی میں کہا۔

"زوناش! زوناش! مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو بارہ دری والی قبر کے احاطے میں آ

جاؤ۔ میں صرف اسی جگہ تمہارے سامنے آ سکتی ہوں۔"

بارہ دری والی قبر قبرستان کی عقبی دیوار کے پاس تھی۔ زوناش پہلے بھی اس قبر کو دیکھ چکا تھا۔ وہ قدم قدم چل کر بارہ دری والی قبر کے احاطے کے دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ زوناش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر اس کے قدم اپنے آپ کیوں رک گئے ہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ کر حیران ہی ہو رہا تھا کہ کسی غیبی طاقت نے اسے پیچھے سے دھکا دیا۔ زوناش بارہ دری والی قبر کے احاطے میں داخل ہو چکا تھا۔ جیسے ہی وہ احاطے میں داخل ہُوا۔ اسے اپنے سارے بدن پر ایک دباؤ سا محسوس ہونے لگا۔ یہ دباؤ زوناش کے جسم پر چاروں طرف پڑ رہا تھا۔ اس کے دماغ کی محدود سوچ اس بوجھ کی وجہ کو نہ سمجھ سکی۔ ویسے بھی اس وقت وہ اپنی محبوبہ کے خیال میں سرشار تھا۔ اس نے چہرہ سامنے کی طرف اٹھا بارہ دری کی قبر کو دیکھا۔ یہ قبر بارہ دری کے وسط میں بنی ہوئی تھی۔ قبر کے اوپر اسے اپنی محبوبہ کا دھندلا دھندلا انسانی ہیولا دکھائی دیا۔ زوناش بارہ دری کی طرف بڑھا۔ چاروں طرف کے دباؤ کی وجہ سے زوناش کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ کسی بوجھ کو لے کو چل رہا ہے۔ اپنے دماغ کی لہروں کے ذریعے اپنی محبوبہ کی روح کے ہیولے سے مخاطب ہُوا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں مارگریٹ؟؟"

زوناش کی نیم وا، نیم مردہ آنکھیں روح کے انسانی ہیولے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہیولا ایک دائرے کی شکل میں گردش کرنے لگا۔ گھومتے گھومتے دھوئیں کا ہیولا بارہ دری سے باہر نکل آیا اور آہستہ آہستہ زوناش کے قریب ہونے لگا۔ زوناش اپنی جگہ پر کھڑا ہیولے کو قریب آتے دیکھ رہا تھا۔ ہیولے نے پہلے پہلے تو اس کی محبوبہ کی شکل اختیار کی۔ جب زوناش اپنی محبوبہ کی طرف بڑھا تو دھوئیں کا ہیولا اچانک غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک انسانی لاش قبر کے پاس اس حالت میں کھڑی تھی کہ لاش کا سینہ حلق سے لے کر نیچے ناف تک کھلا ہُوا تھا۔ انتڑیاں لٹک رہی تھیں۔ زوناش حیران ہُوا کہ یہ لاش کہاں سے نمودار ہو گئی ہے اور اس کی محبوبہ کی روح کا ہیولا

کہاں غائب ہو گیا ہے۔ کیوں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے دماغ کی لہروں نے مارگریٹ کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے دوسری، تیسری بار اپنی محبوبہ کو آواز دی۔ کسی طرف سے بھی زوناش کی محبوبہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

لاش دونوں بازو لٹکائے اپنے پھٹے ہوئے سینے کے ساتھ زوناش کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے حلق سے کراہنے کی بڑی دردناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جیسے وہ شدید درد اور اذیت کے عالم میں ہو۔ زوناش کے دماغ نے کہا "زوناش! یہاں سے بھاگ جا" جیسے ہی زوناش نے وہاں سے فرار ہونے کے لئے قدم اٹھانا چاہا اس کے پاؤں نے زمین چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوسرا پاؤں اٹھانا چاہا۔ دوسرا پاؤں بھی زمین نے جکڑ لیا تھا۔ زوناش نے بازو اٹھانے کی کوشش کی۔ اس کے دونوں بازو جیسے پتھر بن چکے تھے۔ زوناش کے حلق سے ایک لمبی غراہٹ کی آواز نکلی۔ دوسرے لمحے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی کٹی پھٹی لاش نے اپنا بازو اٹھایا۔ زوناش نے دیکھا کہ لاش کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کا پھل چمک رہا تھا۔ لاش کراہتی دردناک آوازیں نکالتی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ زوناش نے اپنے جسم کا پورا زور لگا کر اپنے آپ کو پیچھے کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

کٹی پھٹی خون آلود لاش پھٹے ہوئے پیٹ کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زوناش اپنی جگہ پر کھڑا بے بسی کی حالت میں لاش کو اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا۔ لاش زوناش کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔ زوناش نے نیم وا نیم مردہ آنکھوں سے دیکھا کہ لاش کا دل غائب تھا۔ اس وقت لاش نے اذیت ناک آواز میں کہا۔

"مَیں قبر میں سکون کی نیند سو رہا تھا۔ میرا مردہ باہر نکال کر میرا سینہ چیر دیا گیا اور میرا دل نکال کر تمہارے سینے میں لگا دیا گیا۔ میں تم سے اپنا دل واپس لینے آیا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی لاش نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہُوا خنجر زوناش کے سینے میں

گھونپ دیا۔ زوناش کے دماغ نے پہلی بار شدید درد کی ٹیس محسوس کی۔ اس کے منہ سے بلبلاہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ لاش نے خنجر باہر نکال کر دوسرا وار کیا' پھر تیسرا وار کیا۔ زوناش کا سینہ کھل گیا۔ لاش نے زوناش کے سینے میں ہاتھ ڈال کر اس کا دل ایک جھٹکے سے نوچ کر باہر نکال لیا۔ زوناش کا دل خون سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دھڑک رہا تھا اور اس کی رگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ کٹی پھٹی لاش نے دل والا ہاتھ بلند کر کے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور غائب ہو گئی۔

زوناش نے گردن جھکا کر اپنے سینے پر نگاہ ڈالی۔

اس کے سینے کے شگاف میں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور دھونکنی کی طرح پھولتے سکڑتے اسے اپنے پھیپھڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ زوناش نے اپنی پوری طاقت اپنے دماغ میں مرکوز کر کے اپنے بدن کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ لاش نے اس پر جو طلسم کیا تھا' وہ ٹوٹ گیا اور اس کے جسم کی طاقت واپس آ گئی۔ زوناش کے سینے کے شگاف میں سے خون ابل ابل کر باہر آ رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سینے کے شگاف پر رکھا اور بارہ دری کے احاطے سے نکل گیا۔

وہ بھاگنا چاہتا تھا تاکہ اس قبرستان سے جتنی تیزی سے نکل سکتا ہے اپنے آپ کو نکال کر لے جائے مگر وہ ایک خاص رفتار سے زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ بارہ دری والی قبر کے احاطے سے نکلنے کے بعد زوناش قبروں کے درمیان سے گزرتا قبرستان کے گیٹ کی طرف بڑھا۔

گھبراہٹ میں زوناش کا پاؤں ایک قبر پر پڑ گیا۔ قبر اندر سے کھوکھلی تھی۔ وہ اپنے پورے جسم کے ساتھ قبر کے اندر گر پڑا۔ جیسے ہی وہ قبر کے فرش پر گرا اُسے اپنے اِردگرد چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ عورتوں اور مردوں کی ملی جلی آوازیں تھیں۔ آوازیں کبھی زوناش کے بالکل قریب آ جاتیں اور کبھی دور ہو جاتیں۔

زوناش جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پھٹے ہوئے سینے کا گہرا اور لمبا

زخم سخت درد کر رہا تھا۔ زوناش کو پہلے کبھی درد کا احساس نہیں ہوا تھا۔ شاید قدرت اسے اس کے گناہوں کی سزا دے رہی تھی اور اس نے زوناش کے جسم میں درد کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ زوناش کے چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے سینے کے زخم پر رکھا ہوا تھا' جہاں سے ابھی تک خون ابل رہا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کو آگے کر کے اندھیرے میں ٹٹولا۔ اس کے آگے کوئی دیوار وغیرہ نہیں تھی۔ زوناش بائیں ٹانگ کو گھسیٹتا آگے بڑھا۔ اس کے سینے کے زخم میں سے درد کی ٹیسیں لہروں کی شکل میں اٹھ رہی تھی۔ اس کے حلق سے تکلیف دہ آوازیں نکلنے لگی تھیں' جیسے کسی آدمی کا خنجر سے سینہ چاک کیا جا رہا ہو۔ یہ اس قسم کا اندھیرا تھا کہ زوناش کو بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس گھپ آسیبی اندھیرے میں اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا ایک ایک قدم کر کے چلا جا رہا تھا۔

المناک چیخوں کی بھی قریب آتی' کبھی دور ہوتی آوازیں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کے سینے کے گہرے زخم کی ٹیسیں اس کے سارے بدن میں پھیل گئی تھیں۔ اس کا سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ زوناش شدید عذاب کی حالت میں تھا۔ اسے ایک ایک کر کے اپنے سارے گناہ یاد آنے لگے تھے۔ ان سارے مردوں' عورتوں اور بچوں کی شکلیں اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہی تھیں جن کو اس نے بے دردی سے قتل کیا تھا۔

اندھیرا آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو گیا۔ اندھیرے نے دھوئیں کی شکل اختیار کر لی۔ اس دھوئیں میں مردہ لاشوں کی بدبو تھی۔ زوناش نے پہلی بار اپنا دم گھٹتا محسوس کیا۔ اس کا ایک ہاتھ سینے کے زخم پر تھا جس پر اس کے سینے کے زخم سے نکلتا ہوا خون جم چکا تھا۔ دوسرے ہاتھ کو وہ دھوئیں میں ٹٹولنے کے انداز میں دائیں بائیں اور آگے ہلاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ کسی بالوں بھرے جسم سے ٹکرایا۔ زوناش ہانپتے ہوئے وہیں رک گیا۔ اس نے بالوں بھرے جسم کو ٹٹولا۔ بالوں کے اندر ایک سانپ چھپا ہوا تھا۔ زوناش کا ہاتھ سانپ سے ٹکرایا تو سانپ نے

پھنکار ماری اور اس کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ زوناش نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اس کے ہاتھ میں سے درد کی ٹیس اٹھی اور زوناش کے حلق سے ایک ڈراؤنی چیخ نکل گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دیوانہ وار آگے بڑھا۔ مگر وہ زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ اس کی بائیں ٹانگ کا زخم جہاں گولی لگی تھی اب وہ بھی درد کرنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زوناش کے سارے گناہ بیدار ہو گئے تھے اور زخموں کے درد کی شدید ٹیسیں بن کر اس کے سارے جسم کو ہچکولے لگا رہے تھے۔

دھوئیں کے کثیف بادل چھٹ گئے۔ زوناش نے دیکھا کہ وہ دہکتے ہوئے سرخ لاوے کے بہت بڑے گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہے۔ گڑھا لاوے سے بھرا ہوا تھا۔ لاوا کھول رہا تھا۔ اس میں سے سسکار کی لرزہ خیز آواز کے ساتھ گندھک کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ کھولتے ہوئے سرخ لاوے کی تپش سے زوناش کو اپنا جسم جلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ لاوے کے گڑھے کے کنارے کنارے اپنے آپ کو گھسیٹ کے کچھ دور لے گیا۔ وہاں ایک تاریک غار کا دہانہ تھا۔ غار کے اندر سے دل پر دہشت طاری کر دینے والی دبی دبی چیخنے کی آواز آ رہی تھیں۔ زوناش غار کے دہانے کے قریب سے ہو کر آگے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ گھسیٹ گھسیٹ کر چلتا غار کے قریب سے گزرا تو اسے سامنے سے ایک دھکا لگا اور وہ پیچھے کو گرتا گرتا سنبھل گیا۔ کسی غیبی طاقت نے اسے دھکا دیا تھا۔ جس نے اسے دھکا دیا تھا وہ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک غار کے تاریک دہانے میں سے چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ زوناش نے غار کی طرف دیکھا یہ کسی بچے کی چیخ کی آواز تھی۔ غار میں سے دھوئیں کا ایک چھوٹا سا مرغولا نمودار ہوا۔ دھوئیں کے مرغولے نے گھومتے گھومتے ایک بچے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ بچہ فضا میں چکر لگاتا گھومتا زوناش کی آنکھوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بچے کا گلا آدھا کٹا ہوا تھا۔ اس میں سے خون ابل ابل کر اس کے سارے جسم پر بہہ رہا تھا۔ بچے کے منہ سے بڑی دردناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ بچے کی شکل اور اس کی خون آلودہ آدھی کٹی ہوئی گردن دیکھ کر زوناش کو یاد آ گیا' یہ وہی بچہ تھا جس کو اس نے

قتل کیا تھا۔ ماضی میں جب وہ بڑا سفاک قاتل تھا اور لوگوں کو بے دریغ قتل کر رہا تھا تو وہ ایک طوفانی بارش والی رات کو ایک گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں صرف ایک عورت اور ایک بچہ ہی تھا۔ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ زوناش پر خون سوار تھا۔ اس نے سب سے پہلے عورت کو بالوں سے پکڑ کر ایک طرف گھسیٹا اور خنجر کے پے در پے وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بچہ فرش پر پڑا زور زور سے رو رہا تھا۔ زوناش نے غصے میں آ کر بچے کو اٹھا کر اس کی گردن پر خنجر کا وار کیا اور اسے فرش پر پٹخ دیا۔ بچے کی آدھی گردن کٹ چکی تھی اور اس میں سے خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ زوناش کو بچے کی شکل یاد تھی جب وہ بچے کی گردن پر خنجر کا وار کرنے لگا تھا تو عجیب بات ہوئی تھی۔ بچہ روتے روتے ایک دم چپ ہو گیا تھا اور اس نے حیرت زدہ آنکھوں سے زوناش کی طرف دیکھا تھا۔ زوناش نے دوسرے ہی لمحے اس کی گردن پر خنجر کا وار کر دیا تھا اور اس کو فرش پر پھینک دیا تھا۔ یہ وہی بچہ تھا۔ زوناش کا دماغ اس بچے کو دیکھ رہا تھا۔ بچے کی گردن اسی طرح آدھی کٹی ہوئی تھی۔ خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ زوناش کے سامنے آ کر بچہ ایک دم چپ ہو گیا۔ اس نے حیرت زدہ آنکھوں سے زوناش کی طرف دیکھا اور پھر اس نے اپنا چھوٹا سا بازو فضا میں بلند کیا۔ خدا جانے کہاں سے بچے کے ہاتھ میں ایک خنجر آ گیا تھا۔ زوناش نے خنجر کو بھی پہچان لیا۔ یہ وہی خنجر تھا جس سے اس نے بچے کو قتل کیا تھا۔

زوناش کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ بھاگ جانا چاہتا تھا مگر اس کے پاؤں زمین نے جکڑ لئے تھے۔ بچے کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی اور خنجر کے ایک ہی وار سے زوناش کی آدھی گردن کاٹ ڈالی۔ زوناش کی کٹی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ زوناش کے حلق سے ایسی آواز بلند ہوئی جیسے کسی ایسے اونٹ کے حلق سے نکلتی ہے جب اس کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ بچہ غائب ہو گیا۔
اس کا سارا کٹا پھٹا جسم جھنجھنا اٹھا۔ وہ گھسٹنے لگا۔ آگے ایک اور غار کا تاریک

دہانہ آ گیا۔ اس غار میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ اچانک اس دھوئیں میں سے ایک بوڑھی عورت باہر نکلی۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ وہ لاٹھی ٹیک کر چل رہی تھی۔ بوڑھی عورت نے زوناش کی طرف لاٹھی کا اشارہ کیا۔ زوناش اسے دیکھنے لگا۔ عورت کو دیکھتے ہی زوناش کا جسم دہشت اور عذاب کے خوف سے برف کی مانند سرد ہو گیا۔ اُس نے اس عورت کو پہچان لیا تھا۔ اس عورت کا دریا کے کنارے ایک مکان ہوا کرتا تھا۔ یہ بیوہ عورت تھی اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی۔ اپنی سنگ دلی اور سفاکی کے ایام میں زوناش ایک رات اس عورت کے مکان میں داخل ہُوا۔ عورت سو رہی تھی۔ زوناش نے عورت کو ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا کہ تمہارا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ زوناش بغیر کسی وجہ سے لوگوں کو قتل کرتا پھرتا تھا۔ عورت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ قضا سر پر پہنچ گئی ہے تو اس نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہ مارو۔ میرا بیٹا پردیس گیا ہُوا ہے اور کل گھر واپس آ رہا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے سے مل لینے دو۔ اس کے بعد بے شک مجھے قتل کر دینا۔" مگر زوناش اس وقت پورا خونی درندہ بن چکا تھا۔ اس نے خنجر نکال کر بوڑھی عورت کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ بوڑھی عورت سکتے میں آ گئی۔ زوناش نے خنجر کھینچ لیا اور دوسرا وار اس کی گردن پر کیا۔ اس کی گردن آدھی کٹ کر ڈھلک گئی۔ بوڑھی عورت کا خون آلود جسم ذرا سا تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

یہ وہی عورت تھی۔ زوناش نے اسے پہچان لیا تھا۔ عورت بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورت سے ایک چھوٹا سا چمگادڑ بن گئی۔ چمگادڑ نے ہوا میں غوطہ لگایا اور باریک چیخ کی آواز نکالتی ہوئی زوناش کے سینے کے شگاف میں سے اس کے کٹے پھٹے جسم کے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے زوناش کے جسم کے اندرونی اعضا کھانے اور خون پینا شروع کر دیا۔ زوناش شدت درد سے کراہنے لگا۔ چمگادڑ اس کے جسم کے اندر اعضا کو نوچ رہی تھی۔ وہ اس کے دونوں گردے اور پھیپھڑے کھا گئی۔ اس کے بعد وہ زوناش کے سینے کے شگاف سے نکلی اور اس کی

گردن کے خون آلود زخم سے چمٹ گئی اور اس کا خون پینا شروع کر دیا۔ زوناش کا سارا جسم ایک جگہ جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ درد کی شدید لہریں اس کے جسم کے ذرے ذرے سے اُٹھ رہی تھیں۔ مگر اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ ہاتھ ہلا کر اپنی گردن سے چمٹی ہوئی چمگادڑ کو پرے ہٹا سکے۔ جب زوناش کے جسم کے گوشت اور اس کے خون سے چمگادڑ کا پیٹ بھر گیا تو وہ غوطہ لگا کر غار کے دھانے کی تاریکی اور دھوئیں میں گم ہو گئی۔

زوناش جس کے جسم میں دس آدمیوں کی طاقت تھی نقاہت سے گرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ گر پڑا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح زمین پر پڑا رہا اور درد کے عذاب سے تڑپتا رہا۔ پھر جیسے کسی نے اسے پکڑ کر اٹھا دیا۔ وہ اپنے پاؤں کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ مگر اس کا جسم خوف عذاب اور درد کی شدت سے ڈول رہا تھا۔ اس کے پھٹے ہوئے پیٹ' سینے کے شگاف اور کٹی گردن کے زخم میں سے درد کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ زوناش خودکشی کر کے اس ناقابل برداشت عذاب سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا مگر عدل کرنے والی ہستی نے زوناش کی ساری طاقتوں اور اس کے ارادوں کو سلب کر لیا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا' نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے عبرت ناک انجام کا خود تماشائی بن گیا تھا۔ معصوم بچوں' سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے والا انسان اس جہنم سے باہر نکل کر بھاگ جانا چاہتا تھا' مگر وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ایک جہنم ختم ہوتا تھا تو دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ ایک دوزخ ختم ہوتا تو دوسرا دوزخ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے جہنم تھے جس کے عذابوں میں وہ مبتلا تھا۔ یہ اس کی اپنی لگائی ہوئی آگ تھی جس کے شعلوں میں وہ جل رہا تھا۔

اس کی ٹانگوں میں تھوڑی سی طاقت آ گئی تھی۔ وہ اسی طاقت کے سہارے آہستہ آہستہ اپنی ایک ٹانگ کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگا۔ اُس کے اِرد گرد ایک بار پھر اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اس اندھیری فضا میں ہر قسم کی دبی دبی گھٹی گھٹی رونگٹے

کھڑے کر دینے والی آوازیں آ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ اندھیرا دنیا کی تاریک ترین رات سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا۔ اس اندھیرے میں سینکڑوں انگاروں جیسی دہکتی شعلہ بار آنکھیں گھومتی گردش کرتیں اس کے قریب آتیں اور پھر واپس چلی جاتیں۔ اس آسیبی اندھیرے میں اچانک ایک چڑیل کا ڈراؤنا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کے بال کھلے تھے۔ اس کے کان کندھوں تک لٹک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے لال دہکتے ہوئے انگارے تھوڑی تھوڑی دیر بعد جھڑ رہے تھے۔ اس کی ناک غائب تھی۔ ناک کی جگہ ایک تکونا گڑھا پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس کے پاؤں الٹے تھے۔ وہ اندھیرے میں الٹے پاؤں چلتی چیختی چلاتی خنجر لہراتی زوناش کے سامنے آئی اور خنجر کے ایک ہی وار سے زوناش کی ناک کاٹ کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

زوناش اپنی جگہ پر لڑکھڑا گیا۔ اس کی ناک سے خون نکل نکل کر اس کے حلق میں گرنے لگا اور پھر اس کے منہ سے باہر بہنے لگا۔ درد' اذیت اور عذاب ایک خاص انتہا تک پہنچ گیا تھا' مگر ایک خاص انتہا تک پہنچنے کے بعد پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ اس ہیبت ناک ماحول سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر اس کی کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ اسے اپنی ٹانگوں کی طاقت ختم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے غار ختم ہو گئے تھے۔ تاریکی چھٹ گئی تھی۔ وہ ایک ویران' بے آب گیاہ چھوٹے سے میدان میں آ گیا تھا۔ یہاں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں سی بنی ہوئی تھیں۔ ڈھیریاں مٹی کی تھیں۔ وہ قبریں نہیں تھیں مگر قبریں لگتی تھیں۔ زوناش ان ڈھیریوں میں سے گزر کر ذرا آگے گیا تو بادلوں میں بڑے زوردار کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی۔ اس کے دو سیکنڈ بعد بادلوں میں اتنے زور کا دھماکہ ہوا کہ لگتا تھا آسمان پھٹ پڑا ہے۔ زوناش کانپ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بائیں جانب سے سیاہ آندھی اٹھی جس نے آناً فاناً ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ طوفانی بگولے زوناش کے چاروں طرف چیختے چلاتے شور مچاتے گردش کر

رہے تھے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے زمین کے نیچے سے تمام بلائیں چڑیلیں نکل آئی ہیں۔ زوناش کو ایک گردش کرتے بگولے نے زمین سے اٹھا لیا اور اس کے ساتھ زوناش بھی گردش کرنے لگا۔ بگولا زوناش کو لے کر اوپر ہی اوپر چلا جا رہا تھا۔

پھر وہ نیچے اترنے لگا۔ بگولے کے اندر اس کی گردش انتہائی تیز تھی۔ نیچے آتے آتے بگولے کی رفتار اور تیز ہوتی گئی اور اس نے زوناش کو زمین پر گرا دیا۔ زوناش جیسے ہی زمین پر گرا سیاہ آندھی اور طوفانی ہوائیں چیختیں چلاتیں غائب ہو گئیں۔ زوناش نے دیکھا کہ رات کا وقت ہے۔ آسمان کو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ زمین پر کہرے کی یخ بستہ چادر پھیلی ہوئی ہے۔ بادلوں میں اچانک بجلی چمکی تو زوناش نے دیکھا کہ وہ اسی قبرستان میں ہے جس قبرستان کے مردوں کے ٹکڑے کاٹ کر اسے بنایا گیا تھا اور اسے عفریت نما انسانی شکل دی گئی تھی۔ زوناش بڑی مشکل سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا پیٹ پسلیوں سے لے کر ناف تک کھلا ہوا تھا۔ انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل کر مردہ سانپوں کی طرح لٹک رہی تھیں۔ سینے اور گردن کے شگاف پر خون بہہ بہہ کر جم چکا تھا۔ وہ اپنی بائیں ٹانگ کو آہستہ آہستہ گھسیٹتا ہوا چل پڑا۔ سرد رات میں کہرے کی باریک چادر نے قبروں کو پتلے کفن کی چادر کی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ قبروں کے کتبے اور صلیبیں کہیں کہیں سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔

اچانک قبرستان کی تاریک سرد رات کی خوفناک خاموشی میں ایک طرف سے عورتوں مردوں کے بین کرنے کی دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دیں۔ آواز دور سے آ رہی تھیں' جیسے کوئی جنازہ لایا جا رہا ہو۔ بجلی ایک دم سے چمکی۔ قبرستان کی ویران فضا روشن ہو کر بجھ گئی۔ بین کرنے کی آوازیں آہستہ آہستہ زوناش کے قریب آ رہی تھیں۔ زوناش دیوانوں کی طرح دائیں بائیں سر مارنے لگا۔ آوازیں تیز سے تیز تر ہو گئیں اور پھر گرجتے شور مچاتے بادل کی طرح اس کے اوپر سے ہو کر گزر گئیں۔ زوناش کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ یہ خوف اور دہشت کی چیخ تھی۔ زوناش کا جسم اپنے گناہوں کے عذابوں کے زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔ اس کی

شخصیت، اس کا جسم ہر چیز مسخ ہو چکی تھی۔ وہ موت کا طلب گار تھا مگر اسے موت نہیں آ رہی تھی۔ کہرے اور تاریکی کی ملی جلی فضا میں زوناش نے دیکھا کہ ایک قبر ہے جس کے پاس ایک ایسی لاش کھڑی ہے جس کے دونوں بازو غائب ہیں۔ لاش کے پہلو میں ایک سیاہ فام دوسری لاش کھڑی ہے جس کے ایک ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار ہے۔ دونوں لاشیں آہستہ آہستہ چل کر زوناش کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر لاش ڈراؤنی آواز میں بولی۔

"میں وہ مردہ ہوں جس کے بازو کاٹ کر تمہیں لگائے گئے تھے۔ میں اپنے بازو واپس لینے آیا ہوں۔"

لاش نے اپنی ساتھی لاش کو اشارہ کیا۔ دوسری لاش نے تلوار کے پہلے وار سے زوناش کا پہلا بازو اور دوسرے وار سے اس کا دوسرا بازو کاٹ دیا۔ لاش نے دونوں بازو اٹھائے اور دونوں لاشیں اپنی اپنی قبروں کی طرف واپس چلی گئیں اور تاریکی میں غائب ہو گئیں۔

زوناش کے دونوں بازو کٹ چکے تھے۔ اس کی ساری توانائیاں، ساری طاقتیں، ساری مدافعتیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ اپنی حالت زار کا آپ تماشائی بن چکا تھا۔ وہ بے بسی کی حالت میں اپنی ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا دو قدم آگے گیا تھا کہ ایک اور قبر کے پاس ایک لاش ہاتھ میں لاٹھی پکڑے کھڑی تھی۔ وہ لاٹھی کے سہارے چلتی زوناش کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ زوناش نے اپنی نیم مردہ، نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ لاش کی دونوں آنکھیں غائب تھیں۔ آنکھوں کی جگہ وہاں دو گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ لاش نے زوناش سے مخاطب ہو کر کہا۔

"زوناش! میں وہ مردہ ہوں جس کی آنکھیں نکال کر تمہیں لگا دی گئی۔ میں اپنی آنکھیں واپس لینے آیا ہوں۔"

زوناش بے حس و حرکت کھڑا رہا تھا۔ وہ سوائے دیکھنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لاش نے لاٹھی پھینک دی اور دونوں ہاتھ آگے کر کے چہرے کو ٹٹولا اور پھر فوراً

اس کی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے اپنی مٹھی میں سنبھالے اور لاٹھی ٹیکتی اپنی قبر کی طرف واپس چلی گئی اور چلتے چلتے اپنی قبر کے پاس پہنچ کر غائب ہو گئی۔ زوناش اندھا ہو چکا تھا۔ وہ حواس باختہ کچھ دیر وہیں ایک لاش کی طرح کھڑا رہا۔ پھر گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگا۔ دو تین قبروں کے قریب سے گزر گیا۔ اچانک اندھیرے میں ایک اور لاش نمودار ہوئی۔ وہ بیساکھیوں کے سہارے کھڑی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں غائب تھیں۔ زوناش کو ایک ڈراؤنی آواز سنائی دی۔

"زوناش! رک جاؤ۔ میں وہ مردہ ہوں جس کی ٹانگیں تمہیں لگائی گئی تھیں۔ میں اپنی ٹانگیں واپس لینے آیا ہوں۔"

زوناش وہیں رک گیا۔ لاش کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر تلوار کے دو وار کئے اور زوناش کی دونوں ٹانگیں کٹ کر گر پڑیں۔ زوناش ساتھ ہی نیچے گر پڑا۔ لاش نے دونوں ٹانگیں اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈالیں اور بیساکھیوں کے سہارے چلتے ہوئے اپنی قبر کے پاس جا کر غائب ہو گئی۔

زوناش زمین پر اس حالت میں پڑا تھا کہ نہ چل سکتا تھا، نہ اٹھ سکتا تھا، نہ دیکھ سکتا تھا، صرف سوچ سکتا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک کام کر رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک اندھے کنوئیں میں گرا ہوا ہے اچانک اسے ایک اور لاش کی آواز سنائی دی۔ یہ لاش اس کے بائیں جانب سے قبرستان کے اندھیروں میں سے نکل کر آتی تھی۔ اس لاش کا سر غائب تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ لاش نے ڈراؤنی آواز میں کہا۔

"زوناش میں وہ مردہ ہوں جس کا سر کاٹ کر تمہیں لگایا گیا تھا۔ میں اپنا سر واپس لینے آیا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی زوناش کی گردن پر تلوار کا ایک زوردار وار پڑا اور اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ لاش نے زوناش کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور جدھر سے آئی تھی اس طرف اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ زوناش کا باقی بچا ہوا بے جان مردہ جسم زمین پر

بے رحس و حرکت پڑا تھا اور لاش اس کے کٹے ہوئے سر کو بغل میں دبائے اپنی قبر کی طرف جا رہی تھی اور زوناش کے دماغ سے نکلتی ہوئی لہریں جو اسے لوگوں کے قتل پر آمادہ کیا کرتی تھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔

(ختم شُد)